فہرستِ مضامین

پہلی فصل ، مختلف فرقوں کی زبان ۱۵ تا ۳۷

دوسری فصل ، فصاحت کے ارکان ۳۷ تا ۴۳

تیسری فصل ، خواص کے ذکر میں - ۴۳ تا ۵۶

چوتھی فصل ، بعض فصیحوں پر تنقید ۵۶ تا ۱۲۵

مقدمہ

سید اِنشااللہ خاں کے نام سے کون واقف نہیں - ان کی خدا داد ذہانت، طباعی، شوخی و ظرافت اور جدت کا ایک زمانہ قائل ہے - اُن کی خاندانی شرافت، اور خاندانی اخلاق و آداب دلی اور لکھنؤ کے شرفا سب مانتے تھے - ان کے بزرگ دلی میں آکر بس گئے اور وہیں کے ہوگئے اور رفتہ رفتہ شاہی دربار میں رسائی ہوئی اور سلسلۂ اُمرا میں داخل ہوے - سید انشااللہ خاں بھی شاہ عالم بادشاہ کے درباریوں میں تھے، لیکن شاہ عالم کی بادشاہت نام کی رہ گئی تھی - اگرچہ بادشاہ نیک دل تھے، اور اپنے خانہ زادوں اور خاندانی متوسلین کی ہر طرح خاطر کرتے تھے لیکن وہ خود مجبور تھے - کمپنی بہادر کے پنشن خوار اور نام کے بادشاہ - وہ قدردانیاں اور قدر افزائیاں کہاں کر سکتے تھے جن کی وجہ سے ان کے بزرگوں کے نام اب تک دنیا میں روشن ہیں - دلی اب وہ دلی

نہ رہی تھی- ظاہری آداب باقی رہ گئے تھے مگر سلطنت کی جڑ کبھی کی کھوکھلی ہوچکی تھی' اور اس کے ساتھہ ہی دولت و ثروت اور علم و فضل بھی رخصت ہورہے تھے وہ اہل کمال جن کا دار و مدار بادشاہوں کی قدردانی پر ہے' ان کا ٹھکانا اب یہاں نہ رہا تھا- دلی کے زوال پر سلطنت کا ٹھاٹ لکھنؤ میں جما - آصف الدولہ کی سخاوت اور فیاضی نے حاتم کے نام کو بھلا دیا تھا- اہل کمال جو قدر دانی کے بھوکے تھے ایک ایک کرکے وہاں پہنچے - یہاں تک کہ 'میر تقی' جیسے شخص نے بھی جن کی غیرت اور استغنا کی قسم کھانی چاہئے اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہی - غرض سید انشااللہ کو بھی یہی کشش لکھنؤ لے گئی - تھوڑے ہی عرصے بعد دربار تک رسائی ہوئی - اور وہاں پہنچتے ہی اپنی لطیفہ گوئی' طباعی اور شاعری کی بدولت وہ عروج ہوا کہ نواب سعادت علی کی ناک کے بال ہوگئے - نواب سعادت علی خاں اگرچہ بہت بیدار مغز اور منتظم شخص تھے' مگر آخر فرصت کے وقت انہیں بھی دل لگی اور تفنن طبع کے لئے کچھہ ہونا چاہئے تھا- اس کے لئے سید انشااللہ سے بڑہ کر اور کون مل سکتا تھا- انھوں نے نواب کو ایسا رجھایا کہ ان کے بغیر ایک دم چین نہ آتا تھا-

اُمرا کی مصاحبت آدمی کو کہیں کا
اور باوجود غیر معمولی قابلیت اور ذھانت کے سید صاحب کا بھی یہی حشر ہوا -

مولوی محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب 'آب حیات' میں 'میاں بے تاب' کا ایک قول نقل کیا ہے کہ " سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا " - اس قول کے پہلے حصے سے تو مجھے بالکل اتفاق نہیں ' البتہ دوسرا حصہ بالکل صحیح ہے - شاعری خود ایک بڑا کمال ہے ' اور ایسا بڑا کمال ہے کہ اگر کسی شخص میں صحیح طور سے موجود ہو تو اس کے سامنے دوسرے کسب کمال ہیچ ہیں - البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ سید انشا کی طبعی ظرافت اور شوخی کو درباری مصاحبت اور مذاق نے خراب کیا اور اس نے ان کی شاعری کو بھی بگاڑے بغیر نہ چھوڑا - شوخی و ظرافت بڑی پر لطف چیز ہے اور کلام کا رتبہ اس سے بعض اوقات بہت بلند ہوجاتا ہے اور دلوں کے شگفتہ کرنے اور بعض خیالات کے ادا کرنے میں یہ ایک سحر کا کام کرتی ہے ' بشرطیکہ ایک حد تک اور مناسبت سے ہو اور کوئی لطافت بھی پائی جاتی ہو (جیسے مرزا غالب کے کلام میں)- لیکن افسوس

اللہ کے کلام میں بعض اوقات یہ شوخی
و ظرافت تمسخر اور پھکڑ کی درجہ تک اور پھکڑ سے فحش
اور شہد پن تک پہنچ گئی ہے جو کانوں کو ناگوار اور
ذوق سلیم پر بہت گراں گزرتی ہے -

سید انشا کا کلام | ان کا کلیات جو طبع ہوگیا ہے ، اس میں کلام ذیل شامل ہے : —

(۱) اُردو کا دیوان (۲) دیوان ریختی (۳) قصائد
(جس میں ایک قصیدۂ منقبت بے نقط و اشعار ترکی
وغیرہ بھی شریک ہیں) (۴) دیوان فارسی (۵) مثنوی
شیر و برنج فارسی (۶) مثنوی بے نقط (لوح سرخی بھی بے نقط
و موزوں) (۷) مثنوی شکارنامہ (۸) مثنویات در ہجو
زنبور ، کھٹمل ، پشہ ، مگس (۹) مثنوی شکایت زمانہ -
(۱۰) مثنوی فیل (۱۱) مثنوی در ہجو گیان چند
ساہوکار (۱۲) اشعار متفرقہ و رباعیات و قطعات
و تاریخ ہائے متفرقہ (۱۳) چیستانیں اور پہیلیاں
مخمس وغیرہ (۱۴) دیوان اُردو بے نقط مع رباعیات
و نثر بے نقط (۱۵) شرح مائۃ عامل نظم فارسی
(۱۶) مثنوی مرغ نامہ -

اِس کے علاوہ ایک داستان اُردو نثر کی لکھی ہے
جس میں یہ اہتمام کیا ہے کہ کوئی لفظ عربی فارسی

کا نہ آنے پائے - اور باوجود اس کے کلام اُردو کے پایہ سے گرنے نہیں پایا - یہ درحقیقت بڑے کمال کی بات ہے - آج اگر کوئی چاہے ایسا صفحہ بھی اس رعایت کے ساتھہ لکھہ لے تو ممکن نہیں۔

لیکن سید انشا کی سب سے بڑی یادگار اور قابل قدر تصنیف 'دریائے لطافت' ہے - اس میں اُردو صرف و نحو' منطق' عروض و قافیہ' معانی و بیان وغیرہ کا ذکر ہے - پہلا حصہ یعنی اُردو صرف و نحو سو سید انشاالله کی تصنیف ہے اور دوسرا حصہ یعنی منطق' عروض و قافیہ و معانی و بیان مرزا محمد احسن قتیل کا تالیف کیا ہوا ہے - کتاب کی جان پہلا ہی حصہ ہے - اگرچہ اس سے قبل بعض اہل یورپ نے متعدد کتابیں اُردو قواعد پر لکھی تھیں * لیکن یہ پہلی کتاب ہے جو ایک ہندی اہل زبان نے اُردو صرف و نحو پر لکھی ہے اور حق یہ ہے کہ عجیب جامع اور بے مثل کتاب ہے - اردو زبان کے قواعد' محاورات اور روزمرہ کے متعلق اس سے پہلے کوئی ایسی مستند اور محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کے بعد بھی کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں

* ملاحظہ ہو راقم کا مقدمۂ قواعد اُردو' جس میں اس کے متعلق بالتفصیل بحث کی گئی ہے۔

لکھی گئی جو لوگ اردو زبان کا محققانہ مطالعہ کرنا چاھتے ھیں یا اس کی صرف و نحو یا لغت پر کوئی محققانہ تالیف کرنا چاھتے ھیں، ان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ھی نہیں بلکہ ناگزیر ھے —

سید انشا پہلے شخص ھیں کہ جنھوں نے عربی فارسی زبان کا تتبع چھوڑ کر اُردو زبان کی ھیئت و اصلیت پر غور کیا اور اُس کے قواعد وضع کیے اور جہاں کہیں تتبع کیا بھی ھے تو وھاں بھی زبان کی حیثیت کو نہیں بھولے - علاوہ اس کے الفاظ و محاورات کی تحقیق، بیگمات کی زبان اور اُن کے محاورات، مختلف الفاظ کے تلفظ، مختلف فرقوں کے میل جول سے زبان پر جو اثر پڑا، ان سب کو بڑے لطف سے ادا کیا ھے اور بعض بعض نکات ایسے بیان کئے ھیں جن کی قدر وھی کر سکتے ھیں جنھیں زبان کا ذوق ھے - صرف و نحو کے قواعد بھی بڑی سلاست اور جامعیت سے بیان کیے گئے ھیں اور حیرت ھوتی ھے کہ اس بارے میں جن جن باتوں کا اُنھوں نے خیال کیا ھے متاخرین کو بھی وہ نہیں سوجھیں - حالانکہ ایسا عمدہ نمونہ موجود تھا - اس سے سید انشاءاللہ خان کے دماغ اور ذوق زبان کا صحیح اندازہ ھوتا ھے - الفاظ کی فصاحت و غیر فصاحت اور صحت و غیر صحت کے متعلق ٹکٹلی سچی

رائے دی ہے - وہ کہتے ہیں کہ " ہر لفظ جو اُردو میں مشہور ہو گیا ' عربی ہو یا فارسی ' ترکی ہو یا سریانی ' پنجابی ہو یا پوربی ' ازروے اصل غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اُردو کا لفظ ہے - اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے - اور اگر خلاف اصل مستعمل ہے تو بھی صحیح ہے - اُس کی صحت و غلطی اُردو کے استعمال پر موقوف ہے - کیونکہ جو کچھہ خلاف اُردو ہے غلط ہے ' گو اصل میں وہ صحیح ہو اور جو کچھہ موافق اردو ہے صحیح ہے ' گو اصل میں صحت نہ رکھتا ہو " - اس اصول کو قائم کرنے کے بعد وہ بہت سے عربی الفاظ کو جو اُردو میں کچھہ کے کچھہ ہو گئے ہیں صحیح بتاتے ہیں - مثلاً سید انشا کی رائے میں ' برقا ' صحیح اُردو کا لفظ ہے ' گو وہ خلاف اصل ہے - یا وہ غدر کو بفتح دال اردو کا صحیح لفظ خیال کرتے ہیں اگرچہ اصل میں بسکون دال ہے - یہ سن کر بعض اصحاب جنھیں صحت لغت کا اسی قدر خیال رہتا ہے جیسے ایک مومن متقی کو اداے ارکان صلٰوۃ کا اور خصوصاً ثقات لکھنؤ بہت جز بز ہوں گے - لیکن جو لوگ اصول لسان سے واقف ہیں وہ ' سید انشا ' کی وسعت نظر اور اصابت راے کی داد دیں گے - فرق یہ ہے کہ ' سید انشا ' اردو کو ایک جدا زبان

خیال کرتے ہیں اور غیر زبان کے جن الفاظ نے منجھہ منجھاکر یا گھس پس کریا اختلاف لہجہ یا دوسرے اسباب سے ایک خاص صورت اختیار کرلی ہے وہ اب اُردو کے لفظ ہوگئے ہیں ' انہیں اصل زبان سے کچھہ تعلق نہیں رہا - اور جو کچھہ صورت اُن کی پیدا ہوگئی ہے اور جس طرح وہ زبان زد خاص و عام ہوگئے ہیں ' وہی اُن کی صحیح صورت ہے ' اصل زبان سے خواہ وہ کیسے ہی متباٰئن اور مختلف کیوں نہ ہوں - مگر جو حضرات ابھی تک اُن عربی فارسی الفاظ کو جو اُردو میں مستعمل ہیں اصلی صورت میں لکھنا اور بولنا صحیح اور فصیح سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف غلط اور غیر فصیح' تو گویا وہ ابھی اُردو زبان کو زبان ہی نہیں سمجھتے - اسی اصول کو اگر مد نظر رکھا جائے اور ہر اُردو لفظ اس کی اصلی صورت میں (یعنی جس زبان سے وہ آیا ہے) لکھنا اور بولنا شروع کریں تو اُردو زبان کوئی زبان ہی نہ رہے گی - اور موجودہ تحریر وتقریر کے سارے الفاظ باستثناے چند کے غلط ٹھہریں گے - کیونکہ اس میں جس قدر الفاظ ہیں وہ یا تو سنسکرت اور ہندی زبانوں کے ہیں یا عربی فارسی ترکی یا بعض یورپی السنہ کے - اُردو زبان مستقل زبان اُسی وقت ہوگی جب وہ ان زبانوں کے

لفظ لے کر اُنھیں اپنا کرلے اور جہاں وہ اپنے ہوے اُن کی شکل و صورت ' وضع قطع ' رنگ ڈھنگ میں ضرور فرق آئے گا - مگر ہم میں سے بعض نازک دماغ دقیق نظر حضرات کو اُن غیر ملکیوں کی یہ بے تکلفی ہرگز نہیں بھاتی وہ انھیں ' اپنا ' بنانا نہیں چاھتے بلکہ انھیں ڈھکیل ڈھکیل کر اپنے حدود سے باھر نکالنا چاھتے ھیں - اگر سید انشا کے اصول پر عمل رھا ھوتا تو اب تک اُردو میں بہت کچھہ وسعت ' لطف اور شیرینی پیدا ھوجاتی -

اس کتاب کے پہلے ھی باب میں سب سے اول اُنھوں نے اُردو کے حروف ابجد سے بحث کی ھے - اور اُن کی تعداد کے تعین میں بڑی بڑی جدّت طرازیاں کی ھیں - سید انشا کے بعد سے اُردو صرف و نحو اور لغت وغیرہ پر بیسیوں ھی کتابیں لکھی گئی ھیں لیکن جس جس پہلو سے اُنھوں نے ان حروف تہجی کو دیکھا ھے اور اُن کے اقسام قائم کیے ھیں بہت کم لوگوں کی نظر وھاں تک پہنچی ھے ' حالانکہ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی بات معلوم ھوتی ھے - علاوہ معمولی تقسیم حروف کے جو ھر معمولی کتاب میں پائی جاتی ھے مثلاً عربی کے اتنے فارسی کے اتنے اور ھندی کے اتنے ' سید صاحب ایک قدم اور آگے بڑھے ھیں - اس تقسیم کے بعد انھوں نے اُن حروف کو لیا ھے جو کسی خاص حرف

سے مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں - مثلاً ستره حروف ایسے ہیں جو ' ہ ' کے ساتھہ مل کر ایک آواز دیتے ہیں جیسے بھاگنا ' پھٹنا وغیرہ وغیرہ - ہمارے ہاں اب کہیں اُردو قاعدوں میں یہ حروف بڑھائے گئے ہیں - حالانکہ سید انشا مدتوں پہلے لکھہ چکے ہیں —

یا ' ستره ' حروف ایسے ہیں ' جو نون ' کے ساتھہ مل کر ایک آواز پیدا کرتے ہیں - مثلاً پنڈول ' رنگیلا ' ہنسنا وغیرہ - اُردو قاعدوں میں اب تک ان حروف کا ذکر نہیں—

اسی طرح بعض حروف ایسے ہیں جو ' ی کے ساتھہ مل کر ایک ہوجاتے ہیں - مثلاً کیا (حرف استفہام) دھیان پیارا وغیرہ - غرض اس طرح سید انشا نے اُردو حروف تہجی کی کل تعداد پچاسی بتائی ہے —

دوسرے باب میں دہلی کے محلّوں کی تمیز کے متعلق بڑی دلچسپ بحث کی ہے - اور بہ تفصیل بتایا ہے کہ کس کس محلّے کی زبان فصیح ہے اور کہاں کہاں کی غیر فصیح- مغلوں (اہل مغل پورہ) سادات بارھہ' پنجابیوں' پوربیوں کی زبان کیسی ہے اور ان کی وجہ سے الفاظ کے تلفظ اور لہجہ اور زبان میں کیا فرق پیدا ہوا ہے - اور یہ سب امور تفصیل اور مثالوں کے ساتھہ بیان کیے گیے ہیں' اور ایسے لطف کے ساتھہ کہ جی خوش ہوجاے-

اسی میں سید انشا اور حضرت میرزا مظہر جان جاناں رح کا مشہور مکالمہ ہے- ہیں تو گنتی کے دو تین ہی جملے مگر آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے —

'تیسرے باب' میں بعض فصحا وغیرہ کا ذکر ہے اور بعض ایسے الفاظ کا بیان کیا گیا ہے جو اُردو نہیں یا متروک ہیں اور میر تقی یا مرزا سودا نے اُن کا استعمال کیا ہے- اسی باب میں 'نواب عماد الملک' 'بھاڑا مل' 'مرزا صدرالدین صفاهانی' اور 'مُلّا عبدالفرقان' کی دلچسپ تقریریں ہیں - خاص کر 'بی نورن' اور 'میر غفر غینی' کی تقریریں نہایت پر لطف ہیں' 'بی نورن' اور 'میر غفر غینی' کی تقریریں ایسی پاک صاف شستہ ہیں کہ آج کل کی بول چال بھی اس سے زیادہ فصیح نہیں ہوسکتی - اس سے سید انشا کی زبان دانی اور فصاحتِ کلام کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ باوجود اس قدر زمانہ گزرنے کے اور زبان کے منجھنے اور ترقی پانے کے جو کچھہ وہ لکھہ گئے ہیں اس میں کہیں حرف گیری کا موقع نہیں- بلکہ ویسی فصیح اور پاک صاف اُردو اب بھی ہر شخص نہیں لکھہ سکتا - اور اس میں شعراے عصر کے کلام و حال پر جو تنقید کی ہے وہ بہت ہی ظریفانہ ہے - یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی نہیں چھوڑا —

اسی باب کے آخر میں 'دہلی و لکھنؤ' کی فصاحت و فوقیت کا پر لطف موازنہ ہے - اور دونوں طرف کے دلائل کو بیان کیا ہے - اس میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ چونکہ سید انشا نواب سعادت علی خاں' کے ملازم اور مصاحب تھے اس لیے کس کس طرح پہلو بچا بچا کے اس بحث کو نبھایا ہے —

باب چہارم میں مصطلحات دہلی اور باب پنجم میں گفتگو و مصطلحاتِ زنانِ دہلی کا ذکر ہے - یہ دونوں باب محققین زبان و مولفین لغت کے لیے نہایت مفید اور کار آمد ہیں —

اس کے بعد اردو صرف و نحو ہے - نہ صرف اردو صرف و نحو کی یہ پہلی کتاب ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اسے تقدّم اور فضیلت ہے کہ یہ اول کتاب ہے جس میں اردو کی صرف و نحو بلحاظِ زبان بیان کی گئی ہے اور عربی فارسی کی اندھوں کی طرح تقلید نہیں کی گئی- اگر مابعد کے مولفین اس اصول کو پیش نظر رکھتے تو اس وقت تک اردو صرف و نحو مکمل ہو جاتی —

اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ سید انشاء اللہ خاں کا اردو زبان پر بہت بڑا احسان ہے اور خصوصاً یہ کتاب انھوں نے ایسی لکھی ہے کہ جب تک اردو زبان زندہ

ہے اس کے مطالعہ اور اس سے استفادہ اور سند لینے کی ضرورت باقی رہے گی -

اس کتاب کا دوسرا حصہ منطق و عروض و قوافی اور معانی و بیان میں ہے - یہ حصہ 'مرزا قتیل' کا ہے؛ اور زیادہ قابل لحاظ نہیں - بلحاظ فن کے بھی زیادہ مستند خیال نہیں کیا جاتا - البتہ منطق وعروض میں ایک جدّت انھوں نے ضرور کی ہے - یعنی اصطلاحات فن کا ترجمہ اردو میں ہے - مثلاً :—

تصور ... ... دھیان	بدیہی ... ... پرگھٹ
تصدیق .. ... جوں کاتوں	نظری ... ... گپت
موضوع ... ... بول	تسلسل ... ... اُلجھا سُوت
محمول ... ... بھرپور	دَور ... ... ھیر پھیر
رابط ... ... جوڑ	مطابقت .. ... ٹھیک ٹھیک
نسبت ... ... ملاپ	التزامی ... ... اوپری لگاؤ
قضیہ ... ... بات	مثلث ... ... تِکڑا

مربع ... ... چوکڑا وغیرہ

یہ امر قابل غور ہے کہ اصطلاحات علمی اس طور پر تراشی جاتیں یا ترجمہ کی جاتیں تو اس سے علوم کے ترجمہ کرنے یا عام طور پر علوم کے مقبول کرنے میں کہاں تک آسانی ہوتی یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے مگر

اس میں شک نہیں کہ ہمیں اصطلاحات کے وضع کرتے وقت جہاں تک ممکن ہو (بشرطیکہ رکاکت پیدا نہ ہو) ہندی سے ضرور مدد لینی چاہئے مثلاً اگر نصفیۃ الاجنحہ کی بجائے ادھ پَرا یا آدھ پنکھہ' یا عدیمۃ الاجنحہ کی بجائے بے پرا' یا بے پنکھہ' یا عدیمۃ الذنب کی جگہہ بے دُما وغیرہ کہا جائے تو کیا ہرَج ہے بلکہ اس سے سراسر فائدہ ہے - بعض الفاظ جو بوجہ سخت اور کرخت ہونے کے ہماری زبان پر نہیں چڑھتے ان کا ترک کرنا اولیٰ اور ان کی بجائے ہندی یا فارسی اصطلاحات کا استعمال کرنا مناسب ہے —

'مرزا قتیل' نے بھی اس حصہ میں سید انشاءاللہ کی پیروی کی ہے اور مزاح و تمسخر میں کوئی کمی نہیں کی - مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوّا ہنس کی چال چل رہا ہے - مرزا صاحب کا مزاح اکثر بے نمک ہے - انھوں نے عروض میں بجائے مروّجہ الفاظِ اوزان کے نئے الفاظ تراشے ہیں - مثلاً بجائے مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن کے بی جان پری خانم بی جان پری خانم اور بجائے فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن کے چمت لگن پری خانم چمت لگن پری خانم وغیرہ فرماتے ہیں - میں نے منطق اور عروض و قوافی کا بیان کتاب سے ترک کردیا ہے کہ

وہ کچھہ مفید نہ تھا - البتہ بیان و معانی کا بیان بطور نمونہ کے رھنے دیا ھے وہ کسی قدر ٹھیک ھے —

اس کتاب کے طبع میں بڑی دقت تھی - اول تو یہ کہ جا بجا فحش کلمات بے تکلف استعمال کیے گئے ھیں - اس لیے ان کے خارج کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی کیونکہ بعض اوقات مطلب خبط ھو جاتا تھا - دوسرے سید انشا کی طبیعت میں اپچ تو تھی ھی، انھوں نے حروف کے نام بھی نئے ایجاد کیے ھیں - غالباً اس میں انھوں نے اپنے ولی نعمت 'نواب سعادت علی خاں' کے اوصاف کی رعایت رکھی ھے - مثلاً 'الف' کو اقبال 'ب' کو بخشش 'پ' کو پاکی طینت 'ت' کو ترحم 'خ' کو خدا ترسی 'ژ' کو ژرف نگاھی 'ک' کو کم دماغی 'ہ' کو ھمت بلند لکھا ھے - اور اسی طرح دوسرے تمام حروف کو الگ الگ نام دیے ھیں - اس سے پڑھنے والے کو بڑی الجھن ھوتی ھے - مثلاً 'کَھن' ایک چھوٹا سا لفظ ھے - اس کا تلفظ وہ اس طرح سے بتاتے ھیں "باکم دماغیِ مفتوح با ھمت بلندیکی گشتہ و نفاست ساکن بمعنی گا ھے" - اور چونکہ کتاب میں مختلف تقریریں اور مختلف بولیاں درج ھیں وہ ایک ایک لفظ کا تلفظ اس طریقہ سے بتاتے ھیں تو پڑھنے والے کو سخت پریشانی

ہوتی ہے - اس لیے میں نے اس طریقہ کو بھی ترک کر دیا ہے اور مروجہ اور معمولی طریقہ کو اختیار کیا ہے تا کہ ناظرین کو سہولت ہو --

اس کتاب کی تصنیف میں چونکہ سید انشا اور 'مرزا قتیل' دونوں شریک تھے اس لیے نام بھی دونوں نے دو دو تجویز کیے ہیں - سید انشا نے اپنے آقاے ولی نعمت 'نواب ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر' کے نام کی رعایت سے 'ارشاد ناظمی' اور 'بحر سعادت' تجویز کیے اور 'مرزا قتیل' نے 'دریاے لطافت اور حقیقت اُردو' - مگر ان میں 'دریاے لطافت' ہی مقبول ہوا اور وہی آج تک مشہور ہے - یہ کتاب سنہ ۱۲۲۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۰۲ ع میں تصنیف ہوئی - اس کے چھیالیس برس بعد 'مولوی مسیح الدین خاں بہادر' کاکوروی نے اپنے مطبع آفتاب عالمتاب مرشدآباد میں بہ تصحیح و اهتمام مولوی 'احمد علی گوپاموی' طبع کرایا - 'مولوی مسیح الدین خاں' مرحوم میر منشی گورنر جنرل و سفیر شاہِ اودھ تھے اور بعد ازاں 'واجد علی شاہ' مرحوم کی والدہ کے ساتھ انگلستان تشریف لے گئے وہاں سے واپس آنے کے بعد انہوں نے مرشدآباد میں ایک فارسی نستعلیق ٹائپ کا مطبع قائم کیا اور اس میں اچھی

اچھی کتابیں طبع کرائیں - مولوی صاحب کی خوش مذاقی کے بدولت یہ کتاب دست برد زمانہ سے بچ گئی - مگر اب یہ نسخہ بھی کمیاب ھے - اسی نسخہ سے انجمن نے اس کتاب کو ترتیب دیا ھے - امید ھے کہ یہ کتاب اھل ملک کے لیے مفید ثابت ھوگی —

اورنگ آباد

۲۸ مئی سنہ ۱۹۱۶ ع

عبدالحق

آنریری سکرتری انجمن ترقی اردو

مترجم کا دیباچہ

پبلک کے سامنے یہ ترجمہ پیش کرتے ہوئے مجھے بہت تھوڑا کہنا ہے۔ مفصل تقریب میرے فاضل دوست مولوی عبدالحق انجمن ترقئی اردو کے فارسی اڈیشن پر لکھہ چکے ہیں اور اب بھی لکھیں گے۔

دریاے لطافت کئی وجوہ سے خاص امتیاز اور فضیلت رکھتی ہے - یہ پہلی کتاب ہے جو اردو کے علم لسان، گریمر، انشا اور محاورے اور روز مرہ پر کسی ہندی نے تصنیف کی۔ اس کے مصنف سید انشا اردو کے نامی اور قادر کلام شاعر ہونے کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی میں فضیلت کا درجہ رکھتے تھے اور ہندوستان کی کئی زبانیں جانتے تھے۔ دهلی کی فصاحت اور روز مرہ کے علمبردار ہونے کے باوجود لکھنؤ کی شبابیات اور جدت آفرینیاں بھی ان کے زیر نظر تھیں - یہ سب امور دریاے لطافت کے لئے آج تک کی ہم موضوع تصانیف اور تالیفوں سے مابہ الامتیاز کا حکم رکھتے ہیں۔ آج ادب اور زبان سے متعلق جو کوئی بھی جو کچھہ لکھتا ہے اس کے سامنے یورپ کا لٹریچر اور اس کے ادیبوں کے نظریے ہوتے ہیں - 'دریاے لطافت' کا سنہ تصنیف انیسویں صدی عیسوی کا آٹھواں برس ہے۔ اُس زمانے میں اور یورپ کی زبانوں اور علم و ادب سے ناواقف محض ہونے کے باوجود 'سید انشا' کا یہ کتاب تصنیف

کرنا ، اس کی یہ پرداز رکھنا ' ان کی دقت نظر اور سائنٹفک تنقید اِس روشنی کے زمانے میں متحیر العقول ہے —

اس میں شک نہیں کہ اگر سید مغفور آج زندہ ہوتے تو اپنی اس تصنیف میں کئی جگہہ نظر ثانی کی ضیا پاشی فرماتے کیونکہ زاویۂ نگاہ کے ساتھہ زبان بھی بہت کچھہ تغیر پزیر ہوگئی ہے - اس تغیر کی وجہ سے راقم کو کئی جگہہ حاشیے دینے کی ضرورت پڑی - ورنہ ان کی فارسی اور انداز بیان کسی حاشیہ یا شرح کا محتاج نہ تھا —

میں نے ترجمے میں یہ کیا ہے کہ کتاب کے مطالب کی تقسیم کو تو جوں کا توں رہنے دیا لیکن اصل فارسی کتاب میں دریا کی رعایت سے عنوانوں کے نام جو جزیرہ اور شہر وغیرہ کی شکل میں تھے ان کی جگہہ صرف باب اور فصل استعمال کئے ہیں - اور کسی قسم کا تصرف نہیں کیا گیا - حواشی کے سوا متن میں ضرورت پرخطوط وحدانی مستقیم کے اندر جو درج ہے وہ میرا ہے - قوسین کے اندر کے الفاظ متن سے ماخوذ ہیں - پڑھنے والوں کی آسانی کی غرض سے میں نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک فصل میں جہاں مضمون بدلا ہے یا موضوع کی اہم تفصیل وغیرہ وارد ہوئی ہے وہاں دو خطوں سے الگ کرکے سرخی دے دی ہے-

ماڈل ٹاؤن - لاہور
۱۴ فروری سنہ ۱۹۳۵ ع

برجموہن دتاتریہ کیفی

دیباچۂ مرتب (بر طبع ثانی)

سید انشا کی دریائے لطافت ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) میں تصنیف ہوئی اور تخمیناً ۴۳ برس بعد سنہ ۱۲۶۶ھ (سنہ ۱۸۴۹ع) میں مولوی مسیح الدین خاں بہادر نے اپنے نستعلیق ٹائپ کے مطبع آفتاب عالمتاب واقع مرشد آباد میں طبع کی۔ مولوی صاحب مرحوم کے ذوق صحیح کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے اُس زمانے میں مختلف قلمی نسخے فراہم کر کے کتاب کی تصحیح کی اور صرف کثیر سے اس کی طبع کا اہتمام کیا۔ لیکن باوجود طبع کے کتاب زیادہ مشہور نہ ہوئی اور لوگوں نے اس کی قدر نہ جانی۔ اُس زمانے میں یوں عام طور پر اور خاص طور پر اس قسم کی کتابیں تعداد میں بہت کم طبع ہوتی تھیں، کیوں کہ ایسی چیزوں کے قدر کرنے والے اور پڑھنے والے بھی کم تھے۔ اب یہ مطبوعہ نسخہ شاذ و نادر کہیں نظر آتا ہے —

تقریباً ستر سال تک یہ کتاب گم نامی میں پڑی رہی۔ سنہ ۱۹۱۶ع میں انجمن ترقیٔ اُردو نے اسے دوبارہ طبع کرایا۔

البتہ اس میں اتنا تصرف کیا کہ ایک تو منطق اور عروض کے مباحث خارج کر دیے جو بیکار ہیں اور دوسری بات یہ کی کہ سید انشا نے جو حروف تہجی کے نام اپنے آقاے ولی نعمت کے اوصاف پر رکھے تھے ' اور کتاب میں اُن کا استعمال صحت تلفظ کی خاطر کثرت سے ہوا تھا ' وہ بدل دیے کیوں کہ اس سے طبیعت کو اُلجھن ہوتی تھی اور مطلب سمجھنے میں دقت پڑتی تھی - شاید یہ بھی ایک وجہ اس کتاب کی نا مقبولیت کی ہو - انجمن نے اس کے ایک ہزار نسخے طبع کرائے تھے جن کے بکنے میں اٹھارہ اُنیس سال لگے - میں نے ابھی پہلے زمانے کی نا قدری کا ذکر کیا تھا لیکن اب پچاسی چھیاسی برس بعد کی قدر دانی کو کیا کہوں ! ـــ

پہلی بار میں نے زبان وہی رکھی تھی جو انشا کی تھی- طبع ثانی میں اس خیال سے کہ شاید یہ فہم مطالب میں حارج ہوتی ہو ' فارسی سے اُردو کر دی - ترجمہ میرے مخدوم اور عنایت فرما حضرت کیفی دہلوی نے فرمایا ہے - ترجمہ بہت صاف ' سلیس اور با محاورہ ہے- میں حضرت کیفی کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے انجمن ترقیِ اُردو کے لیے اس زحمت کو گوارا فرمایا - جناب مترجم نے بعض بعض مقامات پر مفید حواشی بھی لکھے ہیں جو بصیرت افروز ہیں ـــ

یہ بڑے پایے کی کتاب ہے - اس سے پہلے کسی نے اُردو صرف و نحو اور تحقیق زبان پر اس اصول و ترتیب کے ساتھہ کوئی کتاب نہیں لکھی تھی- زمانۂ حال میں بھی جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ انشا کی تحقیق کو نہیں پہنچتیں اور بعض چیزیں تو وہ ایسی لکھہ گئے ہیں کہ اگر وہ نہ لکھتے تو ہمیں ان کا کبھی علم نہ ہوتا - اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انشا کو اُردو زبان پر کس قدر عبور حاصل تھا اور ان کی نظر کیسی دقیق اور گہری تھی- زبان کی تحقیق میں ایسے ایسے نکتے بیان کر گئے ہیں جنھیں پڑھ کر سید انشا کی ذہانت، باریک نظری، زباں دانی اور زباں فہمی کا قائل ہونا پڑتا ہے —

سید انشا نے دوسرے صرفیوں اور نحویوں کی طرح (حالانکہ وہ بعد میں ہوے ہیں) آنکھوں پر پٹی باندھ کر عربی فارسی کی تقلید نہیں کی بلکہ انھوں نے زبان کی فطرت اور ساخت کو سمجھہ کر اس کے اُصول قایم کئے ہیں- ان کی حیثیت مقلد کی نہیں بلکہ مجتہد کی ہے - انشا کی یہ آزادیٔ نظر سب سے زیادہ قابل تعریف ہے —

دلی جو اُردو کا جنم بھوم ہے، اُس زمانے میں فصاحت کا گھر تھی - میر انشاء اللہ دلی کی گلی گلی سے واقف تھے اور ہر محلے کی زبان اور اُن کی زبان کے فرق اور اہل

محلہ کی حقیقت اور اُن کے لب و لہجہ اور اُن کے خاص خاص الفاظ اور محاوروں سے پورے طور پر با خبر تھے - ہر طبقے اور پیشہ ور کی زبان کو بعینہ اُسی لب و لہجہ اور اسی کے رنگ میں ادا کیا ہے - یہ چیزیں یادگار ہیں اور لسانیات کے طالب کو بعض اوقات ان سے عجیب نکات ہاتھ لگ جاتے ہیں - کہیں کہیں اُس زمانے کی معاشرت کی جھلک بھی نظر آ جاتی ہے - غرض یہ عجیب کتاب ہے اور غور سے پڑھنے کے قابل ہے —

حضرت کیفی نے اپنے دیباچے میں بجا فرمایا ہے کہ " اگر سید مغفور آج زندہ ہوتے تو اپنی اس تصنیف میں کئی جگہ نظر ثانی کی ضیا پاشی فرماتے "- بہت جی چاہتا تھا کہ کتاب کے آخر میں اُن مقامات پر جن میں گفتگو' بحث اور تشریح کی گنجائش ہے کچھ لکھوں لیکن ہجوم کار سے اتنی فرصت نہ ملی اور یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی- اگر طبع ثالث کی باری آئی اور زندگی باقی رہی تو شاید یہ ارمان نکل جائے —

عبدالحق

۳ اپریل سنہ ۱۹۳۵ ع

دریاے لطافت

باب اول، مقدمہ

—٭٭٭٭—

پہلی فصل

اردو زبان کی کیفیت

—٭٭٭٭—

اردو کا مولد و منشا اور مرکز

ہر ملک میں قاعدہ ہے کہ اس کے صاحب کمال اور فصحا ایک ایسے شہر میں اکٹھے ہوتے ہیں جہاں حکومت کے ارکان دولت رہتے ہوں اور ہر طرف کے لوگ حصول معاش کے لئے آتے رہتے ہوں، اس وجہ سے اس شہر کے رہنے والوں کی تحریر اور تقریر اُس ملک کے اور شہروں کے باشندوں سے بہتر ہوتی ہے - ایران میں اصفہان مدتوں سلاطین صفویہ کا دارالسلطنت رہا، اس شہر کے رہنے والوں کی زبان اور یہاں اور جگہ کے مقابلے میں سند مانی جاتی

تھی اور اب بھی ہے - یا جیسا استنبول جو سلطان روم کا دارالخلافہ ہے - شاہ جہان آباد چونکہ اکثر سلاطین مغلیہ کا دارالخلافہ اور بجائے قیام رہا ہے اور چونکہ فریقین کے فصیح و بلیغ اور جید عالم اور فنون لطیفہ و علوم شریفہ کے ماہر اس خوبصورت شہر میں رہنے لگے اس لئے اس شہر کو امتیاز حاصل ہے ' اگرچہ لاہور ' ملتان ' اکبرآباد اور الہ آباد بھی ذی شوکت بادشاہوں کا مسکن رہے ہیں لیکن ان کو دھلی کے برابر نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہاں اور مقاموں کے مقابلے میں بادشاہوں کا قیام زیادہ رہا ہے - یہاں کے خوش بیانوں نے متفق ہوکر متعدد زبانوں سے اچھے اچھے لفظ نکالے اور بعضی عبارتوں اور الفاظ میں تصرف کرکے اور زبانوں سے الگ ایک نئی زبان پیدا کی' جس کا نام 'اردو' رکھا - ظاہر ہے کہ جس دن سے شاہ جہاں بادشاہ نے اس شہر کو آباد کیا اور اسے شاہ جہان آباد کے نام سے موسوم کیا اُس دن سے آج کے دن تک یہ شہر ہندستان کے بادشاہوں کی راجدھانی ہے - زمانۂ سابق میں ہر شہر کے آدمی اس شہر میں آتے اور تہذیب و شایستگی حاصل کرتے - وہاں کے باشندے دوسرے شہر میں نہیں جاتے تھے اور اگر کسی ضرورت سے کہیں

باهر جاتے تو اُس مقام کے شرفا ان کی زیارت کے لئے آتے اور اُن کی صحبت سے نشست و برخاست اور گفتگو کے طور طریق اور آداب مجلس کی اور باتیں سیکھتے -

دھلی والوں کا اثر بیرو نجات پر

اب کہ چند برسوں سے شاہ جہان آباد میں خرابی پھیلی * اور وهاں کے باشندے جگہ جگہ جانکلے اور جہاں آرام کی جگہ دیکھی وهیں ٹھیر گئے، تو ان کی صحبت کے فیض سے دِهات والوں نے کھانے پہنے، پہننے اوڑھنے کے طریقے، بیان کی فصاحت اور زبان کی چُستی سیکھ لی، جس سے دیکھنے والوں کو دھوکا ھونے لگا [کہ یہ بھی دلی والے ھیں]، لیکن ابھی تک اصل اور نقل میں بڑا فرق ھے - جن لوگوں کے ماں باپ شاہ جہان آباد سے ھجرت کر کے اور شہروں میں چلے گئے تھے ان کی اولاد جو وهیں پیدا ھوئی اس کا روز مرہ بعینہ دارالخلافہ کا روز مرہ ھے - مگر

---

* مغلیہ سلطنت کے زوال کے آثار تو پہلے سے نمایاں ھونے لگے تھے لیکن انتزاع سلطنت کی ابتدا سنہ ۱۷۳۹ ع میں نادرشاہ کے حملے کے بعد سے ھوئی - دلی والوں کی بڑی تعداد جس میں سراج الدین علیخان آرزو اور رائے ٹیک چند بہار تھے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ فیض آباد پہنچ گئے تھے، ان کے فرزند و جانشین آصف الدولہ کے زمانے میں اُدھر لکھنؤ اودھ کا صدر مقام بنا اور ادھر دھلی میں رھیلہ گردی اور مرھٹہ گردی مچی تو بیشمار اھل کمال دھلی سے ھجرت کر کے لکھنؤ چلے گئے جن میں خود سید انشا بھی تھے - (مترجم) —

بعضے ایسے بھی ہیں کہ پورونجات کے لوگوں کی صحبت اور زیادہ میل جول سے چند لفظ ایسے بھی استعمال کرنے لگے جو اردو کے خلاف ہیں - اس اجمال کی تفصیل یہ ہے —

دھلی اور پورونجات کی زبان کے فرق

پورب والوں کی یہ خصوصیت رہی اور ہے کہ وہ دھلی والوں کے خلاف ایسے جملے میں جیسے "کل ہم تمہارے یہاں گئے تھے" 'تمہارے' کے بعد 'کے' بڑھا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں "کل ہم تمہارے کے یہاں گئے تھے" - میرے' تیرے' اُس کے وغیرہ کے بعد بھی ایساھی کرتے ہیں' بعض 'یہاں' بروزن 'جہاں' کو 'قاں' کے وزن پر بولتے ہیں اور 'ہ' کو الف کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں [یہاں' وھاں' یا' یاں' واں] - بعضے تانیث میں ایک 'ن' بڑھا دیتے ہیں اور حلال خوری کی جگہہ حلال خورنی بولتے ہیں - لفظ حلال خور اگرچہ اصل میں غلط ہے لیکن چونکہ ہندوستان میں کثیر الاستعمال ہے اس لئے اردو میں صحیح ہے - اور یہ کرتے ہیں کہ سبزی فروش کے لیے 'کبڑیا' اور اس کی تانیث 'کبڑنی' استعمال کرتے ہیں' یہ لفظ اهل اردو نے نہیں سنے سوائے ان کے جو پورب کا سفر کر آئے ہوں' شاہ جہاں آباد میں ان کے بدلے 'کنجڑا' اور 'کنجڑن' کہتے ہیں - طرفہ یہ کہ

بعضے پورب والے جو کبڑیا اور کبڑنی نہیں بولتے وہ بھی
بہ تقاضائے اصل 'کنجڑن' کو 'کنجڑنی' بولتے ہیں - وہاں
بڑ کے درخت کو برگد کہتے ہیں، آک کے پودے کو
مدار کہتے ہیں اور 'لو' [لینا کا امر جمع] کو 'لے' بولتے
ہیں جو امر واحد ہے - 'لو' اصل میں حسن کلام کی
طور پر مستعمل ہے اور اول کلام میں جو یہ آتا ہے
تو اس کے اصلی معنی مقصود نہیں ہوتے - شاہ جہان
آباد میں کہینگے :- "لو یار چاندنی چوک تک ہوآئیں"-
پورب میں کہینگے :- "لے یار چلو چاندنی چوک کی سیر
کریں" - چھت کی 'کڑی' کو وہ لوگ 'دھنّی' کہتے
ہیں 'نرَسل' کو 'نرکُل' 'دَھنا' (دست راست) کو
'داہنیاں' یا 'داہنا' 'رسولی' کو 'بتوری' بولتے
ہیں، 'ددھیال' اور 'ننھیال' میں حرف اول کے
بعد ایک الف بڑھا دیتے ہیں - ایسے ہی اور لفظ ان
کی زبان پر جاری ہیں جو دلی والوں نے کبھی نہیں
سنے - اور مقاموں کے لوگوں نے بڑی کوششوں سے اپنے
روز مرہ کو اہل دہلی کی صحبت میں صحیح کیا لیکن
لب و لہجہ سے مجبور ہیں، زبان کھولی اور پہچانے گئے - یہ
بھی یاد رکھنا چاہئے کہ [گو] اہل شاہجہان آباد گفتگو کرتے
وقت پورب کی زبان کے ایک دو لفظ [بول جائیں اور گو] پوربی

جو پوری گفتگو اردو کے روز مرہ کے موافق کرے اور اپنے ملک کا ایک لفظ بھی اس میں داخل نہ کرے تاہم لب و لہجہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ شاہ جہان آبادی ہے اور یہ پوربی ——

اُردو کے اجزائے ترکیبی | 'اُردو' زبان کئی زبانوں سے مل کر بنی ہے' جیسے 'عربی' 'فارسی' 'ترکی' 'پنجابی' 'پوربی' اور 'برجی' وغیرہ۔ اس کی مدلل مثال یہ عبارت ہے:-

'' واللہ باللہ تمام شب باجی جان یہی کہتی تھیں کہ مجھے چھوٹے بھائی پر بہت بیہا آتا ہے کہ ناحق ناحق تگاجی کو ساتھ لےکر پایندہ بیگ کھتّے کے گھر دوڑ دوڑ کے جاتا ہے' ایسا نہ ہو کہ اس جھلّے کی دوستی میں اپنا سر کٹوادے' میں نے کہا آپ کاہے کو کُڑھتی ہیں اُس لڑکے کا اللہ بیلی ہے' پایندہ بیگ کیا ہے'' -

اور اِس کہاوت میں '' بگلا مارے پلکھہ ھاتھ '' [بے سود کام کی نسبت کہتے ہیں] -

اوپر کی عبارت میں 'واللہ باللہ' عربی ہے' 'تمام شب' فارسی ھے' 'باجی' جو بہن کے لیے آتا ہے ترکی ہے- 'کھتّا' بمعنی چپ' بایاں' ہے تو 'پنجابی' لیکن اردو میں

یہ لفظ اکیلا ہی استعمال ہوتا ہے جب کہ آدمی محذوف ہے 'اُردو' میں یہ لفظ موصوف کے ساتھہ صفت ہوکر نہیں آتا - اسی طرح 'جھلّا' کم عقل اور زباں دراز کو کہتے ہیں جو احمق ہوکر اپنے کو عقلمند سمجھے مگر اس کی طینت میں بدی نہو- بیلی بمعنی نگہبان بھی پنجابی ہے، 'تکّا' دایہ کے شوہر کو کہتے ہیں یہ ترکی لفظ 'اتکہ' سے بگڑا ہوا ہے - 'کاہے کو' جس کے معنی ہیں کیوں' کس واسطے' یہ برج کی بولی ہے' اردو میں 'کو' کی ایزادی سے تصرف کیا گیا ' اب اُردو ہوگیا ' برج والے کہتے ہیں " کاہے رے بھیا " - ' کاہے کو ' کی جگہ کس واسطے' کس لئے ' یا کیوں؟ بھی مستعمل ہیں- جو اس سے زیادہ فصیح ہیں - اوپر کی کہاوت میں 'پنکھہ' بمعنی 'پر' اُردو نہیں ' پوربی ہے -

لہجے اور تلفظ کا امتیازی اختلاف

کبھی تلفظ یعنی حروف کے حرکات دھلوی اور بیرونی ہونے پر دلالت کرتے ہیں- مثلاً اہل دھلی شاہ جہاں پور بولتے ہوئے 'پور' کو خور (آفتاب) کے وزن پر ادا کریگا ' پورب والا اسے 'نُور' کے وزن پر بولیگا - اسی طرح 'مہان' جو لکھنؤ کے قریب ایک قصبے کا نام ہے 'گہان' کے وزن پر ادا کریگا نہ کہ 'طوفان' کے وزن پر- ردولی جو شیخ عبدالحق صاحب

کا مدفن ہے دھلی والوں کی زبان پر بہ ذتحہ را ہے - یہاں دھلی والوں یا دھلویوں سے مراد ہے وہ لوگ جن کے ماں باپ کا وطن دھلی تھا مگر وہ پورب میں پیدا ہوے' کیونکہ دھلی والوں نے تو ان مقاموں کے نام بھی نہ سنے تھے جب تک کہ وہ لکھنؤ نہ آے - 'طفولیت' کا ترجمہ اھل پورب 'لڑکئی' کرتے ھیں دھلی کے فصحا لڑکپن کہتے ھیں مگر طالب علم لڑکائی اور اھل مغلپورہ لڑکا پن کہتے سنے گئے -

— * —

دوسری فصل

اُردو کے حروف تہجی

— * —

تعداد حروف | چونکہ اُردو کئی زبانوں کا عطر ہے اس لئے اس کے حروف تہجی کی تعداد زیادہ ہے فصحا اور محققوں کے نزدیک یہ تعداد پچاسی (۸۵) ہے' عوام اور تحقیق سے بےواسطہ لوگ پچانوے (۹۵) قرار دیتے ھیں' چار حرف مشکوک ھیں یعنی 'دال' اور 'خ' جو 'نون' کے ساتھہ مل کر آواز دے اور 'سین' جو 'ی' کے ساتھہ مل کر بولا جاے اور 'جیم' جو 'ہ' کے ساتھہ مل کر آواز دے' اسی طرح 'چ' جو 'ہ' یا 'نون' کے ساتھہ مل کر بولیں

جائے۔ چھ حرف اور بحث طلب ہیں اور وہ یہ ہیں 'ز' اور 'شین' جب 'نون' کے ساتھ مخلوط ہو جائیں 'پ' اور 'الف' جب 'واو' سے متحد ہوں 'کاف' جب 'واو' اور 'نون' میں مخلوط ہو جائے اور 'میم' 'ی' اور 'نون' کے ساتھ مل جائے۔

عربی، فارسی، ترکی کے حروف تہجی

بخلاف اس کے 'عربی' میں کل اٹھائیس اور 'فارسی' میں چوبیس حرف ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اٹھائیس حروف تہجی میں سے یہ آٹھ حرف جو فارسی میں نہیں آتے نکال دئے گئے یعنی 'ث' 'ح' 'ص' 'ط' 'ظ' 'ع' 'ق' تو بیس باقی رہے، ان میں وہ چار حرف ایزاد کئے جو عربی میں نہیں آتے یعنی 'پ' 'چ' 'ژ' 'گ' - تو یہ تعداد چوبیس ہو جاتی ہے - اسی طرح اُردو کے حروف تہجی کی تعداد 'ترکی' زبان سے بھی اختلاف رکھتی ہے، اس زبان میں تئیس حروف پائے جاتے ہیں - یعنی فارسی کے حروف تہجی میں سے 'ذ' 'ژ' نکال دئے اور 'قاف' بڑھا دیا -

اردو حروف تہجی کی تفصیل

حاصل کلام یہ کہ اُردو حروف تہجی کی تفصیل اس نہج پر ہے کہ اٹھائیس حروف 'عربی' کے اور چار وہ جو فارسی سے مخصوص ہیں، اور ہندی کے 'ٹ' 'ڈ' 'ڑ' - ان کے

علاوہ سترہ حرف وہ ہیں جو 'نون' کے ساتھہ مل کر ایک آواز دیتے اور ایک حرف ہوجاتے ہیں - اور وہ حروف یہ ہیں 'الف' 'ب' 'پ' 'ت' 'ٹ' 'ج' 'چ' 'خ' 'ڈ' (یہ دونوں حرف مشکوک ہیں) 'ڈ' 'ر' 'س' 'ک' 'گ' 'ل' 'م' 'ن' 'ہ' - اب وہ حرف ہیں جو ہاے ہوز کے ساتھہ مخلوط ہو کر آواز دیتے ہیں اور وہ یہ ہیں :- 'ب' 'پ' 'ت' 'ٹ' 'ر' 'ڑ' 'د' 'ڈ' 'ک' 'گ' 'ل' 'م' 'ن' 'و' 'ی' 'ج' 'چ' - گیارہ حرف اور ہیں جو 'ی' کے ساتھہ مخلوط ہوکر بولے جاتے ہیں - یعنی 'ب' 'پ' 'ک' 'گ' 'دھ' 'ڈھ' 'ج' 'چ' 'س' 'ش' 'ن' - آتھہ حرف وہ ہیں جو 'ہ' 'ن' کے ساتھہ مل کر آواز دیتے ہیں - یعنی 'ک' 'گ' 'ب' 'پ' 'ج' 'چ' 'د' 'ڈ' اور دو حروف وہ ہیں جو 'واؤ' کے ساتھہ مخلوط ہوتے ہیں یعنی 'الف' اور 'ب' - لیکن یہ دونوں بحث طلب ہیں جس کا ذکر مناسب موقع پر کیا جاے گا - اور حروف بھی اسی قبیل سے ہیں کہ بعض لفظوں کی کتابت میں آجاتے ہیں - لیکن اصل میں ان کو حروف تہجی کی حیثیت حاصل نہیں' جیسے 'س' 'ی' کے ساتھہ مخلوط ہوکر' یہ بعض بازاریوں کی زبان میں آتا ہے ایسے اور بھی حروف ہیں جیسے 'ادوا' جو ایک بازاری صورت

کا نام ہے اور بخشی علی ہذا القیاس - 'تنو' 'پسیا' وغیرہ جو سازندوں کے نام ہیں' اور 'جھیا' 'حسینی' 'خانمی' 'چاندنی' 'داموڑی ذاکر علی (سارنگیا)' اور 'راحت' 'زاہد علی (راحت کا بیٹا)' 'سندری' 'شکرو' 'صاحب بخش' 'ضابط علی (سازندہ)' 'طاہر علی (ضابط کا بھائی)' 'ظہورن' 'عزت' 'غریبنی' 'فرخندہ' 'قطبو' 'کریمن' 'گنا' 'لاڈو' 'مہتاب' 'نورن' 'وزیرن' 'ہینگو' 'پارو (کنچن کا نام) - یہ کسبی مردوں اور عورتوں کے نام اردو سمجھنے چاہئیں - حروف مذکورہ ان ناموں کے سوا اور لفظوں میں بھی بہت آتے ہیں- مختصر یہ کہ ان ناموں میں عربی اور فارسی کے تمام حروف تہجی سوائے 'ژ' کے آگئے ہیں- یہاں تک عربی اور فارسی کی مجموعی تعداد بتیس بنتی ہے - حرف 'ڈ' کی مثال میں ڈولی کو لیجئے جو ایک زنانی سواری ہے - 'ٹ' کی مثال 'ٹانٹھی (موٹی تازی عورت) - 'ڑ' کی مثال' 'پیڑ' یعنی درخت اور 'کڑوا' یعنی تلخ —

نون سے مخلوط حروف	جیسا کہ بتایا گیا یہ سترہ ہیں' مثال :- 'انگرکھا' (لباس کی چیز)'

'بندوڑ' بمعنی کنیز' کم قدر' 'پلڈول' (ایک قسم کی مٹی)'

'تلدور' (عوام تنور کی جگھہ بولتے ھیں)' 'تنگڑی' بمعنی ساق ' ' جنگلا ' (ایک راگنی کا نام)' 'چلگر' مشہور خنجر جسے نون مختفي کے ساتھہ مرثیہ گو اکثر استعمال کرتے ھیں ' حتی کہ 'مرزا رفیع سودا ' نے بھی ایک مرثیہ میں خنجر کو چنبر کے وزن پر باندھا ھے ' اس مرثیے کے چہرے کے بند کے پہلے دو مصرعے یہ ھیں -

نہیں ھلال فلک پر مہ محرم کا
چڑھا ھے چرخ پہ تیغا مصیبت و غم کا *

اگرچہ فصیحوں کا یہ لہجہ نہیں اور عوام بھی اس طرح استعمال نہیں کرتے لیکن مرزا رفیع کی سند سے 'خ' کی مثال یونہی دیدی گئی اسے اردو نہ سمجھا جاے - 'دنتیلی' ھاتھی کے چھوٹے دانتوں سے مراد ھے یہ لفظ اردو

---

* سید انشا نے صرف پتا دیدیا اصل شعر نہیں دیا وہ یہ ھے ' یہ مرثیہ مربع ھے جس کا اُس زمانہ میں رواج تھا - وہ بند یہ ھے :-

' خنجر ' سی اس کو گلے شہ کے لگ لہو رویا
غبار تن پہ جو تھا اپنے اشک سے دھویا
شہ اس سے مل کے فراغت سے اس طرح سویا
کہ تا ابد نہ کھلے پردہ چشم بوھم کا

یہاں ' خنجر ' کے نون کی وہ آواز ھے جو جھنجیرا میں ھے - جھنجیرا ایک دیسی ریاست کا نام ھے جو احاطہ بمبئی میں ھے - اصل میں نون کا اعلان چاھیے تھا - (مترجم) -

میں نہیں آیا نہ سنا گیا - اسے اردو میں داخل نہ سمجھا جائے - 'دنڑ' (نون مخفی کے ساتھ) بمعنی ورزش' اس کو بعض فصحا 'دنڈ' بھی بولتے ہیں - 'رنگیلا' (حسن پرست' خوش اختلاط)' 'سنگار' (آرایش)' 'گندلا' (چاندی پر سونا چڑھانا)' 'گندوڑا' (شکر کی موٹی روٹی)' للڈورا (دم کٹا پرند)'' منگیتر' (کنواری لڑکی جس کی منگنی کسی کے ساتھہ ہوچکی ہو)' ننگیا لینا (زبردستی کسی کے کپڑے اتروا لینا)'' ہنڈولا' (یعنی پالنا' گہوارہ) -

'ہ' سے مخلوط حروف	ان کی مثالیں یہ ہیں' بھاگنا' پھٹنا' تھوڑا' ٹھنڈا' ٹھرھا' پڑھا' جھوٹا' چھوٹا'

چھل' دھوم' ڈھال کھال' گھوڑا' ملھو (تین بھتوں میں بیچ کا بیٹا)' تمھارا گھر - یہاں تک مثالیں 'ب' 'پ' 'ت' 'ٹ' 'ر' 'ڑ' 'ج' 'چ' 'د' 'ڈ' 'ک' 'گ' 'ل' اور 'م' کے' 'ہ' کے ساتھہ مختلط ہونے کی آئیں - نون کی مثال 'ننھا' (چھوٹا)' 'واؤ اور 'ی' کے اختلاط کی مثال ہے 'یہاں' اور 'وہاں' * -

اور آتھہ حرف جو 'ہ' اور 'ن' سے مخلوط ہوتے ہیں	جیسے کھنڈانا (بکھیرنا)' گھنگرو' بھنڈلانا (دھوکا دینا)' پھندنا'

* یہاں اور وہاں کا جلد ہی یاں اور واں بروزن جاں بن گیا تھا - یہاں اور وہاں کے بلا مخفف اب متروک سمجھے جاتے ہیں - (مترجم)

جھنڈولا (جس بچے کے سر پر بہت کے بال ہوں)، دِھنگانا (براتیوں سے دلھن کے جانبداروں کی تکرار روپیہ کی نسبت دروازہ کھولنے کے وقت)، ڈھنڈورا، چھنگلیا (ہاتھہ کی سب سے چھوٹی انگلی) یہ لفظ پورب کے قدیم باشندوں کی زبان سے بھی سننے میں آتا ہے، اس میں کچھہ جائے تامل ہے -

'ی' کے ساتھہ مخلوط ہونے والے حروف	یہ گیارہ حروف ہیں جیسے بیوتانا (جسم کے مطابق کپڑا قطع کرانا)،

پیوسی (گائے وغیرہ جانوروں کا دودہ بچہ دینے کے عین بعد)، کیا (حرف استفہام)، گیارہ، دھیان، جیورا (جان)، چیونٹی، ڈیوڑھی، نیولا (بعض 'ی' کا اعلان کرتے ہیں)، شھوداس (عوام س مہملہ سے بول دیتے ہیں) یہ لفظ چونکہ شاھجہان آباد میں مسلمان اھل حرفہ مثل سبزی فروش، نیچہ بند وغیرہ کی زبان پر بھی رواں ہے اس لئے اردو میں داخل کیا گیا، اس کا حال 'خنجر' کا سا ہے جیسے فصحا 'لشکر' کے وزن پر ادا کرتے ہیں - اور جو شخص ان دو لفظوں سے پرھیز کرے وہ اردو دانوں کے محکمے میں ماخوذ نہیں ہوگا - پچاسی حرف اردو کے تہجی کے کیا تھوڑے ہیں -

— * —

باب دوم

—•—

دهلی کے مختلف فرقوں اور محلوں کی زبان

پہلی فصل

مختلف فرقوں کی زبان

—*—

بعضے هندو فرقے اور ان کی زبان تمیز داروں سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ بول چال اور کھانے پہننے کا سلیقہ هندؤں نے مسلمانوں سے سیکھا ہے، ان کا قول و فعل کسی مقام پر معتبر نہیں هوسکتا - یہ لوگ جو شاہ جہان آباد میں رہتے هیں دو گروهوں پر منقسم هیں یعنی بعضوں کو

مسلمانوں کی صحبت ملی اور بعضوں کو نہیں - یہ لوگ الفاظ ' دیا ' اور 'کرپا' بمعنی مہربانی اور رِچھا (بالکسر) بمعنی نگہبانی اور ' گراس' نوالہ کی جگہہ بولتے ہیں لیکن یہ اُن لوگوں سے مخصوص ہے جن کی اصل پنجاب سے ہے- اور 'چاچا' (باپ کا چھوٹا بھائی) 'تایا' (باپ کا بڑا بھائی)' 'ماما' (ماں کا بھائی) ' 'مامی' (ماں کے بھائی کی بیوی)' 'ماسی' (ماں کی بہن) ' ' پھوپا' (باپ کی بہن)' ' جیجا ' (بہنوئی)' دھا (دایہ) ' دھادرا (دایہ کا شوہر) بولتے ہیں - اور پکے ہوے گوشت کی تمام اقسام کو ' قلیہ ' کہتے ہیں - کھانا نکالنے کو ' پروسنا ' اور گاؤ مادہ کو 'گئو' بولتے ہیں - اور مسکین آدمی کو بے 'زبان ' 'آزار کو ' ھتھیا 'و زاھد کو ' بھگت ' زرگر کو ' سنارا ' ' نکلا ' کی جگہ ' نکسا ' بولتے ہیں ' علیٰ ھذالقیاس - دوسرا فرقہ بازار کو ' بزار' اور 'بجار ' بادزن [بادکش] کو پنکھا کہتے ہیں - باپ کو لالا کہتے ہیں - ان کا معمول یہ نہیں کہ بیٹا صبح باپ کو سلام کرے یا گفتگو کے وقت اس کی تعظیم کا لحاظ رکھے بلکہ مکالمے کے وقت ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جس سے وہ بات کر رہا ہے وہ کوئی ذلیل نوکر ہے - یہ لوگ دیوار کو

کلہدھ بولتے ھیں - یہ الفاظ ان لوگوں کی زبان کے ھیں
جن کی اصل پنجاب سے ہے یعنی لاھور، امن آباد [ایمن آباد] ،
کلانور، پٹیالہ، سودھرا، پرسرور [پسرور]، راھوں،
نکودر، کادی، باجھھاں، بھلوال اور کپور تھلہ سے آے ھیں -
خاص کر کدوڑے کے دلال اپنے ھی نام کو بلا تشدید بولتے ھیں
اور دستار کو 'پگ' کہتے ھیں - اور جب یہ آپس میں لڑتے
ھیں تو اپنی پگڑی اُتار کر بغل میں مار لیتے ھیں اور دھائی
دینے لگتے ھیں، اور اپنے زعم میں مقابل کو ڈراتے ھیں -
اور شاہ جہاں آباد کے شریفوں پر ظاھر کرے ھیں کہ
مغل بچوں کی مائیں ھر صبح اپنے لڑکوں کو یہ نصیحت
کرتی ھیں کہ بیٹا تم جس سے چاھو لڑو لیکن دلال
بچوں کے ساتھ ٹھیک رھنا کہ وہ بد بلا ھیں -
اس فرقے کا زور مرہ ھندی میں ایسا ہے جیسا خراسان
والوں کا فارسی میں —

چُنیامل دلال کی زبان

چُنیامل ایک دلال تھا وہ
شاہ جہاں آباد سے فیض آباد
گیا - وھاں پہنچنے کے دوسرے دن وہ خوشحال رائے
جوھری سے ملنے گیا - اِس نے اُس کو دلال کا لڑکا
جان کر حلوے اور لُچئی پوری سے تواضع کی، اور چلتے
وقت اُسے چار پیسے بازار کی سیر کے لئے دیے - چُنیامل

جب شاہ جہاں آباد واپس آیا تو اُسے یاروں نے گھیر لیا اور خوشحال رائے کا حال دریافت کرنے لگے - چلیامل اپنی گردن یکایک اوپر کو تان کر اس طرح گرم سخن ہوا :-

" گُھسالی جوھری کی پھیتجی باد (فیض آباد) مھں ایسی بنی کہ ایسی کسی کی نہ بنی ہو ' ڈوڈھی ڈوڈھی پر خپریل وچ خپریل دے سنارے دی ھت ڈھری کے اندر بھی کلوا ' کلوے کے منھہ اوپر وڈا لکڑا ' ھور شتھی (سخی) بھی ایسا کہ ایسا کوئی بھی نہ ھوگا - مجھے دیکھتے ھی باگ باگ (باغ باغ) ھوگیا ' ھور دسی گھڑی چھ پھسے آدمی کو دیے کہ چلیامل کے واسطے پوریاں ھور موھن بھوگ تو جاکے لاو ' اور اُس کے آوتے آوتے ناکر دھیلے کی کاجراں ھور دھیلے کا چتّا کرلے کے دیا کہ جب تک وہ آوتا رھے اس کے آوتے توڑی منھہ تو جھتالو رب چلنا چوکری تاں اُس نے بھی تو غرما غرم لوچیاں ھور کچوریاں ھور موھن بھوگ ڈھیر سا لاو کے میرے آگے رکھہ دیا '

میں نے گھا کے کرولی کرکے کہا کہ میں
ھنڑ [اب] جاتا ھوں ' سن کے بچارے نے
چار پیسے کھیسے میں سے کڈہ کے دئیے کہ اسدا
کچھہ بجار سے لے کے منھہ وچ ڈال دے جانا - "

اس عبارت کی شرح یہ ھے کہ قایل نے ترخیم کے قاعدے سے خوش حال رائے کو خوش حالی کہا لیکن بوجہ بیعلمی کے صحت تلفظ پر قادر نہ تھا ' کُوسالی ' کہہ دیا ' فیض آباد کو بگاڑ کر بھیج آباد [بلکہ پھیجی باد] کہہ گیا ۔ یہ زبان شہر کے عوام اور اکثر جاھلوں کی ھے لیکن دلال لوگ الف کو یائے مجہول سے امالہ کے قاعدے کی طرح بدل دیتے ھیں - ڈوڈھی یعنی ڈیوڑھی - کھپریل کے بدلے خبریل کہا گیا جیسا کہ پورب اور دوسرے جنوبی قصبوں میں رواج ھے ' وچ (واؤ مکسور اور جیم فارسی مشدد) کے معنی درمیان - کنوان (همزہ یعنی واؤ کی تشدید کے ساتھہ) - اوپّر (پ کی تشدید کے ساتھہ) ' وڈّا (ڈمشدد) ' بڑا ' کے معنی میں ' لکڑا (کاف مشدد) بڑی لکڑی ' ھور (واؤ مجہول) معنی اور ' دوسرا ' شنڈی بجاے سنڈی ' چھ (یاے مجہول) چھہ ' تاکر * (تک) ' گاجراں یعنی گاجریں ' چتا

* پنجابی میں ٹیکر بولتے ھیں (یاے معروف کے ساتھہ) - (مترجم)

بمعنی سنبھ' 'لگ' بمعنی تک - 'توڑی مرادف لگ' (وقت اور مکان کی انتہا) - 'جھٹاو' بمعنی ناشتہ کرلو - 'چنگا' بمعنی اچھا ، خوب - 'تاں' بمعنی تو ' نہ تو - 'غڑما غوم' بمعنی گرما گرم - ڈھیر سا ' بمعنی مانند انبار [بہت] - 'آگے' [سامنے] - 'رکھ دیا' چن دیا - 'کرولی' [کُلی] ' منہہ صاف کرنے کے لئے پانی منہہ میں لے کر بھرانا اور پھر پھینک دینا - 'ھُن' اصل میں ھنڑ تھا ' معنی اب - 'کڈہ کے' معنی نکال کر - دا ' کا کے بدلے کہا گیا - دی بجائے کی ' جیسے فلانے کا بیٹا ' اور فلانے کی بیٹی کی جگہ پنجابی کہتے ھیں فلانے دا بیٹا اور فلانے دی بیٹی - 'ڈال دے جانا ' بجائے ڈالتے جانا —

دلالوں کے لہجے میں جانا کا جانڑا بن جاتا ھے - یہ لوگ زنگارکو 'زنگال' اور 'جنگال' اور 'زنگار' بھی بولتے ھیں ' تینوں صورتوں میں حرف اول نون کے ساتھ ایک ھوکر لفظ کو چہار کا وزن دیتا ھے - 'شنگرف' کو بھی جس کا یہی وزن ھے شنگرف (راے مفتوح) مسطر کے وزن پر بولتے ھیں - پس اس فرقے کے تلفظ کے مطابق ھلدی

٭ اردو میں چنگا اور چنا بطور توابع مستعمل ھیں ' جیسے گورا چنا آدمی ' اب وہ بھلا چنگا ھے - پنجابی کی طرح الگ نہیں بولے جاتے - (مترجم)

زبان کے حروف اتھاسی ہوے ، اگرچہ یہ لوگ پنجابی الاصل ہیں اور ان کی زبان غیر معتبر ہے لیکن چونکہ شہر کے بعضے ان پڑہ لوگ بھی یہ الفاظ ان کی زبان سے سنتے ہیں اور وہی حروف اور حرکات استعمال کرتے ہیں اور ان کی زبان اور پہلو سے درست ہے اس واسطے ان کو اردو میں داخل کرسکتے ہیں بخلاف ان لفظوں کے جو چاپامل کے قول میں مذکور ہوے - جو شخص ان دونوں الفاظ یعنی 'زنگار' بروزن دیار اور 'شنگرف' بروزن مسطر سے منکر ہے اس نے اپنی اردو کی درستی کے باوجود شاہ جہان آباد نہیں دیکھا ہے وہاں پیدا ہونے کا تو ذکر ہی کیا - کیونکہ دوسرے شہر میں اپنے والدین اور دوسرے ہم شہروں کے لہجے سے اردو سیکھہ لینی آسان ہے —

کھیلوں کے نام اور فقرے

لیکن بعضے الفاظ اور کھیل ایسے ہیں جو ایک شخص کے شہر شاہ جہان آباد میں پیدا ہونے کے ساتھہ خصوصیت رکھتے ہیں جیسے :- ' چندول گداگر بول ' (ایک کھیل کا نام) ' ' کاتیہ کتّول بانسلی بینبیری میرا نانؤ ' - ' کالی پیلی ڈلو ' (واؤ مجہول) ' ڈلو اس سیدھے خط کو کہتے ہیں جو قلم یا انگلی وغیرہ سے دیوار پر کھینچیں

'چڈر چھپوّل' یہ کھیل ہندوستان میں ولایت سے * آیا ہے' فارسی میں اس کا اور نام ہے - گھور گھنڈے چوھے للڈے (ھر سہ یائے مجہول)- مونگ چنا ڈکڈ وئی ڈو' (جوان آدمی چھوتے بچوں سے یہ کھیل کھیلتےھیں)- چھلّا چھپوّل' یہ کھیل بھی ولایت سے آیا جسے فارسی میں " انگشتری باری" کہتے ھیں - اس کا رواج اور شہروں میں بھی ھے' لیکن وھاں یہ کھیل شاہ جہان آباد ھی سے پہنچا ھے' اس لئے کہ خوش باش لوگوں کے بزرگ شاہ جہان آباد یا ولایت یا حضرت کشمیر سے آے ھیں - ان تینوں صورتوں میں اردو کی صحت ثابت ھے لیکن بعض چیزوں کی انھیں خبر نہیں' جو لوگ شاہ جہان آباد میں پیدا ھوے ان کی نسبت تامّل کا موقع نہیں -

مغلوں کی اولاد ایک مغل یا تو ایک ھندوستانی عورت کرے گا یا کسی لونڈی کو گھر ڈال لے گا' اور وہ اپنے ھم قوموں میں رھے گا - اس صورت میں جب لڑکا پیدا ھوگا تو دایہ بھی مغلانی یا سیدانی ھوگی' پس جس وقت بچہ بولنے لگے گا تو دایہ کو 'آقا' اور ماں کو 'اماجان' اوربہن کو 'باجی صاحب' یا 'باجی جان' یا 'آپا جان'

---

* مصنف کے زمانے میں ولایت سے مراد ایران تھی' اب ولایت کا مفہوم انگلستان یا یورپ ھے - (مترجم)

کہے گا - اور یونہی رفتہ رفتہ اچھی طرح زبان سیکھے گا - خواجہ محمد لہٹ کشمیری بھی مجبور ہے کہ اس کا نکاح میر محمد مقیم کی بیٹی سے ہوا جو دہلی کی رہنے والی ہے اور جو لڑکا اس سے ہوگا اس کی وجاہت شبہہ سے مبرا ہے [اردو کی صحت کے اعتبار سے] -

کشمیریوں اور پوربیوں کی اردو

اور اسی طرح کشمیر کے گورے پن اور ہندوستان کے سانولے پن نے مل جل کر ایک عجیب رنگ پیدا کیا ہے کہ خدا کی پناہ! کونسے فتنے تھے جو اس 'زانگلو' حسن نے نہیں اٹھاے - 'زانگلو' اس لڑکے یا لڑکی کو کہتے ہیں جس کا باپ کشمیر کی اور ماں دہلی کی پیدائش ہو - ان باتوں کو پورب کے آدمی نہیں جانتے اور یہ پورب میں پیدا ہونے کے باوجود پوربی نہیں ہے - باوجودیکہ 'آنکھ مچول' کا رواج لکھنؤ میں بہت ہے لیکن ابھی تک پوربیئے 'آنکھ مچونا' ہی بولتے ہیں اور 'آنکھ میچنا' کیونکہ شاہ جہان آباد اور لکھنؤ دونوں شہروں میں آنکھ بند کرنا معنی رکھتا ہے 'آنکھ موڑنا' کہتے ہیں - حاصل کلام یہ کہ شاہ جہان آباد کے دلال ان تمام خرابیوں کے باوجود اور شہروں کے ہندووں بلکہ مسلمانوں سے بھی زیادہ فصیح ہیں - ان کے لہجے سے شاہ جہان آباد کی بود و باش ٹپکتی ہے -

مسلمانوں کی زبان

اس طول کلام کا مطلب یہ ہے کہ محاورۂ اردو سے اہل اسلام کی زبان مراد ہے - لیکن اس صنف میں بھی بہت اختلاف ہے - سارے شہر کی زبان کو فصیح نہیں کہہ سکتے - لیکن یہ ضرور ہے کہ وہاں کے بازاری بھی بول چال میں مقابلتاً اور شہروں کے شریفوں اور ثقات سے بہتر ہیں —

مغلپورہ والوں کی زبان

اور جس شخص نے شاہ جہان آباد میں فصاحت کا مذاق حاصل کیا ہے اس پر چھپا ہوا نہیں ہے کہ مغل پورہ جو شاہ جہان آباد کے بڑے محلوں میں سے ہے وہاں رہنے والوں کی زبان اردو کے روز مرہ اور پنجاب کے روزمرہ سے گڈ مڈ ہے - چنانچہ لفظ 'پنجاب' ہی کو دیکھئے اس لفظ کے بولنے میں نون کو 'پ' میں غایب کردیتے ہیں [یعنی 'نقاب' کے وزن پر بول جاتے ہیں بجاے اس کے کہ 'هنگام' کے وزن پر بولتے جو صحیح تلفظ ہے]- یہ لوگ 'لاهور' کو 'لہور' بولتے ہیں اور 'قطعہ' اگرچہ لغت میں بالکسر ہے لیکن اردو کے خلاف وہ لوگ قطعہ نہیں قِطعہ ہی بولتے ہیں - 'قبل' کو قِبل بکسر قاف ادا کرتے ہیں - اور بعضے پنجاب کے ہندوؤں کی طرح ہر لفظ کو جس میں 'قاف' ہو 'کاف' سے بولتے ہیں جیسے 'قبلہ' کو 'کبلہ' اور 'قطعہ' کو 'کطعہ' -

اور طے کرنا [یا گزرنا] کی جگہہ ' لنگوہنا ' 'ویسا ' کے بدلے آوسا ' بولتے ھیں ' اور 'جوگا ' کافی کے معنی میں بولتے ھیں جیسے " میرے جوگا " یعنی میرے لایق- 'گیارہ' کو 'یارھاں' اور 'بیالیس' کو 'ب' کے زیر کےساتھہ بولتے ھیں [بیالیس کو 'بتالیس' بھی بولتے ھیں] ڈَونا جو بالفتحہ ھے ڈونا (واؤ مجہول) کہتے ھیں- اور سبزی فروش یعنی کُنجڑے کو 'ارائیں' کہتے ھیں- چھپ جانا میں 'چ' پر پیش لگاتےھیں اور مطَلق کو مطُلق (لام پر ضمہ) کہتے ھیں زبر کی جگہ پیش ان کے ھاں بہت مستعمل ھے - جانور کو کہ اکثر اصحاب بغیر الف کے جنور بولتے ھیں یا 'جناور' بول جاتے ھیں - 'سب نے' کے بدلے "سبھوں نے" 'تلواریں' کی جگہ "تلواراں" 'لگائیں' کی جگہ 'لگائیاں' "تھیں' کی جگہ 'تھیاں" جیسے اس جملہ میں :- "عورتیں بیٹھی تھیں" کو وہ کہیں گے "عورتاں بیٹھی تھیاں " اور میرے تئیں' تیرے تئیں ' ھمارے تئیں ' تمھارے تئیں ' اُس کے تئیں' اِس کے تئیں' اِن کے تئیں ' اُن کے تئیں' آپ کے تئیں' کے بدلے کہ اردو ھے اور فصحا ان کی بجاے مجھے' تجھے' ھمیں ' تمھیں ' اسے' اُسے' اُنھیں ' اِنھیں '' آپ کو بولتے ھیں مغل پورہ والے بولتے ھیں مجھہ تئیں' تجھہ تئیں' ھم تئیں ' تم تئیں' اِس تئیں اُس تئیں ' اِن تئیں ' اُن تئیں ' آپ تئیں ' اور بجاے

میری طرف، تیری طرف، تمھاری طرف، اِن کی طرف، اُن کی طرف، اِس کی طرف، اُس کی طرف، آپ کی طرف کے مجھہ طرف، تجھہ طرف، ھم طرف، تم طرف، اُن طرف اِس طرف، اُس طرف، آپ طرف بولتے ھیں - اس کے علاوہ کی جو حرف اضافت ھے اسے حذف کر جاتے ھیں جیسے پورب کی طرف کی جگہ پورب طرف، اور دلی کی طرف کی جگہ دلی طرف - اور ھندوؤں کی طرح باپ کے چھوتے بھائی کو 'چا چا' کہتے ھیں - 'ھر گز' کو 'ھر گس' اور 'تک' کی جگہ 'تلک' بولتے ھیں - 'بندھا ھوا' میں نون کا اعلان کرتے ھیں [اسی طرح 'ھنسنا' میں] —

پرانی دلی کی خصوصیات

اور شہر قدیم کے رھنے والے جس کا نام پرانا شہر ھے [پرانی دلی] 'اِدھر' کو 'ایدھر' 'اُدھر' کو 'اودھر' 'کدھر' کو 'کیدھر' کہتے ھیں - اور 'ڈھیرا' بروزن میھنا بمعنی متوقف بولتے ھیں - اور 'پراتّھا' کو 'پروتّھا' کہتے ھیں - 'اور' (واؤ مجہول) بمعنی طرف اور 'بھچک' کی جگہ 'بھیچک' بمعنی حیران اور 'میڈھد' بر وزن شہر بجاے 'مِنھہ' کے بولتے ھیں - اور تئیں کی جگہ 'تکو ں' 'جانے والا' کی جگہ 'جانے ھارا' بولتے ھیں، یہ لفظ اُن کی صحبت سے نئے شہر والے بھی بولتے ھیں * - اور فرماتا ھے، جاتا ھے، کہتا ھے

* نئے شہر والوں نے اس لفظ میں کچھہ تصرف بھی کیا ھے - یعنی وہ جانے ھارا کی جگہ جانہار بولتے ھیں - جیسے ھونہار وغیرہ - (مترجم) —

کی جگہ فرمایتا ھے' جایتا ہے ' کہتا ہے کہتے ھیں بلکہ مضارع اور حال کے ہر صیغے پر یہی آفت توڑتے ھیں —

سید انشا کی ملاقات مرزا جان جاناں مظہر سے

جس زمانے میں کہ راقم اپنے والد مرحوم کے ساتھہ دارالخلافہ [دھلی] میں تھا جناب فیض مآب مرزا صاحب علیہ الرحمتہ مرزا جان جاناں مظہر تخلص کی فصاحت اور بلاغت کی شہرت بے حد سننے میں آتی تھی - دل اور آنکھہ میں کشمکش ہونے لگی کہ کیوں میرزا صاحب کے دیدار سے محروم رھوں اور ان بزرگ کے کلام معجز نظام میں جو لایزال لذت اور روحانی مٹھاس ہے اُس سے کیوں باز رکھا جاے - آخر کار میں نے اصلاح بنوائی ' ڈھاکہ کی ململ کا جامہ * پہنا ' سرخ رنگ کا چیرہ سر پر باندھا ' اور کپڑے بھی اسی قبیل سے تھے ' ایک کٹار پٹکے میں اُڑسا - اس ھیئت سے ھاتھی پر سوار ھوکر اُن کی خدمت میں حاضر ھوا - موصوف جامع مسجد کے متصل ایک بالاخانہ پر رھتے تھے جو اُن کے لئے کھول رام بانیہ نے بنوایا تھا - جب میں اوپر پہنچا تو دیکھا کہ جناب ممدوح پیرھن اور سفید ٹوپی پہنے اور کندھوں پر ناسپالی

* ایک پوشاک کا نام ہے جو پہلے دربار‌ی لباس میں شامل تھی - اب اهل هنود میں (سرخ رنگ کا) اکثر نوشہ کو پہناتے هیں ' انگرکھا جامہ کی ملخص اور اصلاح شدہ شکل ہے (مترجم) —

رنگ کے دوپٹے کا سموسہ بنا کر ڈالے ہوئے بیٹھے ہیں - میں نے نہایت ادب سے سلام عرض کیا، بڑی شفقت اور خوش اخلاقی سے جیسا کہ بزرگوں کا دستور ہے سلام کا جواب دیتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور مجھ نالایق کے سر کو بغل میں لے کر اپنے پہلو میں بٹھالیا - میں نے عرض کیا :-

"ابتدائے سن صبا [لڑکپن] تا اوایل ریعان
[نوجوانی] اور اوایل ریعان سے الی الآن
[اب تک] اشتیاق مالا یطاق تقبیل عتبۂ
عالیہ نہ بہ حدے تھا کہ سلک تحریر و تقریر
میں منتظم ہوسکے لہذا بے واسطہ ووسیلہ
حاضر ہوا ہوں" —

آپ نے ارشاد کیا کہ :-

"اپنے تئیں بھی بدوطنی سے سمجھیں سے اشخاص
کے ساتھ موانست ومجالست رہا کی ہے" -

عام کشمیریوں کی زبان

ایک اور محلے میں جہاں زیادہ تر کشمیریوں کی اولاد رہتی ہے اور جن کو شاہ جہان آباد کے فصیح لوگوں کی صحبت نصیب نہیں ہوئی ہے وہاں کے لوگوں میں نون غنہ کے اعلان کا بہت رواج ہے اور وہ مضاف مضاف الیہ میں

'کو' بڑھا دیتے ہیں - یہ ایزادی اردو میں جا و بیجا کرتے ہیں - ضمیر متکلم و حاضر کو مضاف الیہ بنانے کے سوا 'کا' یا 'کی' جیسی کہ جنس کی حالت ہو ملانے کا قاعدہ ہے جیسے 'میرا بیٹا' 'تیرا بیٹا' اور غایب کے لئے 'کا' اور 'کی' جیسے 'زید کا بیٹا' 'عمر کی بیٹی' - مگر یہ لوگ یعنی فرزندان کشمیر 'کا' اور 'کی' کے بدلے 'کو' استعمال کرتے ہیں (واؤ مجہول سے) - بہر حال ایسے مقام میں تو مضاف الیہ کے درمیان ایک رابطہ کی ضرورت ہے لیکن یہ اصحاب جہاں رابطہ کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی یہی لفظ [کو] استعمال کر جاتے ہیں - اس کی شہادت میں کاظم جیو سوداگر کے بیٹے میرزا لطف علی کا کلام ہے وہ ایک روز کہتے تھے کہ :-

" کسی کے گھر میں ایک بیٹی ہوتی ہے تو
اس کو مارے فکر کے نیند نہیں آتی -
مجھ کو تو تین تین بیٹی ہیں ' کیا کروں '
چار پہر رات مارے اندیشہ کے شیخ سعدی
کی گلستان پڑھا کرتا ہوں - بھلا صاحبو جس کو
تین بیٹیاں ہوں وہ گلستان پڑھ کے جی نہ
بہلاے تو کیا کرے " -

ان کی زبان سے گلستان نون کے اعلان کے ساتھ

نکلتا تھا اور 'فریاد کرنا' کو 'فریاد کھانا' بولتے تھے یعنی :-
" فلانے نے نواب صاحب کے پاس میری فریاد کھائی " -
اور لفظ 'فلانے' کو اہل اردو کے خلاف یائی معروف سے
بولتے ہے - اس کی وجہ یہ کہ یہ لوگ مذکر کی جگہ
یائے مجہول اور مونث کی جگہ یائے معروف بولتے ہیں-
مثلاً " فلا نے آدمی نے ہمیں بہت عاجز کیا ہے " - اور
" فلانی رنڈی نے بڑا اودھم مچایا ہے "- اور 'کروں گا' کی
جگہ جو کہ 'خواہم کرد' کا ترجمہ ہے " چاہتا ہوں کرنا " '
اور چاہوں گا کرنا ' ان لوگوں کی زبان پر ہے - ' نہ ' جو کلمۂ
نفی ہے اس کی جگہ ان کی زبان پر 'مت' بہت چڑھا ہوا
ہے ' جیسے اس عبارت میں :- " اس کام کو مت کرنا
چاہئے " - اور 'میواتی' کی جگہ 'میوایتی' 'ی' کی زیادتی
کے ساتھ بولتے ہیں اور 'پہنچا' کو 'پونہچا' کہتے ہیں- قصہ
مختصر اس محلے میں فعل ماضی کی جگہ مصدر استعمال
کرنے کی بھی ان کی عادت ہے ' " ان سے پانچ روپیہ
لیا چاہئے " کے بدلے کہیں گے " ان سے پانچ روپیہ لینا
چاہئے " - اور فارسی میں شنیدن کی جگہ فہمیدن اور
ہندی میں 'سننا' کے بدلے 'سمجھنا' اس جماعت کی زبان
ہے - یعنی ' " اگر مرزا رفیع کی غزل کوئی 'سمجھو' تو
میں پڑھوں " -

سادات بارھہ کے محلے کی زبان

جس محلے میں سادات بارھہ رہتے ہیں اور بیاھے گئے ہیں اور دستار فضیلت حاصل کی ہے وہاں بیچاری اردو کے سر پر ہمیشہ بلا نازل ہوتی رہتی ہے۔ 'کو' جو علامت مفعول ہے اس کے واو کو مجہول سے معروف بنا دیتے ہیں۔ یہ لفظ 'کو' واؤ معروف کے ساتھ 'میرسوز' کی ایک غزل میں ردیف بن کر بیٹھا ہے' لیکن وہ اس میں مجبور تھے کیوں کہ یہی 'کو' فارسی لباس میں 'کہاں' کے معنی بھی دیتا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ واؤ معروف کے ساتھ اس شہر قدیم کے لوگوں کی زبان ہوگا' لیکن اب چونکہ بیشتر اہل شہر اس لفظ کو واؤ مجہول سے اور باہر والے (بیرونی) واؤ معروف سے بولتے ہیں اس لیے واؤ معروف کے ساتھ اردو میں داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی شاہ جہان آباد کی سر زمین کا فیض ہے کہ کلمہ کے آخر سے نون غنہ کا دم چھلّا اڑ گیا ورنہ ان کے [سادات بارھہ کے] پُراتم بزرگ جو اپنے وطن ہی میں رہے 'کو' کو 'کوں' بولتے ہیں۔ یہ عبارت ملاحظہ ہو: —

"اُس چھورے کوں میں نے کتراں (کتنا)
کہا کہ مجھہ سوں (سے) نہ بولا کر دونو
ٹانگاں ماں (میں) سر کردوں گا' اب توں

(تک) آپڑے [اپے] اوپر بد نامی نہوں آئی
کہوں بار ہے ما[موں] ہمیں بد نام نہ کرنا"۔
یہ لوگ 'یہ' (اشارۂ قریب) کی جگہ 'یو' (واؤ مجہول) بولتے ہیں —

افغانوں کی زبان

اسی طرح بعضے محلوں میں جہاں دارالخلافہ کے قریب کے قصبوں کے لوگ آکر بس گئے ہیں ان کی اولاد عجیب و غریب الفاظ بولتی ہے۔ چنانچہ افغانوں کے محلہ میں 'پیارا' کو جس میں 'پ' اور 'ی' کی آوازیں ایک ہوگئی ہیں 'ی' کے اعلان کے ساتھ [اِجارہ کے وزن پر] بولتے ہیں' لفظ 'بیش' جس کے معنی فارسی میں 'زیادہ' ہیں 'اچھے' کے معنی میں استعمال کرتے ہیں*۔ 'جروا' بمعنی رندی 'مَرا' بجاے موا' 'کھٹیا' بجاے چارپائی 'آگِی' بجاے آگ اور بھلگی بجاے حلال خور بولتے ہیں —

اور باهر کے آے هوے لوگ

اسی طرح اور محلوں کے رہنے والے جنھوں نے اپنے والدین سے زبان سیکھی ہے اور بعضوں کی زبان فرید آباد اُٹکک' سونی پت اور میرٹھ کی ہے یہ لوگ اپنی زبان اور اُردو کو گڈ مڈ کردیتے ہیں۔ واللہ کہ ان کی گفتگو بعینہ

* بنگلی بھی اسی معنی میں اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔ (مترجم)

اس جانور کی شبیہہ ہوتی ہے جس کا چہرہ تو انسان کا ہو اور باقی جسم گدھے کا، یا آدھا ہرن اور آدھا کتا ہو۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات معاش کی تلاش میں جب اور شہروں میں جاتے ہیں تو اپنے کو شاہ جہان آبادی اعلان کرتے ہیں اور اُن قصبوں کے رہنے والے اِن کے الفاظ کو اپنی اردو دانی کا سرمایہ جان کر اپنے ہمسایوں کو جو اِن حضرات کی صحبت سے مستفید نہیں ہوے گنوار خیال کرتے ہیں، اور جو لفظ ان کے یاد کرلیتے ہیں وہ ہندوستانیوں کی صحبت میں استعمال کرتے ہیں، یا شعروں کے قافیہ میں صرف کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی بے تکلفی سے کہہ اٹھے کہ یہ لفظ تو اُردو نہیں ہے تو وہیں چہرہ بھبکا کر اور آنکھہ دکھا کر فرماتے ہیں کہ اہل زبان سے بھی سننے میں آیا ہے۔ فلاں میر صاحب یا فلاں شیخ صاحب جو شاہ جہان آباد کے رہنے والے افصح الفصحا ہیں اسی طرح بولتے ہیں۔ یہی بیچارے شاہ جہان آبادی ہونے کے مدعی نہیں اور لوگ بھی اس مالیخولیا میں گرفتار ہیں۔

پنجابی آیند و روند

بعضے پنجابی جو تجارتی مال لے کر لاہور یا سیال کوٹ وغیرہ شہروں سے کبھی کبھی شاہ جہان آباد میں آتے ہیں، اور تین چار

یا نہایت چھہ مہینے سے زیادہ یہاں نہیں تھیرتے جب اپنے وطن کو واپس جاتے ہیں تو اپنے شہر والوں کو پنجابی اور اپنے آپ کو شاہ جہان آبادی جان کر اُن کی زبان پر حرفگیری کرتے ہیں جیسا کہ کہا ہے : ع - خرس در کوہ بو علی سینا است - اپنے مجمعوں میں بیٹھہ کر کہتے ہیں کہ شاہ جہان آباد میں کوئی بھی یہ لباس نہیں پہنتا نہ یہ لفظ بولتا ہے -

پوربیے | یہی حال پوربیوں کا ہے - ان میں سے بعضے اصحاب جو نجف علی خاں مرحوم کے زمانے میں شاہ جہان آباد آے کبھی ایک مہینا ، کبھی دو مہینے اور کبھی چھہ مہینے تو شہر میں تھیرے اور زیادہ تر اطراف میں یعنی متھرا ، ڈیگ [علاقہ بھرت پور] اور برج و میوات کے دوسرے قصبوں میں گھومتے رہے اور مدت العمر رہے لکھنؤ یا الہ آباد ، سندیلہ اور مانک پور وغیرہ پورب کے قصبوں میں لیکن لکھنؤ میں مل جاتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ اس ملک میں ہم لوگوں کو کوئی نہیں جانتا ، یہاں کے باشندے بخلاف شاہ جہان آباد والوں کے سخت بے رحم اور بے مروت ہیں ، قسم ہے امیرالمومنین کی کہ جو با مروت ہم نے اپنے شہر میں دیکھے ویسے اور جگھہ نہیں ملے ، نہ معلوم اللہ نے کیوں ہمارے

شہر سے ہم کو بدر کردیا اور یہاں پورب میں لا پھینکا' نہ یہاں کسی کی زبان درست ہے' نہ کسی کی بول چال وہاں والوں کی سی [یعنی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دہلی کے ہیں]- جس وقت کہ یہ پنجابی اور پوربیے ان چند مہینوں کے قیام کے بعد شاہ جہان آبادی بن کر اور اپنا مال باندہ بوندہ کر اپنے رستے لگتے ہیں تو فرقۂ اول جس کی پیدایش اتفاق سے دہلی میں ہوئی اس نے کیا گناہ کیا ہے کہ شاہ جہان آبادی ہونے کا فخر نہ کرے اور اپنے تئیں اُردو داں نہ مشہور کرے - یہ لوگ 'کو' (واؤ معروف) اور 'یہ' کی جگہہ یا تو 'یَہ' (ی مفتوح) بولیں گے یا 'یو' (واؤ مجہول) - بہر حال یہ لوگ پورب والوں سے بہتر ہیں —

فصاحت کس کا حصہ ہے

خلاصہ یہ کہ صاحب کمال جانتے ہیں کہ الفاظ مذکور یعنی 'کو' اور 'یو' اور 'یَہ' بعضے مضافات دہلی کی زبان ہے - چونکہ وہاں کے لوگوں کی اولاد نے ماں باپ کی زبان سے یہ لفظ سنے ہیں اس لیے شاہ جہان آباد میں پیدا ہونے کے باوجود وہ اپنے والدین کی زبان اور شاہ جہان آباد کی زبان میں تمیز نہیں کرسکتے - چونکہ دارالخلافہ کا قرب ان مقامات کے باشندوں کی اردو کی صحت پر دلالت نہیں کرتا

اس لیے شاہ جہان آبادیوں کے لیکھے وہ بمنزلہ دھاتھوں کے ھیں —

لہذا ثابت ہوا کہ دھلی میں بھی فصاحت اور بلاغت ہر کسی کا حصہ نہیں، بلکہ معدود اشخاص پر منحصر ہے۔ راقم کی تحقیق یہ ہے کہ ہر محلے میں ایک نہ ایک فصیح موجود ہے، بعضی جگہہ دو اور بعضی جگہہ تین اور بعضی جگہہ چار اور اسی طرح سے فصیح رہتے ہیں، شاید کوئی محلہ اہل فصاحت سے خالی ہو، لیکن اکثر ایسا ہی ہے - پس قرار داد اکثر پر قایم کی کی جاتی ہے اقل پر نہیں -

فصیحوں کے مجمعے

لیکن وہ مقامات جہاں فصیحوں کا مجمع ہے یہ ہیں:- قلعۂ مبارک بادشاہی، اوردو محلے اور ایک بنگلہ سید فیروز یعنی مرزا اکم مرثیہ خواں متوفی کے گھر سے اسمعیل خاں صفدر جنگی کی حویلی تک اور وہاں سے ملکۂ آفاق حضرت ملکۂ زمانیہ بنت فرخ سیر بادشاہ کی حویلی تک جسے ایک ضلع سمجھنا چاہیے بلکہ بعضوں کے نزدیک کابلی دروازہ اوراس کے باہر شاہ خدا یار کے تکیے تک، اور اسی حصے میں نواب شبیر جنگ مرحوم اور چوک نواب سعادت خاں بہادر برھان الملک مغفور سے لے کر پھاٹک حبش

خاں تک داخل ہے - لیکن اس میں ذرا تامل ہے - جس میں شک کی گنجایش نہیں وہ یہ مقام ہیں یعنی ملکہ آفاق کی حویلی تک فصاحت در و دیوار سے برستی ہے اور چتلی قبر سے ترکمان دروازہ تک ایک طرف اور دھلی دروازے تک (جسے دلی دروازہ کہتے ہیں) دوسری طرف - اور پھر چوک سعد اللہ خاں تک اور نواب امیر خاں مرحوم کا بازار اور حویلی اور سہ راہ بیرم خاں جو تراھ کے نام سے مشہور ہے اور محلہ فولاد خاں اور کوچہ چیلاں جو دلی دروازہ کا ایک حصہ ہے' [یہ مقامات فصحا کا مجمع ہونے کا امتیاز رکھتے ہیں] -

— * —

تیسری فصل

فصاحت کے ارکان

فصاحت کی تعریف

اس بیان سے وقوف داروں اور داناؤں پر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اردوکی فصاحت شاہ جہان آباد میں پیدا ہونے پر منحصر نہیں - کیونکہ فصاحت کی تعریف ہے ان تین چیزوں سے پاک ہونا [یعنی کلمۂ فصیح وہ ہے جس میں تین عیوب نہ ہوں] :-

(۱) 'تنافر حروف' جیسے 'ألينڈنا' یعنی بڑے برتن سے چھوٹے برتن میں پانی ڈالنا [یا 'کانا' کو 'کانڑا' کہنا]-

(۲) 'غرابت لفظی' یعنی نامانوس اور غیر متعارف الفاظ کا استعمال ' یعنی دکھنی ' بنگالی اور پہاڑی الفاظ کو اُردو میں استعمال کرنا ـــ

(۳) 'مخالفت قیاس لغوی' یعنی ایک لغت کا استعمال خلاف قیاس کے کرنا۔

تشریح تنافر و غرابت

خدا بخشے میرزا علی نقی 'محشر' مقتول نے کہا "پانی الیندلو" ' اُردو ہے - "پانی نائے لو" پورب کی زبان ہے - میرزا قتیل نے جواب دیا کہ "پانی اُلیندق لو" وہ لفظ ہے کہ شاہ جہان آباد کے شرفا اور عوام کے کان اُس سے آشنا نہیں اور "پانی نائے لو" پورب والوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا یا آپ سمجھتے ہیں - پس جو لفظ اهل اُردو کے سننے میں نہیں آیا اس کو اُردو کی عبارت میں لانا غرابت کا نقص عاید کرنا ہے اور فصاحت کے راستے سے بھٹک جانا ہے - اور 'کنکوّے' کو 'تلنگه' کہنا بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ دهلی والوں کو اس اصطلاح کی خبر نہیں اور جناب [میرزا علی نقی] کی زبان پر جو یہ لفظ چڑھ گیا ہے وہ پورب والوں کی صحبت کا اثر ہے - [میرزا قتیل کا قول ختم - اب سید انشاء فرماتے ہیں] 'اُلیندلو' میں اگرچہ دال هندی (ڈ)

نے تنافر حروف پیدا کردیا ہے لیکن یہ لفظ کثرت استعمال سے فصیح ہوگیا اور بعضے فصحا ' اُنڈیل لو ' بھی بولتے ہیں - مرزاے مرحوم (قتیلؔ) کے دل کو یہ بات نہ لگی اور وہ چپ رہے —

تشریح مخالفت

اس ضمن میں بنگالی زبان جو اُردو سے مخالفت رکھتی ہے نوٹ کے قابل ہے ' وہ جب پانچ ہاتھیوں کو ایک جگہ دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں " پانچ ہاتھی کھڑی ہیں " ' اور اگر وہ ہتنیاں ہوں تو کہینگے " پانچ ہتنی کھڑا ہے " - حالانکہ قیاس لغت کے موافق یہ کہنا ہے کہ پانچ ہاتھی کھڑے ہیں ' اور پانچ ہتنیاں کھڑی ہیں - یہاں مخالفت قیاس دو وجوہ سے عاید ہوتی ہے ایک یہ کہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ فیل نر کے لئے مذکر اور فیل مادہ کے لئے مونث کا صیغہ لانا چاہئے ' یہاں اس کے برعکس ہے- دوسرے یہ کہ کھڑا اور کھڑی دونوں مفرد ہیں اور " پانچ ہاتھی " صیغہ جمع چاہتا ہے - پس یہ کہنا موافق قیاس ہوگا کہ " پانچ ہاتھی کھڑے ہیں " - اور اردو میں یہی فصیح ہے ' اگرچہ بنگالہ کی زبان میں اس کے خلاف بھی فصیح ہوگا ' لیکن ہمارا روے سخن تو دارالخلافہ کی زبان کی طرف ہے-

یہاں تک جو مذکور ہوا اس کا تعلق کلمہ سے ہے، اور کلمہ کہتے ایک با معنی مفرد لفظ کو - جیسے چاند، سورج - اب فصاحت کلام کا ذکر آتا ہے -

فصاحت کلام | جو کلام ان دو چیزوں سے پاک ہو وہ فصیح ہے یعنی :—

(۱) تنافر کلمات -

(۲) تعقید -

تنافر کلمات | اس سے یہ مطلب ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لانا کہ متکلم اس کے بیان میں خطا کرے یا دوسرے کلام کی طرح جلدی سے تمام نہ کرسکے ۔ اس کی نظیر یہ دو عبارتیں ہیں :-

" اونٹ کی پیٹھ کچھہ اونٹ کی اونچائی
سے اونچی نہیں ہے، اونٹ کی پیٹھ کچھہ
اونٹ کے ڈھانچ کی طرح قدرتی اونچی ہے " -

" تم تو تو تو میں میں بے جا کرتے ہو،
میں تو تمہاری بات تین دن میں بھی
نہیں سمجھتا ، مجھے عبث ششدر میں
ڈال رکھا ہے "—

تعقید | تعقید دو قسم کی ہے ، لفظی اور معنوی ' تعقید لفظی، اسے کہتے ہیں کہ جو لفظ بعد

میں لانا چاہئے تھا اسے اول لے آنا اور اس کے برعکس ۔ اس کی مثال :—

" آج لڑکے فیض آباد کو چنیامل هیرانند
کے سالے کے لوگ کہتے ھیں کہ گئے " —

اگر اس طرح کہا جاتا تو فصیح ہوتا —

" لوگ کہتے ھیں کہ چلیامل ھیرانند کے
سالے کے لڑکے آج فیض آباد کو گئے " -

جب عبارت تخیل یا غیر مشہور قصے یا دوسری اشکالات پر مشتمل ہو تو کلام میں تعقید معنوی کا نقص آجاتا ھے جیسے-

(الف) " کل گُلّنا سبز دوپٹا اوڑھے بیٹھی تھی
مجھے دیکھہ کہنے لگی کہ میری طرف
دیکھا تو اندھا ھو جائے گا۔ میں نے کہا
میں کالا ناگ ھوں مجھہ سے
ڈرو - ھنسکر کہا دوپٹے کا رنگ تو
دیکھہ کہ کس طرح اندھا نہ ھو جائیگا "۔

(ب) " بلّو کی باتیں مینے کی تلوار سے
ھاتھی کے زینے پر کچھہ کم نہیں ھیں"-

(ج) " کل دامڑی سے میں نے چاھا کہ
کچھہ کہوں اور بات بھول گیا '
صدقے جاؤں بھول چوک کے " —

عبارت (الف) کے معنی یہ ھیں کہ سانپ زمرد کو دیکھ کر اندھا ھو جاتا ھے، محبوبہ [گنا نام ایک طوائف] کی طرف ثانی کو [اس کے قول کے مطابق] سانپ اور اپنے سبز دوپٹے کو زمرد ٹھیراتی ھے۔ (ب) کی تشریح یہ ھے کہ راجپوتانہ [مغربی] میں ایک قوم رھتی ھے جسے مینا کہتے ھیں ان کا پیشہ عموماً چوری اور ڈکیتی ھے۔ ایک فرد پر بھی اس نام کا اطلاق صحیح ھے اور ھاتھی کی سیڑھی پر مینے کا تلوار مارنا سے جواھر سنگھ خلف سورج مل جاٹ کے قتل کی طرف اشارہ ھے جو ھاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کے بعد اپنے ھاتھی پر معمولی سیڑھی پر سے سوار ھو رھا تھا کہ ایک مینے نے تلوار سے اس کو قتل کر دیا۔ عبارت (ج) کی تشریح یہ ھے کہ محبوبہ (دامڑی) میری بات سننے کے انتظار میں کھڑی تھی، مجھے وہ بات بھول گئی مگر وہ وھاں سے سرکی نہیں، میں اپنی بھول پر کیوں نہ قربان ھوں جس نے معشوقہ کو اتنی دیر میرے سامنے رکھا * —

تصرف کی شان حاصل کلام یہ ھے کہ جس کا کلام ان عیبوں سے پاک ھو جو مانع فصاحت

* مطلب یہ کہ غیر مشہور قصوں اور تلمیحوں اور مبہم و دور از کار کنایوں سے کلام کی فصاحت کا خون ھوتا ھے۔ کلام کا جوھر یہ ھے کہ کم کہو اور سننے والا سمجھ جائے — (مترجم)

ھیں وہ شخص فصیح ھے ' خواہ اس کی پیدائش شاہ جہان آباد کی نہ بھی ھو - لیکن الفاظ میں شخص مذکور کا تصرف مقبول نہیں ھوگا کیونکہ اس شان کے حاصل کرنے کے لئے متکلم کے شاہ جہان آباد میں پیدا ھونے اور وھاں کے فصیحوں میں اعتبار حاصل کرنے کی شرط لازم ھے - پس اگر یہ بلند مرتبہ حاصل کرنے کے بعد کوئی محاورہ ایجاد کرے یا کسی لفظ میں معقول تصرف کرے تو طالب ھے کہ اسے قبول کیا جاے یا یہ کہ بعضے پسند کریں اور بعضے نہیں - ھر حالت میں ایسا شخص دھلی کے عوام سے زیادہ فصیح ھے -

--- * ---

تیسری فصل

خواص کے ذکر میں

لفظ اور لہجہ

اب ھم خواص کا ذکر کرتے ھیں ' چونکہ اُن کی ترجیح اس شہر میں ولادت کے بغیر ثبوت کو نہیں پہنچتی اس لیے اگر کسی لفظ میں اس کا تصرف قبول کر لیا جاے تو تعجب نہیں - اور یاد رھے کہ اُردو سے صرف الفاظ اُردو ھی مراد نہیں اس میں لب و لہجہ بھی شریک ھے کہ یہ اُردو کی اصالت ھے - اس صورت میں جس کا اُردو کا لہجہ اور

لفظ دونوں درست ہوں وہ استاد کامل ہے۔ شاہ جہان آباد کے بعض باشندوں کا لہجہ صحیح ہے لیکن ان کے الفاظ صحیح نہیں، اور بعضے باہر والوں کے الفاظ تو دہلویوں کی صحبت میں درست ہوگئے لیکن لہجہ ندارد ہے۔ اور لہجے سے مراد ہے بولنے کے وقت متکلم کی آواز اور زبان کی گردش - اگر شاہ جہان آبادی عبارت میں پوربی اور پنجابی لفظ داخل نہ کرے تو محال ہے کہ اپنے شہر کا لہجہ کھو بیٹھے، اور دوسرے شہر کا رہنے والا اگر اُردو کی صحبت میں اپنی عمر گزار دے تو بھی ممکن نہیں کہ اپنے اصلی لہجے سے بچ سکے۔ دہلی کے باشندے کے کلام کی مثال :—

"مجھہ تئیں اس بات کی کیا خبر یہاں
کون کون رہتا ہے اور جانے میری بلا کہ کس
آیسی بیسی کا دوپٹہ اور دو روپے جاتے رہے
اور کون کافر بے پیر لے گیا، جس پر چوری
ثبوت ہو اس کی شوق سے لُہو اتارلو اور
مشکاں باندہ کر چابک لگاؤ"—

اس عبارت میں 'مجھہ تئیں' بجاے 'مجھے' 'ثبوت' بجاے 'ثابت' 'مُشکاں' بجاے 'مُشکیں' اور 'چابک' بجاے 'کوڑا' پنجابی ہے - چونکہ متکلم

کا لہجہ درست ہے اس لیے انھیں پنجابی نہیں کہہ سکتے۔ اس سے کیا ہوتا ہے کہ صحبت کی وجہ سے یہ الفاظ اس کے زبان آشنا ہوگئے اور وہ بے تامل بول گیا۔

پنجابی کا لہجہ پنجابی وہ شخص ہے جو اُردو کے لفظوں کو اپنے لہجے سے پنجابی بنا لیتا ہے،

یعنی مجبور ہے کہ خبر [مفتوح الاوسط کو، خبْر یعنی 'ب' ساکن سے ادا کرے یا 'ب' پر پیش لگا کر خُبُر بنا دے، یا 'خ' کے زبر کو اتنا لمبا کردے کہ وہ الف جیسا سنائی دے۔ اور لفظ 'رہتا ہے' میں 'ت' ان کی زبان سے مشدد ہوکر نکلتی ہے یا نہ صرف مخفف اور مشدد بلکہ مشدد اور مخفف کے درمیان، اور اسی طرح 'ترحم' کی 'ح' کو بغیر تشدید کے بولتے ہیں اور 'لے گیا' میں کاف کے فتحہ کو کسرہ سے بدل دیتے ہیں اور 'ہو' کو [اوپر دی ہوئی عبارت میں 'ثبوت' کے بعد آیا ہے] 'ہووے' کہتے ہیں۔ ہووے اگرچہ اُردو میں بھی صحیح ہے لیکن پنجابی ہمیشہ ہی 'ہووے' بولے گا —

پنجابی اُردو داں کے کلام کی مثال ایک پنجابی جو اُردو داں ہے اس کا قول یہ ہوگا: —

"مجھے اس بات کی کیا خبر کہ یہاں

کون کون رهتا هے ۔ جانے میری بلا که کس
ایسی تیسی کا دوپٹه اور دو روپے جاتے رهے
هیں اور کون کافر بے پھر لے گیا هے ' جس پر
چوری ثابت هووے اس کی شوق سے لپو اتار لو
اور مشکیں باندہ کر کوڑے لگاؤ '—

پنجابی لهجه کی اور خصوصیات

اهل پنجاب کے لهجے کی ایک اور خصوصیت یه هے که هر فتحه (زبر) اُن کی زبان سے ضمه (پیش) هوکر نکلتا هے ' دفتر کو دفتُر (ت پر پیش) کهیں گے ۔ ان صاحبوں کا لهجه اس عبارت میں دیکھیے که اس میں ایک لفظ بھی مخالف اُردو نهیں لیکن لهجے کی وجه سے ساری کی ساری عبارت پنجابی معلوم هوتی هے :—

" آپ کا کرم ازبس که میرے حال اُوپر
هے جی چاهتا هے که هر کوچۂ و بازار کے
اندر دفتُر دفتُر آپ کی صفت اور ثنا بیان
کروں' ایسے مقبول کی خدمت اپنی نجات
کا سبب هے "—

اور کبھی متحرک لفظ کو ثلاثی مجرد ساکن میں بھی بولتے هیں جیسے یه عبارت هے :—

" حسن اور حسین کی ایسی ذات هے که

جن کے پیغمبر خدا شتر بنے تھے اور باغ ارم
اُن کے غلاموں کا گھر ہے- قضا و قدر جو چاہے
سو ہووے نانا جنھوں کا محمد اور پدر
علی مرتضی اور مادر فاطمہ کس کے پسر
کا منھہ ہے جو اُن سے برابر ہووے" —

پوربیوں کا لہجہ

پوربیوں کے لہجہ میں چند علامتیں ایسی ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں ایک یہ کہ اس الف کو گرا دیتے ہیں جس کے ما قبل کوئی حرف ہو اور فتحہ کو ہی کافی سمجھتے ہیں- اور اسی طرح یائے معروف کی جگھہ صرف کسرہ کو کافی جانتے ہیں- اور یاے مجہول کے بعد حرف 'ہ' کی ایزادی ان کے لیے ناگزیر ہے- اور اکثر موقعوں پر الف کے بعد 'ي' ساکن بھی ان کی زبان سے نکلتی ہے- اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہندی لفظوں کے بدلے فارسی لفظ بے محل استعمال کرتے ہیں' اور بعض ایک حرف کے فتحہ کے بعد تلفظ میں الف کا اظہار کرتے ہیں اور فتحہ یا سکون [زبر یا ساکن کی جگہ] کسرہ اور مخفف [بلا تشدید] کی جگہ مشدد استعمال کرتے ہیں' شاہ جہان آباد کے باشندے کی زبان کی مثال جس میں پورب کے بھی چند لفظ داخل ہیں :—

"پھتّے ملھہ تمرا چڑیا کے ' کل یاروں سے
چوری چوری نندا بنیے کی بیٹی سے باتیں
کر رہا تھا ' حضرت مرتضیٰ علی علیہ السلام کی
قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ' دل
میں آیا تھا کہ پیچھے سے آکر ایک دھپ
لگاؤں لیکن میں نے کہا کہ یار ہے کیا ستاؤں'
اصل تو یہ ہے کہ بچا جی تم بڑے بے باک ہو
تمہاری پیٹھ ٹھوکا چاہیے اور آٹھ آنے کی
کی مٹھائی رکھہ کر شاگرد ہوا چاہیے ' کوئی
پتریا* بھی مکر میں تیرے برابر نہیں '
اس دن بھی برگد† کے پیڑ تلے کلجڑن کو رکھنا
تیرا ہی کام تھا ' کیا مدار کا دودھ پانی
میں ملا کے کمال دکھایا ہے"۔

اب پوربی اردو دان کی مثال کو دیکھیے جس کے کلام میں پورب کا ایک لفظ بھی ہرگز نہیں اور اسی عبارت کو جس میں شاہ جہان آباد والے نے پورب کے لفظ بھی داخل کردیے تھے اور پھر بھی وہ اردو رہی تھی یہ اس طرح ادا کرے گا :—

* پورب میں رنڈی یا کلچنی کو پتریا کہتے ہیں۔ † برگد ' اور مدار ' بڑ اور آک کی جگہ بولتے ہیں۔ [مترجم]۔

"پھٹے منہ تیرا چڑیا کے، کل یاروں سے
چڑی چوری نلدابنیے کی دختر کے ساتھ
باتیں کررہا تھا، حضرت شاہ مرتضیٰ علی
کی قسم میں نے اپنی چشموں سے دیکھا، دل
میں آیا تھا کہ پیچھے سے آپ کے ایک دھاپ
لگاؤں لیکن میں نے کہا کہ یار ہے کیا ستاؤں،
اصل تو یہ ہے کہ بچا جی تم بڑے بے باک ہو
تمھاری دھت ٹھونکنا چاھئے - کوئی کنچانی
بھی تیری برابر مکر میں نہیں، اُس دن
بھی بڑ کے پیڑ تلے کنجڑن کو رکھنا تیرا ھی
کام تھا، کہا آک کا شہر پانی میں ملا کے
کمال دکھایا ھے"-

دوآبہ گنجم* کا لہجہ جو ملک گنگا اور جمنا کے مابین واقع ھے یعنی فیروز آباد، شکوہ آباد اور اٹاوہ غیرہ، وھاں کے بعض باشندوں نے زبان دانوں سے اردو سیکھی ھے لیکن ان کا لہجہ خاص ھے - وہ 'میں' [ضمیر واحد متکلم] اس طرح کہتے ھیں کہ بعینہ بکرے

* جو ملک گنگا اور جمنا کے مابین ھے وہ جغرافی اصطلاح میں دوآبہ ھے - اس کے لئے کوئی نام جیسے پنجاب کے دوآبوں کے نام ھیں وضع نہیں کیا گیا تھا میں نے اس کا نام گنجم گھڑا ھے - جس میں دونوں دریاؤں کے شروع کے دو دو حرف لئے گئے ھیں - (مترجم)

کی آواز معلوم ہوتی ہے' یعنی میم مکسور اور یاے مجہول اور نون غنہ بولتے ہیں اور میں جو حرف ظرف ہے اسے 'میں' (ضمیر متکلم) کی مانند ادا کرتے ہیں - اور الفاظ بہ' مہ' کہہ' چہل' رہے کھیے' وہ' میں زیر کی جگہ زبر بولتے ہیں - اور 'آتاوا' کو 'آتایا' بولتے ہیں - اور 'آیں' (الف مفتوح ' ی ساکن اور نون غنہ) جو اردو میں حرف استفہام ہے الف کے زیر سے بولتے ہیں ' بلکہ ساکن 'ی' کے ماقبل ہر مفتوح حرف کو مکسور اور مکسور کو مفتوح بنا دیتے ہیں- ان لوگوں میں ایک عزیز (شخص) ستائیس برس شاہجہان آباد میں رہا ' مدت مذکور کے بعد جب اپنے وطن میں واپس آیا تو اپنے برادری والوں کی نگاہ میں اپنے کو ہندوستاں زاد [شاہ جہان آبادی] ظاہر کر کے جس مجلس میں جاتا کسی کو بولنے نہ دیتا- جلسہ کے تمام ہونے تک آپ ہی شاہ جہان آباد کی باتوں اور تذکروں سے صحبت کو گرم رکھتا - احباب بھی اُس کو ایک عالی رتبہ ہندوستاں زاد اور خود کو کم رتبہ قصباتی خیال کر کے اس کے سامنے چپ رہتے اور ہمہ تن گوش رہتے - ایک دن اس نے یہ تقریر کی :—

" کہ ایک دن چار گھڑی دن رہے میں گھر میں بیٹھا تھا کہ ایک آشنا تشریف لاے اور

کہا کہ چلو چاندنی چوک کی سیر کریں، میں
نے کہا کہ بہت بہتر، القصے میں اُن کے ساتھہ
خراماں خراماں ہواں تک گیا - دیکھتا کیا
ہوں کہ ایک پری پیکر ایک بانکے کے ساتھہ
کھڑی اختلاط کررہی ہے۔ میں نے دل میں
کہا کہ خدا خیر کرے، کہ اس عرصے میں
بھائی جان کی قسم ہے کہ اُن نے بھی میری
طرف دیکھا - امیرالمومنین کی قسم کہ جس
وقت نگاہ اس جادو نگاہ کی ساتھہ نگاہ
میری کے ہم نگاہ ہوئی اُس وقت مجھکو
اپنی نگاہ کا نگاہ رکھنا مشکل ہوا، میں نے
کہا ارے دل اس میں بہبود تیرا نہ ہوگا،
بہتر یہی ہے کہ یہاں سے بھاگا چاہیے ورنہ
کہتر و مہتر کی آنکھوں میں حقیر ہوجاے گا،
رہنا اس شہر کا دوبھر ہوگا"-

'ی' کے ماقبل کے کسرہ کو فتحہ اور فتحہ کو کسرہ بنا دینے کے علاوہ اور جگہ بھی کسرہ اور فتحہ کا ادل بدل کر دیتے ہیں اور ضمہ کو فتحہ بولتے ہیں- ان بزرگوں کا یہ لہجہ ہے -

اس بحث سے نتیجہ

اس بحث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ یہ بیانات اس امر کے مانع

ہیں کہ جو شخص دوسری جگہہ پیدا ہوا ہو ممکن ہے کہ لہجہ اور زبان اردو جیسا کہ چاہیے سیکھہ جاے ، اور اس کا تصرف لوگوں میں مقبول ہو اور اس کے کلام کو مستند سمجھا جاے کیونکہ ذکی آدمی کا ہونا ہر جگہ ممکن ہے اور ہر فن شریف کا حاصل ہونا یقینی امر ہے - ہاں شرط یہ کہ اس میں پوری طور پر دل لگایا جاے - یہ بدیہی بات ہے کہ ایران سے اتنی دور رہ کر کتابوں اور اہل زبانوں سے سیکھنے سے بڑے پایہ کے فارسی میں کہنے والے شاعر ہندوستان میں ہو چکے ہیں - اور معقول ہو خواہ منقول عربی کے بھی جید عالم یہاں ہوچکے ہیں - جب کہ اہل ہند ان جیسے علوم و فنون کو محنت اور کوشش سے حاصل کرلیتے ہیں تو پھر ان کے لہجہ اور زبان کی درستی کا اقرار مثل دہلویوں کی زبان کے کیوں نہ کیا جائے خواہ وہ دوسری جگہ پیدا ہوئے ہوں مگر چار چیزوں کا ہونا شرط ہے -

زباندانی کے لئے چار شرطیں

وہ چار شرطیں یا ارکان زباندانی یہ ہیں - (۱) اس کا ثبوت کہ اُس شخص کے والدین دارالخلافہ کی خاک پاک سے ہیں - (۲) اردو دانوں کی محبت انتہائی ہے - (۳) اردو کی تحصیل اور تحقیق میں اس کا شغف یعنی غرق ہوجانا - (۴) تیز ذہن اور طبع وقاد رکھتا ہو - ان چار شرطوں میں

سے اگر اول شرط پوری نہ ہو تو بھی طالب صادق کے لئے حصول مرتبہ ممکن ہے لیکن یقینی نہیں، باقی تین شرطیں واجبات سے ہیں —

باہر والوں کے خاص لہجہ کی وجہ

اور جگہ کے باشندے باوجود اس کے کہ اردو زبان کی پوری واقفیت رکھتے ہیں پھر بھی ان کا لہجہ اپنے ہی ملک کا رہتا ہے یہ ذکر جو آیا ہے سو کثرت پر نظر رکھہ کر آیا ہے [یعنی ان لوگوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے] - اُن کا اس عیب سے پاک ہونا کم اور شاذ پایا جاتا ہے، بلکہ ممتنع الوجود ہے - راقم سطور کے دیکھنے میں ایسا کوئی شخص نہیں آیا کہ اس کا مولد و منشا دوسرا شہر ہو اور اس کا اردو کا لہجہ درست ہو، لیکن اُن لوگوں میں جن کے والدین شاہ جہان آباد کے ہوں اور وہاں سے دوسرے ملک میں چلے آئے ہیں یا ولایت کشمیر سے آئے ہیں اور لہجہ اور لغت کو دل لگا کر فصحائے اردو سے درست کیا ہے —

دھلی والوں کی قوت لسانی

یہ امر بھی طالبوں کے ذہن نشین ہونا چاہیئے کہ ایجاد اور تقلید میں دھلی والوں کی قوت طبع اور لوگوں سے زیادہ ہے - وہ اگر چاہیں تو مغل بن جائیں، وہ فارسی کو اس

لہجے سے ادا کرتے ہیں کہ اہل ولایت کو ان کی زبان
اور لہجے کی صحت سے دھوکا ہو [کہ وہ ولایتی ہیں] '
اور اسی طرح اُن کی عربی میں عرب والوں کو دھوکا
ہوتا ہے - جہاں عربی اور فارسی کی یہ حقیقت ہو
وہاں پوربی ' پنجابی ' بنگالی ' دکھنی ' بندیل کھنڈی '
مارواڑی اور برجی کا ذکر ہی کیا - اس پر قیاس کرو
کہ ان کی اختراع اور ایجاد کی قوت اس درجہ ہے
کہ انہوں نے کتنی سُہانی زبانیں اختراع کی ہیں جن
میں وہ باہم گفتگو کرتے ہیں جنہیں سن کر اور لوگ
جو نہیں جانتے تعجب میں رہتے ہیں - اور یہ ایجاد
کی قوت بڑے بوڑھوں تک ہی محدود نہیں ' کھلنڈرے
لڑکے بھی کئی زبانیں اور نئے کھیل نکالتے رہتے ہیں -
یہ سلسلہ اُس شہر میں اب تک جاری ہے جس کا بند
ہونا ' خدا نخواستہ انسان کے وجود کے معدوم ہونے تک
اس سرزمین میں جو زینت میں بہشت کی شان رکھتی
ہے قیامت تک بند ہونے والا نہیں —

زرگری وغیرہ مصنوعی بولیاں

مختصر یہ کہ ان نئی زبانوں میں سے ایک
زرگری ہے جو کسی شہر کی زبان نہیں '
یہ اس طرح بنی کہ ہر دو حرفی لفظ کے بیچ میں ' ز '
بڑھا دیتے ہیں ' اور بعضے یہ کرتے ہیں کہ اس کو اصل

اور دوسرے حروف تہجی کو 'ز' کی جگہ فرع مان کر لفظ میں داخل کرتے ہیں - اور دو حرفی لفظ پر بھی منحصر نہیں ہے بلکہ اس قید سے صاحب کمالوں کو آگاہ کر دینا مقصود ہے کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر دو حرفوں کے درمیان خواہ وہ کوئی ہوں 'ز' بڑھا دیتے ہیں اس کی مثال یہ عبارت ہے —

''ازاج مزیرزا جزی یزوں چزا ھتزا ہزے
کہ بزی گزن نزا کزے گھزر جزا کزے تزک دزل
بزہ لزا وزوں "

[حرفوں کی جلگ زرگری سے عہدہ برآ ہو کر یہ عبارت یوں ہوگی - آج میرا جی یوں چاھتا ہے کہ بی گنا کے گھر جا کے تک دل بہلاؤں] -

فروع کا قیاس اسی پر کرنا چاھئے -

ایک اور بولی ہے جو الفاظ کی تقلیب سے بنائی جاتی ہے جیسے ریتی بس تابیں تھوجھہ کھیلدی -

یعنی " تیری سب باتیں جھوٹھہ دیکھیں " -

ایک اور بولی ہے جسے 'بکنی' کہتے ہیں' اس میں ہر دو حرف کے درمیان 'بکن' ڈالدیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے :—

کبکنا لبھبکنی کبکنی مبکنصر بکنی ببھبکنات خبکنوبا ھبکنو

تبکنی ھبکلے —

یعنی :- کالپی کی مصری خوب ھوتی ھے —

یہ زبان حضرت ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ خلداللہ ملکہ کی ایجاد ھے —

—*—

چوتھی فصل

بعض فصیحوں پر تنقید

میراورسودا | بعضوں کی یہ راے ھے کہ ہر شہر میں 'شاعروں' کا کلام اور لوگوں سے زیادہ فصیح ھوتا ھے' اور بعضے محققوں کی یہ راے ھے کہ شعر میں وزن کی پابندی اور قافیہ [اور ردیف] کی رعایت اکثر فصاحت کی مانع ھوتی ھے' چنانچہ میر محمد تقی سلمہ القدیر جو دوسرے طبقہ کے ریختہ گویوں میں سب سے ممتاز ھیں 'میئہ' کو 'میش' کے وزن پر ایک شعر میں باندھتے ھیں' اس کا یہ تلفظ ان کے شعر کے اول مصرع میں وزن بحر کو قایم رکھنے کی غرض سے ھوا' اسی طرح 'بھیچک' بجاے 'بھچک' بمعنی حیران ان کے ھاں آیا ھے - مرزا محمد رفیع متخلص بہ 'سودا' لپک' جھپک' والے قصیدے میں 'کٹک' بمعنی لشکر مخفف قافیہ کی ضرورت سے استعمال کر گئے ھیں -

کٹک ہرگز اردو کا لفظ نہیں۔ اس لفظ کے بارے میں پہل سعداللہ سکندر مرثیہ گوے ہرزبان میں مرثیے کہے ہیں، چنانچہ ایک مرثیہ مارواڑی بولی میں کہا جس کے اول بند کا اول مصرع یہ ہے :-

کائیں کھی اب مہاکو شاباں گھنی کٹک چڑہ دوڑائی چھے

'کٹک' بہ فتحتین مارواڑ کی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں فوج یا لشکر - اس لفظ کے مارواڑی ہونے کی دوسری سند بخت سنگھہ مارواڑی کی نثر میں ملتی ہے جو ایک دن فیض آباد میں ایک امیرزادہ سے اپنا احوال یوں عرض کر رہا تھا کہ :-

" مہنے تو ایتھاں نہیں ڈہروں چھے نہیں مہنی
کی شار کی جانڑے کو مہیں کٹک ماں رھڑی
والو نہیں راھڑی کے پاس سونڑی والو" —

لفظ 'تھوڑا' اور 'تھوڑی' راے ہندی کے ساتھہ ہی درست ہیں لیکن مرزا مذکور [سودا] نے تھوڑی کی 'ڑ' کو راے مہملہ بنا کر گوری کے ساتھہ قافیہ کیا ہے، شعر —

ساق سیمیں کو تری دیکھہ کے گوری گوری
شرم سے شمع ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

اور اسی لفظ کو واؤ مجہول کے ساتھہ بغیر 'ہ'

کے قافیہ شعر کے لئے استعمال کرنا بھی ان صاحبوں کے تصرف کی ذیل سے ھے ورنہ اصل میں تو 'تھوڑا' اور 'تھوڑی' ھے۔ اور یہ اصحاب 'ھاتھ' اور 'ساتھ' کا تقدمہ 'بات' اور ھیہات کے ساتھ کرتے ھیں یعنی جمہور کے تلفظ کے خلاف ھاے مخلوط کا لحاظ نہیں رکھتے اور اکثر لوگ اردو کو کہ راے مہملہ سے ھے 'اڑدو' (راے ثقیلہ سے) بولتے ھیں —

شعرا کی سند

اهل تحقیق کا قول یہ ھے کہ جو لوگ لفظ کی فصاحت کی سند شعرا کے کلام سے لیتے ھیں غلطی پر ھیں' اور یہ جواب بھی غلط ھے کہ شعرا تمام آدمیوں میں زیادہ فصیح ھیں' وہ بعضے ایسے الفاظ ضرورت شعر سے مجبور ھوکر عمداً شعر میں باندھ جاتے ھیں جو ان کے شہر کی زبان کے خلاف ھیں' جواب کے ضعف پر یہ دلیل ھے کہ شعر بے شک اپنے شہر کی زبان خوب جانتے ھیں اور لاعلمی سے نا آشنا لفظ کلام میں نہیں استعمال کرتے [یعنی محض ضرورت شعری سے استعمال کرتے ھیں]' لیکن ان کے شاگرد اور مقلد جو دوسری جگہ رھتے ھیں کہا جان سکتے ھیں کہ اردو داں دھلوی شاعر نے جو یہ لفظ اپنے شعر میں استعمال کیا ھے اردو زبان کا ھے یا اور کہیں کی زبان کا' اور یہ

کہ اسے ضرورت سے عمداً اپنے کلام میں جایز رکھا ھے یا بے ضرورت اجتہاد کیا ھے - بلکہ ہوگا یہ کہ وہ بیچارہ استاد کے شعر میں جو کچھہ دیکھے گا اس سب کو اچھا سمجھے گا اور اپنے ھمسروں سے کہج بحثی کرے گا اور آخرکار اسے خجالت اتھانی پڑے گی' اسی طرح جس طرح کہ ہم لوگ جو کچھہ مغل کے کلام میں دیکھتے ھیں اس کو فارسی سمجھہ بیٹھتے ھیں اگرچہ اس میں کئی لفظ سریانی وغیرہ کے ملے ہوے ہوں - اس بحث سے میرا عندیہ یہ نہیں ھے کہ اردو کے فصیح تر شعرا یعنی مرزا رفیع دہلوی مرحوم اور میر صاحب عالی قدر میر محمد تقی صاحب کی شان کو گھتایا جاے اگرچہ موخرالذکر آگرہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے وہاں کا لہجہ اور 'برج' اور گوالیار کے الفاظ گفتگو میں لے آتے ھیں' بلکہ میں ان صاحبوں کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے کئی نا معقول الفاظ ترک کر دیے ھیں' جیسے' منے' بمعنی 'میں' (درمیان) ' پہلے یہ لفظ شعروں میں آتا تھا جیسا کہ میاں ' آبرو ' نے کہا ھے ' ع —

بر منے جامہ نہ تھا اک جھول تھی

اور 'سریجن' ' پی' ' پیتم' بہ معنی محبوب ' لیکن ' سجن' بمعنی معشوق اور ' تنک ' (تھوڑا) شاید اس

تبدیل سے نہیں کیونکہ ان کے کلام میں موجود ہے - اور 'دکھو' بجائے 'دیکھو' اور 'دسا' بجائے دیکھا گیا [دکھائی دیا] ان کے کلام میں موجود ہے - خواجہ محمد میر صاحب متخلص 'اثر' نے جو خواجہ 'میر درد' کے چھوٹے بھائی ہیں اپنی مثنوی میں 'دسا' استعمال کیا ہے' اس میں کوئی مصلحت ہوگی جیسی کہ 'تروار' میں جو لفظکہ ان کے بڑے بھائی کی زبان پر بجائے تلوار کے رواں تھا - مختصر یہ کہ ریختہ کے باغ کو عیبوں کے کانٹوں اور کوڑے کرکٹ سے صاف کرنے والے یہی اصحاب ہیں - اس سے کیا ہوا کہ 'سے' کے بدلے 'ستی' 'سیتی' اور 'میرے دل' کی بجائے مجھہ دل میرزا رفیع کے کلام میں ملتا ہے ''ستی' اور 'سیتی' واسوخت میں دیکھیے' چنانچہ پہلے بند کی پہلی بیت ہے : -

یاالہی میں کہوں کس ستی اپنا احوال
زلفیں خوباں کی مرے دل کی ہوئی ہیں جنجال

اور بندوں میں کئی جگہ 'سیتی' بھی آیا ہے - اس بیت میں ' مجھہ دل کی' ملاحظہ ہو : -

گرہ لاکھوں ہی غنچوں کی صبا اک دم میں کھولے ہے
نہ سلجھیں تجھہ سے آے آہ سحر مجھہ دل کی گلجھڑیاں

اور 'محبوباں' جمع محبوب میرے نزدیک سوائے

مضاف الیہ * کراہت سے خالی نہیں جیسا کہ اس مصرع میں وارد ہے :-

ہاتھہ سے جاتا رہا دل دیکھہ محبوباں کی چال

یہی لفظ اس طرح باندھا جاے تو صحیح ہوگا :-

زلف محبوباں ہوئی زنجیر پا

میری تحقیق میں یہ بات آئی ہے جس کا ذکر آگے آچکا ہے کہ ہر شہر اور ملک کے لوگوں کے لئے جو تقلید کی صلاحیت شاہ جہاں آباد کے باشندوں سے خصوصیت رکھتی ہے وہ اور جگہ کے رہنے والوں کو نصیب نہیں، مرزا معز 'فطرت' جو ایران کے بڑے عالموں اور شاعروں میں تھے اور مدتوں ہندوستان میں رہے زبان ریختہ میں ان کا مطلع قابل ملاحظہ ہے، فرماتے ہیں :-

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در گلشن آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

اور قزلباش خاں 'امید' جو اہل ہند سے اتنی گرمجوشی رکھتے ہیں اور ایران اور ہندوستان کی موسیقی کے کامل ماہر ہیں جب کبھی ان کی طبیعت اس میدان

* یہ کہئے کہ جب کسرۂ اضافت ایسی جمع سے پہلے واقع ہو جیسی 'محبوباں' ہے تو یہ شکل اردو میں اس وقت ثقل جایز مانی جاتی ہے - (مترجم)

میں جولانیاں دکھاتی ہے تو سامع کی بد مزگی کا باعث
ہوتی ہے، اُن کا شعر ہے :—

بامن کی بیٹی ایک مری آنگ موں پری
غصہ کیا و گالی دیا اور دگر لری

عمادالملک وزیر جو بندیل کھانڈ میں پیدا ہوے
ہے اور جن دنوں وہ حج کو گئے تو عرب کے ایک شہر
میں درویشوں کے لباس میں تھے - وہاں ایک شخص
کے مکان پر پہنچ کر ظاہر کیا کہ بصرہ کے باشندہ ہیں -
مالک مکان نے خوب آؤ بھگت کی اور دس دن اپنے
ہاں ان کو مہمان رکھا - ان دنوں میں اس عرب میزبان
کے یار دوست اور رشتہ دار آتے رہے اور کوئی نہ تاڑ
سکا کہ حضرت ہندوستانی ہیں، عربی زبان میں گفتگو
اور لہجہ کی صحت کو غور فرمائیے اور انصاف کیجئے -

کشمیری پھیری والے

کشمیر کے سادو * ہر شہر کو وہیں کے لباس اور لہجہ سے دھوکے میں
ڈالتے، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک جو کشمیر میں
پیدا ہوے، یہ فوراً پہچانے جاتے ہیں - اور خدائی خوار
پھرا کرتے ہیں - دوسرے وہ جو دہلی میں پیدا ہوے،

* سادو یا سادھو، یہ لوگ اب بھی ہوٹلوں اور گھٹیا صاحبوں کے بنگلوں پر چکر لگاتے ہیں، اور اسی نام سے جانے جاتے ہیں، ان کو بکس والا بھی کہدیتے ہیں، ان کا بکس اور گٹھڑی کیا ہوتی ہے بہان متی کا توڑا ہوتا ہے، اس میں ہر ضروری چیز جو خریدار مانگے موجود ہوتی ہے - (مترجم)

یہ ملکوں ملکوں پھرتے ہیں اور کسی شہر کا رہنے والا ان کی اصلیت نہیں پہچان سکتا - عرب کی مجلس میں عرب اور ایرانی کی صحبت میں ایرانی اور تورانی مجمع میں تورانی اور فرنگی کے سامنے فرنگی بن جاتے ہیں -

دہلی میں پیدا ہونے کا امتیاز اور تعریف

یہ امر بھی احباب کے ذہن نشین رہے کہ دہلوی ہونا ایک شخص کے دہلی میں پیدا ہونے پر منحصر نہیں - ورنہ مغل پورہ کے رہنے والے اور بارھہ کے سید جو شاہ جہان آباد میں پیدا ہوے دہلوی ہونے چاہئیں ' لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ دہلوی وہ ہے جس کا روز مرہ وہ ہو جو دہلی والوں کا ہے اور جگہ والوں کا سا نہ ہو' یہ بات منہہ کھولتے ہی پہچان لی جاتی ہے - بخلاف اس کے مغل پورہ والوں کو دیکھو کہ ان کی گفتگو لاہور والوں کی گفتگو سے ملتی ہے' اور ایسا ہی حال بارھہ کے سادات کا ہے کہ ان کا کلام اپنے قصبہ کے لوگوں کے کلام کی مانند ہے - پس دہلوی کے معنی ہیں کہ ایک شخص ان لوگوں کی اولاد سے ہو جنھوں نے زبان کو مانجھا اور نفیس مذاقی ' لباس کا موزوں ہونا بیٹھنے اٹھنے کا سلیقہ ' اور فرش وغیرہ سے مکان کی آراستگی وغیرہ ایجاد کی اور ان کو رواج دیا - ان کی اولاد خواہ شاہ

جہان آباد میں رہتی ہو خواہ کسی اور جگہ وہ دہلوی ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم اور تربیت والدین یا ماموں یا چچا یا خالو یا بڑے بھائی یا کسی ایسے ہی بزرگ کی صحبت میں ہوئی ہو تو وہ دہلوی ہی ہوگا -

لکھنؤ کی فصاحت

جیسے لکھنؤ کے لوگ ہیں ' اگرچہ اُن کی زبان ایک دو لفظوں میں دہلویوں سے مغایرت رکھتی ہے لیکن وہ اور اوصاف اور قابلیت میں دہلی والوں کے برابر ہیں - اور بعض لوگوں میں جو یہ مغایرت پائی جاتی ہے جس کا سبب بے توجہی ہے سب کا یہ حال نہیں ہے - بلکہ اس شہر کا ہر محلہ فصیحوں کا محلہ ہے بخلاف شاہ جہان آباد کے - اس سے انکار کرنا دانائی نہیں کیونکہ یہاں والے اس کا بہت خیال رکھتے ہیں کہ ہم پورب میں ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں کے آدمیوں کی زبان کی عادت پڑ جائے - اس وجہ سے اپنے ماں باپ اور دوسرے بزرگوں سے جو شاہ جہان آباد سے آئے ہوئے ہیں الفاظ کی تحقیق کرتے رہتے ہیں - دوسری بات یہ ہے کہ افلاس کی وجہ سے بہت سے اونچے گھروں کے لوگ اور فصیح اشخاص مدتیں ہوئیں دارالخلافہ سے نکل آئے ہیں اور پورب کے شہروں میں آباد ہوگئے ہیں - لیکن لکھنؤ دور مشرق کے اور شہروں کے مقابلے میں

شاہ جہان آباد کی قربت کی وجہ سے ترجیح رکھتا ہے - اس شہر میں فصیح دہلویوں کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا شمار نہیں - ارو جو دہلوی کہ اس وقت شاہ جہان آباد میں ہیں ان میں فصیح کم ہیں اور غیر فصیح زیادہ - جو خاص لکھنؤ کے ہیں انھیں کو فصیح سمجھنا چاہئے اور غیر فصیح وہ لوگ ہیں کہ ان کے والدین نے اور مقاموں سے آکر اس شہر میں سکونت اختیار کرلی - ان لوگوں کی اولاد کی یہ کیفیت ہے کہ بعضے تو ایسے ہیں جو اس زعم میں رہتے ہیں کہ ہم شاہ جہان آبادی ہیں اور جو غلط سلط ہماری زبان سے نکلے صحیح ہے اور دہلی کا روز مرہ ہے' اور بعضے ایسے ہیں جنھوں نے صرف سواری' بانک' پٹہ لکڑی اور نیزہ بازی تو سیکھی مگر اردو زبان کے سیکھنے کو وزن نہ دیا - ان لوگوں نے دہلویوں کے الفاظ کو اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے الفاظ کے ساتھہ گڈ مڈ کر کے ایک زبان [اور ہی] پیدا کرلی ہے - اردو زبان اور الفاظ کی فصاحت کی تحقیق کا انھیں خیال تک کبھی نہ گزرا -

اردو کی سند

مختصر یہ کہ بادشاہوں اور امرا اور اُن کے درباریوں اور حاضر باشوں سے اردو کی سند لینی چاہئے - کیونکہ فقیہہ اور شاعر'

یاضی داں اور محاسب، مغنی اور طبیب، صوفی اور
خوبصورت عورتیں ان کی مجلس میں حاضر رہتے ہیں
ور فرقہ فرقہ کی اصطلاحیں سننے میں آتی ہیں اور
وہ جس لفظ کو اصطلاح بنادیں اس کے قبول کرنے سے
چھوٹے بڑے کو انکار نہیں ہوسکتا، وہ اصطلاح جلد سے
جلد رواج پا جاتی ہے - ہر فصیح اور بلیغ شخص ان کی صحبت
میں سوچ سمجھکر منھہ سے بات نکالتا ہے اگر اس نے
ٹھیک بات کی تو امیر اور اس کے درباری اسے پسند
کرتے ہیں اور وہ شخص اپنے برابر والوں اور خواجہ
تاشوں میں بڑے فخر سے اس کا ذکر کرتا ہے - اور
بولنے کے وقت ہر صاحب کمال کو یہ کھٹکا لگا رہتا ہے
کہ مبادا کوئی ایسا لفظ زبان سے نکل جاے کہ میری اس
بھری محفل میں ہنسی اڑے - اسی طرح دستار کی بندش،
قبا اور زیر جامہ (پایجامہ) کی وضع قطع اور پاپوش
وغیر میں جس فیشن کا رواج پڑ جاتا ہے انہیں کی پسند
پر موقوف ہے، جیسے 'رنگترہ' کا لفظ جو فردوس
آرامگاہ * نے وضع فرمایا، اسی طرح یہ الفاظ، بلبل کو
'گلدم' تیتر کو 'گلسرا' اور سرخاب کو 'سفیدہ سرا' کہنا -
دلیل سے تو یہ مسئلہ ثابت ہوگیا لیکن راقم کے قول

* فردوس آرام گاہ سے مراد محمد شاہ بادشاہ ہے - (مترجم)

کی تصدیق ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اِس کا صحیح سلامت ثبوت جناب عالی [نواب سعادت علی خاں والئی اودھ] کی ذات بابرکات ہے - خدا کی قسم کہ حضور کی اردو میں تقریر مقامات حریری یاد لاتی ہے، نہ کوئی ایسا فصیح زبان اور شیوا بیان ہوا اور نہ ہو - کسی وقت کی آپ کی بات لطیفہ سے خالی نہیں ہوتی ' کبھی تجنیس ہے تو کبھی ایہام' کبھی طباق ہے تو کبھی ترشیح اور محتمل ضدین - راقم دعاگو کا ارادہ ہے کہ حضور کے لطایف جمع کر کے ایک مستقل کتاب میں مرتب کرے - دوسرے نواب عمادالملک مغفور ہیں جو اردو کے بعض قاعدوں کے موجد ہیں جو قابل قبول ہیں ' لیکن ان کی طبیعت کی قوت کو جناب عالی کی قوت طبع سے وہی نسبت ہے جو کنوئیں کو دریا سے ' اس کی دلیل یہ کہ نواب عمادالملک کے وقت کی پوشاک اور زبان وہی تھی جو اس وقت شاہ جہان آباد کی ہے - اس لئے اگر میں وہاں (دھلی) کی مردانہ پوشاک کا مقابلہ لکھنؤ کی پوشاک سے کروں تو بعینہ ایسا ہے کہ 'کانڈھلہ' اور 'شاملی' کے بنیوں کی پوشاک کا ایران کے میرزاؤں کی پوشاک سے مقابلہ کرنا ' وہاں کی پوشاک اگرچہ سوائے لکھنؤ کے اور شہروں

کی پوشاک پر غالب آتی ھے لیکن یہاں کی زنانہ پوشاک کے سامنے وھاں کی زنانہ پوشاک ایسی ھے جیسے میاں غلام رسول کے گانے کے سامنے لڑکے لڑکی کی شادی کے موقع پر بھلے مانسوں کی بھو بیٹیوں کا گانا ' یا سرخ اطلس کے سامنے لال کھاروا - خدا کی قسم یہاں کے آدمیوں کی گفتگو کا وھاں کے لوگوں کی گفتگو سے مقابلہ کرنا ایسا ھے جیسے بھازا مل ڈھوسر کی تقریر کا نواب عمادالملک کی قوت نطق سے - سنیئے :-

نواب عمادالملک کا سوال

" اجی لالہ بھازا مل تمھارے احوال پر بالتہ کہ ہم سخت متاسف ھوتے ھیں کہ حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے تمھیں میات الوف کا مالک کیا اور اوقات تمھاری یہ کہ احدمن الناس جس مسلمان کو فرض کیجے اس کے برابر ذایقہ صاحب کا لذت آشنا نہیں ' بڑا تعجب ھے کہ آدمی باوصف تیسّر نعمائے الٰہی سے محروم رھے اور نام اس کا رحم اور شفقت رکھے ' ھم لوگ بھی تو اپنے ھاتھہ سے بکری سوائے عید قربان کے حلال نہیں کرتے اور ھی اشخاص صاف کرکے گوشت بڑے آدمیوں کے مطابخ میں پہنچاتے ھیں اور بازار میں بیچتے ھیں ' اگر تم بازار سے لے کر کھاؤ تو کیا مانع ھے "-

بھاڑ امل کا جواب

" ھھیں پیرو مرشد مھارے دھرم مانہیں جھو کامارن بڑا دکھه هے ' هور کھاؤ ناتو هور بھی برا ' هور مکھا تہاری کی بات ہے تم کھاوند لوگ هو ' مھارے تو جو کوئی چوشی بھی بھولے سے مار گیرے تو اس کے هاتھه کا پانی پیونڑا گجب هے ' مھارے بڑے تاؤ سہل رام جی تھے اُونڑنے بھولے بسرے ہے مکھا کھنکھجوری دھی کے باپ پر پیر رکھه دیا تھا سودھی کا باپ مر گیا ' سوبا باجی نے دیکھکر فرمایا نہوتی کے مکھایوہ کی کیا ' اب دس ھجار روپئے کس کے گھرتے کا ڈھوں جو اُس کا دوکھه اتاروں ' هور پنمیشر نے مھارے کھاونڑ پیونڑ. واسطے بھی ڈھیر چیجاں پیدا کریں هیں ' موھن بھوگ ' لوچئی ' کچوری ' انرتی میٹھے سھال ' کچنال ' بڑے ' سدبو سے ' پراگڑی ' کھرمے ' بالوسائی ' گلدوڑے ' دھوئی مونگ کی دال ' دھوئی اُرد کی دال ' هور ڈھیر سے ترکاریاں هور اچار هور مگد کا لڈو هور گوند کے پاپڑ جو حجور بھی نوس پھرماویں تو پھیر مکھا نوس '

تنزو کی کو بھی بھول جاویں بلکوں بھولے بسرے
بھی کھاؤنے میں نہ آوے " —

اس کی شرح یہ ہے :— ' ھہیں ' بانیوں کی بولی ہے یہ لفظ ' ھاں ' کی جگہ بولتے ھیں - ' پیر مرشد ' بغیر واؤ کے یعنی پیر و مرشد - ' مھارے ' یعنی ھمارے ' جیسا کہ شاہ جہان آباد میں کہتے ھیں - ' ماؤہیں ' جیسی سادات بارھہ کی زبان ہے جس کا ذکر آگے آ چکا ہے بمعنی درمیان ' میں - ' جیو ' بجائے جی بمعنی جان - ' بڈا ' یعنی بڑا - دوکھہ (واؤ مجہول) گناہ - ' ھور ' (واؤ مجہول) بمعنی اور ' دوسرا - ' کھاؤنا ' بجائے کھانا - ' مکھا ' ' میں نے کہا ' کا مخفف - ' تھاری ' تمہاری - ' کی ' بجائے کیا (حرف استفہام) - تَم (ت مفتوح) بجائے تُم - ' کھاوند ' خاوند - ' چوشی ' بمعنی چوھی - ' مار گیرے ' یعنی مار ڈالے - ' پیونڑا ' پینا - ' گجب ' غضب - ' بڈے ' بمعنی بڑے (تعظیماً) - 'تاؤ' باپ کا بڑا بھائی - 'سہل رام' بلیے کا نام - ' اُنوّنے ' بمعنی انہوں - ' تے ' بجائے 'سے' - ' کھلکھجورا ' * ایک مشہور جانور کا نام - ' دھی کا باپ ' یعنی بیٹی کا باپ - ' کے ' بجائے کا -

* اب کنکھجورا کہتے ھیں - (مترجم)

'بابا جی' دادا - 'پھرمایا' فرمایا - 'نہوتی' (نون مکسور) جس عورت کے بچہ نہ ہو ('نہونی کے' سے یہ مطلب ہے کہ تو جلدی مرجاے گا' گویا تیری ماں نے تجھے جناھی نہ تھا' اس 'مترادف' عربی کا یہ کوسنا ہے "تبکیک اُمک" یعنی تیری ماں تجھے روے)- 'کاڈھوں' نکالوں- 'پرمیشر' (پرمیشر) خدا - 'پیونڑ' پینا - 'ڈھیر' بہت - 'چیجاں' چیزیں - 'کریں' کہیں - 'کھرمے' خرمے - 'مگاں' ایک شہرینی- 'حجور' مساوی حضور - 'ذوس' نوش- 'پھرماویں' فرماویں - 'پھیر' بجاے 'پھر' - 'نوس تذرکی' نمش اور تلکی - 'بلکوں' بلکہ - 'بسرے' مرادت بھولے -

یہ مقابلہ ایسا ھی ہے جیسے کایتھوں کی فارسی کا مقابلہ اصفہان والوں کی زبان سے یا پورب کے فاضلوں اور طلبا کا مقابلہ جو مغلوں کے لہجہ کی نقل اتارا کرتے ھیں مغلوں سے - نمونہ ملاحظہ ھو :-

مرزا صدرالدین صفاھانی کا سوال

"چرا دو سہ ماہ برمانا مہرباں بودید کہ تشریف نیاوردید و مشرف نہ فرمودید '. دو سہ دم کہ از حیات مستعار خوش بگزرد غنیمت است اما خوشی خاطر بہ مجالست دوستاں کجا - شعر

بہار عمر ملاقات دوستداراں است

چہ حظ برد خضر از عمر جاوداں تنہا

تنہا نہ گریۂ آدم بکار آید نہ خندہ ' حالا بدستور می آمدہ باشید ' زندگیء آدم همیں قال و مقال و اختلاط است ' جذاب میدانند کہ مذہب من صوفیانہ است ' نمیدانم کہ ہندو چہ قبح دارد و مسلماں چہ حسن ' ہر دو بندۂ خدا و نور چشم عارف اند ' جہان گزراں مثل حباب نقش بر آب است آخر ہمہ را رجوع بہ مبدء خواہد بود ' نزاع لفظی کہ زید بہ از عمرو است یا عمرو بہ از زید میانہ برادران نوعی چہ ضرور ' سر زید بہ گردن عمرو "

مقطع غزل کی نوبت

لالہ مکتا پرشاد سری واستو کا جواب

ہکا ہکا ایں عاجز شمو د و ماہ بہ گلگشت گلستون بیماری پرداختہ ہکا ہکا و لیکن آں منبع عطوفت و احساں شربت جوں پرور عیادت را دریغ داشتہ ہکا ہکا - شعر

ما ز یاراں چشم یاری داشتیم

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ہکا ہکا امہدم از ایشاں شکستہ شد چوں

احوال آں ابہت دستگاہ چناں مبرھن گردید
دیگر دم از دوستیء کسے گشتن بیجا است ،
ھگا ھگا رو دیدہ را شرم ھمی کند و ایں کہ ھگا ھگا
بر زبوں راندہ کہ ایشوں صوفی مذھب است
و ھگا ھگا تعصب ندارد ، و اگر تعصب می داشتے
چہ نقصاں می داشتے و اکنوں کہ نہ دارد
ما را چہ نفعے ازو ، باللہ العلی العظیم و بہ
امیرالمومنین علیہ السلام دوست را غلام است
و مرد خوب را بندہ ، و ھگا ھگا با آدم خر
دماغ کارے ندارد ، ھگا ھگا حیف کہ در دو موہ
از موہ پر سیدی آں قدر غفلت ھم از حال
دوستونت نشایستے ، ھگا ھگا ایں تو رسم زمانہ
است کہ شکایت از دوست کردہ می شود -

مکتا پرشاد کی فارسی ختم ھوئی جو کایستھوں کے جرگہ سری واستو سے تھا ، اس کے کلام کی شرح یہ ھے - "ھگا ھگا" اس کا تکیہ کلام ھے ، جب تک بار بار یہ نہ کہے بول ھی نہیں سکتا ، شما کو "شمو" تمغل * کی وجہ سے کہا - 'پرداختہ' کی 'ت' پر زیر دے کر 'ہ' کو

* تمغل یعنی مغل بننا ، مغلوں کی نقل ، ایرانی جان کو جوں ، اور گلستاں کو گلستو بولتے ھیں ، ان کا لہجہ ایسا ھے - (مترجم)

ظاہر کیا۔ 'جون' 'جان' کی جگہ۔ 'داشتہ' کا تلفظ مثل پرداختہ۔ شکستہ' بجاے گسستہ استعمال کیا۔ کشتن' بجاے 'زدن' استعمال کیا۔ اور 'رودیدہ راشرم' یہ ٹکڑا جو کہا تو اس کے ذہن میں "منہ دیکھے کی شرم" یہ اردو کا محاورہ تھا۔ زبان کو 'زبون' رائدہ کا تلفظ مثل 'پرداختہ' ادا کیا۔ 'ایشوں بجاے 'ایشان' استعمال کیا' یہ اسم اشارہ جماعت کے لئے ہے یہاں مخاطب سے غرض ہے۔ صوفی مذہب است بجاے صوفی مذہب ہستند کہا۔ 'می داشتے' بجاے می داشتند۔ اور 'ندارد' بجاے ندارند۔ 'ازو' بجاے از شما۔ امیرالمومنین کی 'ر' کو مفتوح بولا۔ اور اِلیہ السلام (بہ کسرۂ الف) بجاے علیہ السلام کہہ گیا۔ 'دوست راغلام است' بجاے دوست را غلام ہستم کہا۔ 'اسی طرح مرد خوب را بندہ' بمعنی بندہ ام۔ 'ندارد' بجاے 'ندارم' استعمال کیا۔ مُوہ (واؤ معروف) بجاے 'ماہ'۔ اور 'مو' بجاے 'ما'۔ 'نہ پرسیدی' بجاے نہ پرسیدند۔ 'آں قدر' بجاے ایں قدر۔ 'ایں تو' بجاے 'اینکہ' یا بجاے 'ایں خود'۔

مرزا کا ظم اصفہانی کا سوال

قبلہ خیلے مشتاق خدمت بودیم ایں وقت
که جنابہ ازدرس وتدریس فارغ شدہ اند

یحتمل که چیزے هم نه خورده باشند وبعد از طعام قهلوله هم ضروراست ' اگر حکم شود حاضر باشم واگر بفرمائید باز به خدمت برسم ' هنوز که ده دوازده روز أیلنجا هستم چه عرض بکنم که فلک کج رفتار دست از بازیها برنمی دارد ' والا چند روز خدمت آب وضوے ملازماں کردم ' چند شبه که در شرح اشارات به خاطر داشتم و جواب آنها اند کے عسیر می نماید به آسانیء تمام از جناب بر طرف می شد ' واے واے این جا قدر ملازماں راکه می داند ' برابر یک سبزی فروش یا چونه پزِ ایراں اوقات ندارید ' قبله بیا ' به ولایت برویم —

مولوی عبدالفرقان کا جواب

ارے برهان لائیس از فصحت و بلغت آں باذعان دانستی شدی که مولد ایشوں از خوک پوک ایراں بودی ' ارے برهان لائیس او بلبل هزار دستاں رانعم البدل بود ' من بایں فصحت کسے مغل را ندیده است ' همیں که او گوهر سخون رابه مثقبهٔ بیاں

سفتہ' ارے برہان لائیس من دانستیم کہ
وے مالک زبون است' ارے برہان لائیس
من طعام را خارج می خوریم و خسپیدگی را
نمی خواہیم' تا او شستہ است گپ زدگی
و جمیع شکوک را ارے برہان لائیس بلک کل
مافی بالہ پاسخ دادی خواہد شد' و ازیں
کہ اوراشوق بہ سوے کتب معقول ہست
ارے برہان لائیس غنچۂ خاطر ایں کس گل
گل بشگفت' انشاالله تعالیٰ عظم شانہ و لا
یحاطا حسانہ' ارے برہان لائیس دیگر چار چہ
ہم انشا الله تعالیٰ از قسم شعر خواہد شدن -

ہر کجا در عالم امکان ہست گرمی صحبتی
بیگما شمع زبان شعرا در ان بزم روشن است

مغل اور مولوی کی گفتگو ختم ہوئی' اب حضرت مولوی کے کلام کی شرح سنلی چاہئے -

' ارے برہان لائیس' ان کا سخن تکیہ ہے جیسے لالہ مکتاپرشاد کا ' ہگا ہگا ' تھا - ' فصحت و بلغت ' اسی طرح بغیر الف کے - ' آن' بمعنی شمایعنی عالی قدر- ' دانستی شدے' بجاے دانستہ شدہ ایسے تلفظ پر غور کرنا واجب ہے - ' ایشون' بجاے ایشاں بمعنی شما - ' خوک پوک' یہ

فلہذا تمغل نے ' خاک پاک ' کی مٹی عزیز کی ہے - ' ایروں ' بجاے ایران - ' بودی ' بجاے بودہ - ' او ' بمعنی شما - ' کسے مغل ' بجاے ہیچ مغل - ' فدیدہ است ' ندیدہ ام کے بدلے - ' سخون ' در اصل سخن کے معنی میں ہے اور صحیح ہے ' لیکن جناب مولوی صاحب نے اپنے وطن شریف کے لہجہ سے معمول ہوکر واؤ معروف بڑھا دیا - ' من دانستیم ' من دانستم کے بدلے - ' وے ' بجاے شما - ' زبوں ' زبان کی جگہ ' مغلیت کے غلیان کی وجہ سے - ' شستہ است ' بجاے نشستہ است - ' گپ زدگی ' بجاے گپ خواہم زد - ' بلک ' (ب مفتوح ' لام مکسور) ترقی د کلام کے لئے - ' کل ما فی بالہ ' مراد ہر چہ در دل اوست (جو کچھہ اس کے دل میں ہے) مولوی صاحب کی مراد یہ ہے کہ جو کچھہ تمہارے دل میں ہے ' کیونکہ وہ مخاطب کے لئے ضمیر غایب استعمال فرماتے ہیں - ' دہ دی خواہد شد ' بجاے دادہ خواہد شد - ' کتب معقول ' فک اضافت کے ساتھہ بولے - ' ایں کس ' بمعنی من (میں) - ' چارچہ ' بجاے چرچہ - ' خواہد شدن ' بجاے خواہد شد اس کے ساتھہ انشاء اللہ تعالیٰ کا صرف بے محل ہے - [شرح شعر] ' عالم امکاں ' میں عالم کا کسرۂ اضافت غایب ہے - ' کرسی صحبتے ' میں کسرۂ اضافت ضرور بود ہے - ' شعرا ' عذرا کے وزن پر آیا ہے - زبان شعرا '

میں نون غنہ بولتا ہے - اگر صحیح پڑھیں یعنی زبان کے ساتھ اضافت اور شعرا کے عین کو زبر کے ساتھ پڑھیں اور 'بزم' کے میم کو بھی ظاہر کریں تو مصرع تقطیع میں گر جاتا ہے' وزن سے ساقط ہو جاتا ہے —

سید انشا کی ملاقات مولوی حیدر علی سے

اسی زمانے کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ میرے بعضے عزیز سندیلہ گئے تھے - جناب مولوی حیدر علی صاحب کی بہت تعریف سن کر جو معقولیوں کے جیّد عالم ہیں مجھے ان کی ملاقات کا اشتیاق تھا' اور میں چاہتا تھا کہ سندیلہ جانے کی کوئی تقریب ہو تو ان کی ملاقات کا شرف حاصل کروں - حسن اتفاق سے مولوی صاحب موصوف کسی ضرورت سے لکھنؤ تشریف لے آے اور اسہامئو میں جہاں عبدالرحمن خاں قندھاری کے رسالے کا پڑاؤ ہے ٹھیرے - راقم یہ مژدہ سنتے ہی جلد سوار ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا - اور اس واسطے کہ برابر والوں میں میرا اعتبار بڑھے اپنا غیر منقوط قصیدہ جس کا نام " طور کلام " ہے اور جس کے آخری شعروں میں کئی صنعتیں رکھی ہیں ساتھ لیتا گیا - اس خیال سے کہ اگر ان کو پسند آگیا تو میری عزت ہے - میں نے قصیدہ سنایا جناب معظم نے اسے سن کر اس ہیچمداں کی بے حد تعریف کی- چونکہ کمترین نے والد مرحوم

کے وقت میں منطق اور فلسفہ کی درسی کتابیں پڑھی تھیں اور مدت سے شعر کے عشق دوستوں کی صحبت، فکر معاش اور تلاش کی چپقلش کی وجہ سے اب ان کے مطالعہ کا شوق نہیں رہا تھا اور ان موضوعوں پر جو کچھ پڑھا تھا بھول گیا تھا - موصوف کی خدمت میں علمی مسئلوں سے متعلق گفتگو کے بدلے شعر و سخن سے صحبت گرم کرنا میں نے تنگ ظرفی خیال کیا - اس وجہ سے میں نے عرض کیا کہ سنا ہے کہ جناب عربی، فارسی اور هندی تین زبانوں میں شعر کہتے هیں، اگرچہ بندہ کی لیاقت اتنی نہیں کہ جناب والا کا کلام سمجھ سکے لیکن اگر میری سمجھ کے لایق تبرکاً کچھ ارشاد ہو تو ذرہ نوازی اور بزرگانہ شفقت سے بعید نہ ہوگا - آپ نے ارشاد کیا کہ میر انشاء اللہ خاں درست فرماتے هیں کہ میں ان تینوں زبانوں میں کچھ کہہ لیتا ہوں، لیکن چونکہ انسان اپنی زبان پر اور زبانوں سے زیادہ قدرت رکھتا هے اور جو بھروسا اسے اپنے ملک کے لہجے پر ہوتا هے وہ غیر ملک کی زبان پر نہیں ہوتا اس وجہ سے التماس هے کہ جن پر مجھے اطمینان هے وہ هندی شعر هیں - میں نے کہا اس سے اچھا کیا هے، کچھ فرمائیں - آپ نے کمال مہربانی سے

ہ قصیدہ جو اُن دنوں سرور کائنات صلے اللہ علیہ و سلم
ی نعت میں موزوں فرمایا تھا سنایا - اس کا صلہ اُن
؛ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عطا فرماے گا - سننے کے
د بندۂ عاصی نے وہ قصیدہ ان سے لے لیا ' اسے سن کر
روح کو] ایسی فرحت ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی
یونکہ اہل مجلس کی تفریح طبع کے لئے اس کا ہر
صرع زعفران کا ایک قطعہ تھا - جی میں آیا کہ اس
؛ خمسہ کروں تاکہ دنیا میں یادگار رہے - خدا کا
کر ہے کہ یہ مہم آسانی سے تمام ہوئی - یہاں فن
یراد [تنقید] کے طالبوں کے فایدے کی غرض سے اس
صیدے کی دو بیتیں نقل کرتا ہوں :-

رسول حق کا محمد نبی ٹھہرا نام
اے فخر کون و مکاں تجھہ اوپر درود و سلام
ہے امر ہم کو بھی صلّوا و سلّمو تسلیم
ہے امتثال امر کا واجب اے مومناں مدام

اصل آدمی اور شعر

کچھہ دنوں بعد الماس علی خاں بہادر کے ساتھہ سندیلہ جانے کا اتفاق وا ' پھر مولوی صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا ور وُہ مخمس سنایا ' آپ کی نازک پسند طبیعت نے بہت سند کیا اور اُسی وقت اس کی نقل لے لی —

علم و فضل اور شاعری

یہ سمع خراشی اس غرض سے کی گئی کہ بعضے عقل کے دشمن اس وہم میں گرفتار ہیں کہ فاضل آدمی شعر کو اپنے علمیت کے پایہ سے پست جانکر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، ورنہ تھوڑی سی توجہ سے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں - یقیناً ان کا کلام شعرا کے کلام سے بہتر ہوگا - اور چند بے ربط شعر جیسے کہ قصیدۂ مذکور کے ہیں ان بزرگوں کی زبان سے سن کر ان کو معانی کا سمندر اور نوادر کا خزانہ خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ شاعری روح القدس سے نسبت کے بغیر ناممکن ہے - مرزا رفیع اُمی ہوگا تو بھی شعر اس فصاحت اور بلاغت سے کہے گا' اور قصیدۂ مذکور کا مصنف اس علم و فضل کے باوجود ناسمجھی سے قدم اٹھاے یہ عبرت کا مقام ہے - اور سب سے بڑھکر تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ کے طالب علموں کے اعتقاد میں آپ میرزا ہیں' آپ نے فارسی لہجہ اہل ایران سے سیکھا اور زبان اردو بھی شاہ جہان آباد میں سیکھی اور چونکہ حکماے یونان علم موسیقی میں بھی جو علم ریاضی کے اصول اربعہ سے ہے ماہر اور مشاق ہوا کرتے تھے اس لئے مولانا بھی 'عشاق' 'عراق' 'حجاز' اور 'پیپات' وغیرہ فارسی راگ کے مقام کو جانتے ہیں اور

'بھیروں' 'بھباس' 'بھیروی' 'للت' 'رام کلی' 'کھٹ' 'گن کلی' 'بھٹیار' 'سگھرئی' 'سوھا' 'گوجری' 'گندھار' 'اساوری' 'توری' 'بلاول' 'الھیا' 'دیوگری' اور دوسرے راگ اور راگنیوں کو ان صبح کی راگنیوں کی طرح خیال میں رکھتے ھیں' اور کبھی کبھی اپنے خاص چمکادر صفت شاگروں کے سامنے خیال * کا کرداد طلب کرتے ھیں - اس عقل کے قربان ھونا اور اس شعور کے صدقے جانا چاھئے - جب گانے میں مضایقہ نہیں تو طبلہ سارنگی بجانے میں کیا عیب ھے - ایسی مجلس کا کیا کہنا کہ اس میں علما اکٹھے ھوں اور ان میں سے ایک جوڑی پر تھاپ مارے اور دوسرا کوئی اور ساز بجاے اور ایک اور اس دھن میں تانیں اڑاے :-

انظر اِلینا او میاں چھرے والے
ضاق المجال علینا سانوں بھی اپنے کول بلالے
بھجرک میڈی جانِ اِ جلس بین یدینا
بھویں تھاری سانو بھالے

جب کہ جناب مولانا اس تحقیق اور تفتیش کے باوجود ریختہ

---

* کلا سیکل موسیقی میں جسے عموماً پکّا گانا کہتے ھیں 'دھرپد' اور 'خیال' ھیں' 'خیال' تان سین کی ایجاد ھے' چونکہ دھرپد کے محاسن فطرتی اور اس کے صناعی اور نازک خیالی پر مبنی ھیں' اسی لئے شاید اسے 'خیال' کہنے لگے - (مترجم) —

کو اس صحت، درستی اور موزونی کے ساتھ ادا کرتے ھیں تو مولوی عبدالفرقان اگر فارسی میں وہ گل کھلائیں جس کا ذکر آچکا ہے تو کیا گناہ ھے-

عورتوں کی زبان

اِسی طرح شاہ جہان آباد کی گرھستی اور بازاری عورتوں کی زبان لکھنؤ کی اسی حیثیت کی عورتوں کے مقابلہ میں بعینہ ایسی ھے جیسی مولوی کرم الرحمن ملقب میاں بچئی کی ھکلی * لونڈی کی زبان براتی بیگم اور موتی خانم کی زبان کے مقابل ھے، یا میر غفر غیئی ویائی کا کلام کوچۂ بلاقی بیگم (دھلی) کے پری پیکروں کے ساتھہ، یا تھاکر بادام سنگھ ساکن آؤ کی بے تکلف گفتگو تفضل حسین خاں علامہ کے ساتھہ —

براتی بیگم کا سوال

"اری سر مونڈی باندی تو اتنا جھوتھہ

کیوں بولتی ھے، اللہ کرے تیری بوتی

---

* اصل فارسی الکن کلیز کی صفت آئی ھے، اگرچہ اس کا ترجمہ 'ھکلی' کردیا گیا ھے لیکن اس کے کلام کے نمونے سے اس کی زبان میں ھکلاھٹ نہیں بلکہ ایک قسم کی تتلاھٹ پائی جاتی ھے، جسے طب کی اصطلاح میں لثغہ کہتے ھیں — (مترجم)

بوتی اوپر والیاں لے جائیں' اُڑجاے تو خیلا
خندی' میں نےکب سکھیا ناس گئی تیرے میاں کی
جورو کا گلہ کیا - کہنے والی کو علی جی کی مار
ہووے' ڈر پے تیرے دیدے سے' بیٹھے بٹھاے
کیا اُشغلا اُٹھایا ہے' بھس میں چنگاری ڈال
جمالو دور کھڑی" -

کلام موتی خانم

اے صاحب آپ کیوں باندی بندوڑوں کے
منہ لگتی ہیں' ایسی باتوں سے ہوتا کیا
ہے' زناخی ہم تو آگے ہی یہ بات جانتے
تھے کہ اس زمانے میں غریب پر رحم کرنا
اچھا نہیں' پر کیا کریں اندر والا کمبخت
نہیں مانتا' کیا جانئے ایسے کرتوتوں سے
کیا جتن ہوتا ہے' اس چڈو کا کیا دوس
ہے کردۂ خویش آید پیس —

مولوی کرم الرحمٰن کی کنیز کا جواب

بیڈم صاحب' اِھتّاں تھڈاے جانت ہے جو
میں تجھہ بھی تھے ہوں ترم سبھی میاں
اتھے رھیں' میں تو بولوں نہ چالوں جن آپ
سن آے یہ بات تھس ہے اور مورا نام

کہنے

لھس ھے آءتی ... ماں بانس تے دیوں میں
تو جیتی ناھیں ترت تھہ جاؤں تم بی بی
موری تا ڈلاھئو میں تو بل بل جاؤں،
تمرے تترے تے آسرے پہ آوت رھوں، اور
تمرا صد تا تھاوت رھوں اور تھا نم صاحب
ملہ تاتھن رھے تہ ھیاں تی توئی بات باھر
تھی تو تی اپنا تھا پی ھے سو میں اب تا بورانی
رھوں جو بی بی سن تھوں تہ بیدم صاحب اور
تھا نم صاحب تم تاں برا تھت رھیں اور تمرا
دلارت رھیں تحتیت تروجہ ... جری تنیو
تھس ھوے رھتی نات تات ڈارو میلہ
تاتران تی تسم اور سلم جھدیں تریا میں
نانہیں بولوں " -

بی ٹورن کسبی کا کلام میر غفر غیلی و یائی سے:-

" اجی آؤ میر صاحب تم تو عید کے
چاند ھوگئے، دلی میں آتے تھے دو دو پہر
رات تک بیٹھتے تھے اور ریختے پڑھتے تھے
لکھنؤ میں تمھیں کیا ھوگیا کہ کبھیں تمہارا
اثر آثار معلوم نہ ھوا، ایسا نہ کیجیو کبھیں
آتھوں میں بھی نہ چلو، تمھیں علی کی

قسم علی آنهوں میں مقور چلیو" -

[پہلے مدر عفر ڈیلی ویائی کا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے ' ان کے آلات نطق میں ایک نقص تھا] - گفتگو کے وقت 'لام' اور 'راء' اکثر 'غین' ہوکر اور کبھی 'ي' ہوکر ان کی زبان سے نکلتے ہیں - ان کی ہیئت کذائی یہ ہے کہ کالا رنگ' کوتاہ قد' موٹی گردن ' لمبے کان ' پگڑی کی بندش بعض بوڑھے قلندسازوں کی سی' پگڑی کا رنگ سبز یا اگرئی ورنہ اکثر سفید' کبھی گلاب کا پھول پگڑی کے ایک طرف اڑس لیتے ہیں' اور جسے اصطلاح میں 'جامہ' کہتے ہیں وہ پہنتے ہیں، جو ان کے جسم پر خوب پھبتا ہے ' موٹا لٹھہ کپڑا پہنتے ہیں باریک کپڑے سے اس لئے پرہیز کرتے ہیں کہ اسے عورتیں پہنتی ہیں ' ان کی ساری پوشاک پر ڈھای روپیہ صرف ہوتے ہیں' جامہ کی چولی چھاتی پر آتی ہے اس کے اوپر ایک پستولیہ ڈوپٹہ اس طرح ڈالتے ہیں کہ اس کا دامن زمین پر جھاڑو دیتا ہے ' دانتوں میں مسی لگاتے ہیں' زرد بانات کی جوتی جس کے پنجے کے اوپر بیچوں بیچ چھوٹے سنہری تاروں کا ایک ستارہ بنا ہوا - اب کہ ان کی ہیئت معلوم ہوگئی کسبی عورت سے ان کا کلام سنئے :—

"اجی بی نوفن یہ بات کیا فغماتی ہو
تم تو اپنے جھوغے کی چہن ہو پغ کیا کہیں
جب سے دغی چھوتی ہے کچھہ جی افسغدہ
ہوگیا ہے، اوغ شعغ پغھنے کو جو کہو تو
اس میں بھی کچھہ غطف نہیں غہا۔
مجھہ سے سلیے اوغ غیختے میں اُستاد میاں
وغی ہوے انپغ توجہ شاہ گلشن صاحب کی
تھی، پھغ میاں آبغو اوغ میاں ناجی اوغ
میاں حاتم پھغ سب سے بہتغ مغزا غفیع
السودا اوغ میغ تقی صاحب پھغ حضغت
خواجہ میغ دغد صاحب بغدا شاہ مغقدہ
جو میغے بھی اُستاد تھے۔ وہ غوگ تو سب
مغگئے اوغ ان کی قدغ کغنے واغے بھی جاں
بحق تسغیم ہوے اب غکھنؤ کے جیسے چھوکغے
ہیں ویسے ہی شائغ ہیں اور دغی میں
بھی ایساہی کچھہ چغچا ہے تغم تا ثیغ
صحبت کا اثغ۔ سبحان اغاہ یہ کون میاں
جغئت ہیں بغے شائغ کوئی وئسے پوچھے تو
تمہاغا خانماں کس دن شعغ کہتا تھا اوغ
غضا بہادغ کا کونسا کغام ہے۔ اوغ میاں

مصحفی کہ مطلق شعوغ نہیں فکھتے الغ پوچھیے
کہ ضغب زید عمغاً کی ترکیب توذغا بیان
کغو تو اپنے شاگغدوں کو ہمغاہ فیکے فغلے آتے
ہیں - اوغ میاں حسغت کو دیکھو اپنا عغق
بادیان اوغ شغبت انافیین کو چھوغ کے
شاعغی میں آکے قدم فکھا ہے - اوغ میغ انشاء
افاہ خاں بچاغے میغ ماشاء اغا کے بیتے
آگے پغیزاد تھے ہم بھی گھوغنے کو جاتے تھے
اب چند فوز سے شاعغ بلکئے - مغزا مظہغ
جانجاناں صاحب کے فوز مغے کو نام فکھتے
ہیں - اوغ سب سے زیادہ ایک اور اوغ سنیے
کہ سعادت یاغ طہما سپ کا بیتا انوفی
فیغتے کا آپ کو جانتا ہے ، فنگیں تخغص ہے -
ایک قصّا کہا ہے - اس مثنوی کا دفہنیغ نام
فکھا ہے ذلدیرں کی بوفی اُس میں باندھی
ہے - میغ حسن پغ زھغ کھایا ہے ، ھغ چند
اس مغحوم کو بھی کچھہ شعوغ نہ تھا بدغ ملیغ
کی مثنوی نہیں کہی گویا سانڈے کا تیغ
بیچتے ہیں - بھغا اس کو شعغ کہوں کغ
کہیے سافے فوگ غکھلو کے اوغ دغی کے غلدی

سے فہکر مغد تک پغہنچتے ہیں —

چغی واں سے دامن اُٹھاتی ہوئی
کغے کو کغے سے بچاتی ہوئی

سو اس بچاغے غلکیں نے بھی اسی کے طوغ بغ قصہ کہا ہے کوئی پوچھے کہ بھائی تیغا باپ غساغ داغ مسغم ' غکین بیچا قا بغچھی بھاغے کا غکھنے و اقا ' تیغے کا چغانے واغا تھا تو ایسا کہاں سے قابغ ہوا - اوغ کغھائی ہن جو بہت مزاج میں فلدی بازی سے آگیا ہے تو ڈیختے کے تئیں چھوغ کغ ایک ڈیختی ایجاد کی ہے اس واسطے کہ بھغے آدمیوں کی بہو بیٹیاں پغھکغ مشقاق ہوں اوغ اُن کے ساتھہ اپنا منہ کا فا کغے بھغا یہ کغام کہا ہے کہ :—

یہاں سے ہے کے پیسے دوغی کہا غو

اوغ نچوغی انگیا اوغ نکوغی انگیا اوغ مغوغی انگیا - اوغ مغد ہو کے یوں کہئے :—

کہیں ایسا نہ ہو کمبخت میں مافی جاوں

اوغ ایک کتاب بنائی ہے اس میں فلدیوں کی بوغی فکھی ہے - اوپغ وافیاں چیغیں ' اوپغ

وافا چاند ' اجغی دھوبن ' اندغ وافا دغ ' اوغ سہ گانہ دو گانہ یگانہ زناخی افایچی دوست - اوغ مہغے میں جانے کا کونسا غطف ھے ' کس واسطے کہ غکھلؤ کے گانے وافے بھی غونڈے یا غنڈیاں ھیں - اگغ غونڈے کو دیکھو تو دو پٹے بھغوے سوفے کے بنائے ھوے یاد ھیں - سندہ یا جلنگغا یا کافی کے سوا بھنک کان میں نہیں پغی - عجب طغح کے بوغ کہ فہم میں نہیں آتے - گذا غادم کسی طغح ھو جاندا یا غ سمھاغ پیغ دھغنا وغیغی صحغا مجنوں دا - اوغ کپغے بھی دیکھو تو نئی طغح کے ' سغ میں بیغیاں رکھے ھوے اوغ چوغی بھی انگغکھے کی چو تغوں کے اوپغ ' اوغ زاغ کے پائنچے بھی دھیغے ' اوغ جوتا بھی بغچو دانی داغ ' غا حوغ وغا قوت افا بغاہ - اوغ غنڈیاں بھی توتھے کے سوا گانے سے غبط نہیں غکھتیں ھیں - چیغے واغا یاغ میغادے مہی بوافا یاغ میغادے ناجاوے مصغم نا جا کبھی توسادغی ماں کغادے اوغ جافی کی کُغتی اوغ کاچ کی

إنگیا اوغ دوپٹہ بھی گاچ کا اوغ پیغو بھی
کھفا ھوا اوغ پائنجامہ بھی بے تغیئے دھیغے
یا نیچے اوغ ازاغ بند کا دوغ بھتی بلا اوغ
ناچنے میں مطغق نہ بتانا نہ سین نہ بین
اوغ نہ گاتے گاتے سامنے آکے دامن پساغ کے
بیٹھنا ایسی پھوھغ بے سغیقہ سب کی سب
کہ دوکوغی کے بیغ ان کے ھاتھہ سے کھانے
کو جی نہیں چاھتا - اوغ جب مزے میں
آویں گی تب تھمغی گاویں گی اوغ تھمغی
بھی ایسی بغی کہ نعوذ بغاہ بھغا اس کے
کیا معنے - میغی گغی پو پھیغ یا ھو ھتھیا
چغھہ کے ایغو پیا موغا غوک جانیں سغداغ
آیو ھو- اوغ اس پھوھغ پنے پغ آپ کو گغم
بھی جانتی ھیں اوغ ھغ ایک بغے آدمی سے
تھٹھا کغنے کو مستعد ھوجاتی ھیں اوغ پھبتی
بھی کھتی ھیں مجھہ کو ایک غنڈی دیکھہ
کے کھنے غگی غاغاجی تم کھاں سے تشغیف
غاے ھو- میں نے کھا جھوٹی کی ماں کی
...... سے' کھنے غگی تم تغعی گغ ھو' میں
نے کھا کہ تم بھی اپنی دیغ کو دغست

کغوافو، قیں قیں قیں قیں قیں قیں۔ اوغ
ایک زمانہ وہ تھا کہ بی کھمبا بائی اوغ
بی چملی بائی تھیں، گغ اناغ جوغا ھے تو
سبز انگیا، اوغ سبز جو عاھے تو کغ اناغ
انگیا، اوغ تانگوں میں بھی تنگ ازاغ
کمخاب کی ایسی کہ چاغ گھغے میں کھینچو
تو کھلتچے، اوغ نیچے ھٹے۔ اوغ ناک میں
نتھہ، اوغ کغتی گغے میں، پغ تکما خوبصوغت
سایا قوت کایا ھیغے کا یا زمغد کا اوغ بھاغ
دے غھا ھے۔ اوغ اس حسن و جماغ پغ ما‌ٔفے
شغم کے سغ اُتھا کے ندیکھنا اوغ بوغنا بھی
تو معقوغی بوغنا، اوغ مندغ طذبوفے بغیغ
کبھی نہ گانا اوغ غوندے بھی ایسے کتھک
کے، کہ جن کو دیکھہ کے پغی بھی بھچک
غھجاے۔ ساغے سغ میں باغ کسی کے گغے میں
فاختائی جوغا اوغ کسی کے گغے میں
طوطکی اوغ کسی کے گغے میں غاغ۔ قطب
صاحب کی امغیوں تغے چھاؤں تغے دس باغ
نے جھاں بیٹھہ کغ اُس کو بغایا اوغ ناچ
شغوغ ھوا تھاں ھغ ایک طغفف ناچتے ناچتے

سہن بنا کے غو بغو آکغ بیٹھہ گیا - ھغ ایک
نے پیسے ڈب میں سے نکاغ کغ دینے شغوع
کیے - مثغاً چاغ فغوس جو تم نے دیے تو
پانچ فغوس میں نے بھی دیے- اسی طغح سے
ایک پھیغے میں باغہ ٹکے بغکہ پندغہ ٹکے
کماعیے اوغ بیٹھے بیٹھے اُسی عاغم کے بیچ
دو ٹکے تملے ڈب سے نکاغے تو تین ٹکے میں نے بھی
نکاغے، اوغ کسی یاغ نے چھہ پیسے کسی یاغ نے
تین پیسے آتھہ نو ٹکے کی تغشکغی، دمغی ٹکے کی
پاو سیغ کے حساب سے غیکے آدھی اُس غوندے
کو حواغے کی اوغ آدھی میں ٹکغا ٹکغا سب
یاروں نے کھایا اوغ کسی آب غواں کے کناغے
دغخت کی ڈاغی میں جھوغا جو پغا ھوا ھے
تو وھاں دو چاغ پغیزاد کھغے ھیں ایک
طغف کوئی صاحب کماغ غزغ ایسی ھی کھغا
پغھتا ھے کہ جس کے ھغ ایک مصغے سے مغغغت
پغی ٹپکتی ھے ایک غزغ کے دو شعغ تو بندے
کو بھی یاد ھیں :—

پغدے کو اُغت کغ مکھغے سے جب یاغ نے جغواد کھغایا
تب چھپ کے بشکغ انسانی نام اپنا متصد غکھوایا

دغیغ ہے وصف اُس گیسو کا ابغو کو ھغاغ نہ کیونکہ کہوں
مازاغ کا سغما عغش پہ جا آنکھوں میں زوغ ہے کھغوایا
اوغ کوئی بندہ خدا کا یہ سہ حغفی پغہ غہا ہے

نظم

الغف، الاہ کو تو واحد جان ب، بدی کا تو نہ فادغ میں دھیان
ت، توئی اوغ منی سے تو گذغ ث، ثبات قدمی اغغیں جان
ج، جی دزستی پہ کغ دغ سے نثار ح، حیا کو سمجھ جیوں ایمان
خ، خغدیغ نہ ھوا اتنا نازان داغ، داداغ کو بھی تک پہچان
ذاغ، ذلت ہے بغی خواھش میں غے، غب اپنے کو نہ بھول اب اک آن
ز، زمانے میں غہ جوں شیغ و شکغ سین، سب زغی ھیں خوغ شید کی شان
شین، شکغ اپنے خدا کا کیجیے صاد، صوفت کو نہ پوچ اے نادان
ضاد، ضد حشم و جاہ ہے قتغ طوے، طافب ھے خدا کا انسان
ظوے، ظاغم کو نہ کہیے اچھا عین، عاغم ھے خدا کی برھان
غین، غنچے کی طغح تنگ نہ غہ ف، فدا یاغ پہ کیجیے سو جان
قاف، قدغت سے خدا کی معموغ کاف، کفغ سے مشکغ آسان
غام، غازم ھے عبادت حق کی میم، مغنا ھے مغی جان ندان
نون، نادان سے نہ کیجیے یاغی وا، واجب ھے سبھوں پغ احسان
ھے، ھدایت کی کغو جستجو ی، یقین تیرا ھے غھیغ مغی جان

[میر غفر غینی کی گفتگو صاف زبان میں یوں ہوگی -
"اجی بی نورن! یہ کیا بات فرماتی ہو، تم تو اپنے
جھوڑے کی چین ہو، پر کیا کہیں، جب سے دلی چھوڑی
ہے کچھ جی افسردہ ہوگیا ہے، اور شعر پڑھنے کو جو

کہو تو اس میں بھی کچھہ لطف نہیں رہا - مجھہ سے
سنیے ریختے میں اُستاد میاں 'ولی' ہوے' ان پر توجہ
شاہ گلشن صاحب کی تھی - پھر میاں آبرو اور میاں ناجی
اور میاں حاتم - پھر سب سے بہتر مرزا رفیع السودا اور
میر تقی صاحب پھر حضرت میر درد صاحب برد اللہ مرقدہ
جو میرے بھی اُستاد تھے وہ لوگ تو سب مرگئے اور ان کی
قدر دانی کرنے والے بھی جان بحق تسلیم ہوے اب
لکھنؤ کے جیسے چھوکرے ویسے ہی شاعر ہیں' اور دلی
میں بھی ایسا ہی کچھہ چرچا ہے' تخم تاثیر صحبت اثر-
سبحان اللہ' یہ کون میاں جرأت' بڑے شاعر پوچھو
تو تمہارا خانماں [آزاد نے اسے 'راے ماں' لکھا ہے *]
کس دن شعر کہتا تھا اور رضا بہادر کا کون سا کلام ہے -
اور وہ دوسرے میاں مصحفی' کہ مطلق شعور نہیں رکھتے'
اگر پوچھیے کہ 'ضرب زیدٌ' عمراً' کی ترکیب تو ذرا بیان
کرو' تو اپنے شاگردوں کو ہمراہ لیکر لڑنے آتے ہیں - اور
میاں حسرت کو دیکھو' اپنا عرق بادیان اور شربت
انارین چھوڑ کے شاعری میں آگے قدم رکھا ہے' اور
میر انشاءاللہ خاں' ہمارے میر ماشاءاللہ خاں کے
بیٹے' آگے پری زاد تھے' ہم بھی گھورنے جاتے تھے' اب

* عبدالحق -

چند روز سے شاعر بن گئے - مرزا مظہر جان جاناں کے روز مرے کو نام رکھتے ھیں - اور سب سے زیادہ ایک اور سنیے کہ سعادت یار طہماسپ کا بیٹا ' انوری ریختے کا آپ کو جانتا ھے - رنگین تخلص ھے - ایک قصہ کہا ھے ' اُس مثنوی کا دل پذیر نام رکھا ھے ' رنڈیوں کی بولی اس میں باندھی ھے ' میر حسن پر زھر کھایا ھے - ھر چند اس مرحوم کو بھی کچھہ شعور نہ تھا ' بدر منیر کی مثنوی نہیں کہی ' سانڈے کا تیل بیچتے ھیں - بھلا اس کو شعر کیونکر کہیے ' سارے لوگ لکھنؤ کے اور دلی کے رنڈی سے لیکر مرد تک اسے پڑھتے ھیں - بیت

چلی وھاں سے دامن اُٹھاتی ھوئی کڑے کو کڑے سے بجاتی ھوئی

سو اس بچارے رنگین نے بھی اسی طور پر قصہ کہا ھے ' کوئی پوچھے کہ بھائی ' تیرا باپ رسالدار مسلم ' لیکن بچارا برچھی بھالے کا چلانے والا تھا - تو ایسا قابل کہاں سے ھوا - اور کراھی پن [یا کلاھی پن ' معلوم نہیں یہ کیا لفظ ھے ' لیکن آزاد نے شہد پن کا لفظ لکھہ دیا ھے اور اس لفظ کو صاف اُڑا گئے ھیں]* جو بہت مزاج میں رنڈی بازی سے آگیا ھے ' تو ریختے کے تئیں چھوڑ کر ایک ریختی ایجاد کی ھے - اسواسطے کہ بھلے آدمیوں کی

* عبد الحق -

بیٹھاں پڑھکر مشتاق ہوں اور ان کے ساتھہ اپنا منه کالا کرے' بھلا یه کلام کیا ہے - (ع)

یہاں سے ہے کے پیسے تولی کھارو

اور نچولی انگیا اور نگوڑی انگیا اور مروڑی انگیا- اور مرد ہو کے یوں کہے ع :- کہیں ایسا نہو کمبخت میں ماری جاؤں-اور ایک کتاب بنائی ہے' اُس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے - اوپر والیاں' چیلیں - او بر والا' چاند - اُجلی' دھوبن - اندروالا' دل - اور سه کانا' دو کانا' یکانا' زناخی' الایچی (بمعنی) دوست - اور میلے میں جانے کا کون لطف ہے - کس واسطے که لکھنؤ کے گانے والے بھی لونڈے یا رنڈیاں ہیں- اگر لونڈے کو دیکھو تو دوپٹے بھروے شولے کے بنائے ہوے یاد ہیں سندھ یا جنگلا یا کافی کے سوا بھنک کاں میں نہیں پڑی - عجب طرح کے بول که فہم میں نہیں آتے —

گدالا دم دادے کسی- طرح ہوجاندا یار سمہال
پیر دھرونا و لیلی مجنوں دا

اور کپڑے بھی دیکھو تو نئی طرح کے' سر میں ببریاں رکھے ہوے' اور چولی انگرکھے کی چوتڑوں کے اوپر اور ازار کے پائنچے بھی ڈھیلے اور جوتا بھی برچود انی دار- لاحول ولا قوة الا بالله- اور رنڈیاں بھی ٹھپے کے سوا گانے سے

ربط ھی نہیں رکھتی ھیں - چھڑے والا یار میلاوے مہیے والا یار میلاوے نا جاوے محرم نا جا کبھی توساقلی ماں گڑاوے - اور جالی کی کرتی اور کاچ کی انگیا اور دوپٹا بھی کاچ کا اور پیڑو بھی کھلا ھوا اور پائنجامہ بھی بے ڈریئے ڈھیلے پا ئنچے اور ازار بند کا ڈول بھی ایسا کہ بھکتی بلا ' اور ناچنے میں مطلق نہ بتانا نہ سہن نہ بھن 'اور نہ گاتے گاتے سامنے آکے دامن پسار کے بیٹھنا - ایسی پھوھڑ بے سلیقہ سب کی سب کہ دو کوڑی کے بیر ان کے ھاتھہ سے کھانے کو جی نہیں چاھتا - اور جب مزے میں آویںگی تب ٹھمری گاویںگی ' اور ٹھمری بھی ایسی بری کہ نعوذ باللہ اس کے کہا معنے ' مہری گلی پوپھریا ھو ھتھیا چڑہ کے آیو پیا مورا لوگ جانیں سردار آیو - اور اس پھوھڑ پے پر آپ کو گرم بھی جانتی ھیں ' اور ھر ایک بھلے آدمی سے ٹھٹھا کرنے کو مستعد ھو جاتی ھیں ' اور پھبتی بھی کہتی ھیں —

مجھہ کو ایک رنڈی دیکھہ کے کہنے لگی : " لالا جی ' تم کہاں سے تشریف لاے - میں نے کہا کہ جھوٹے کی ماں کی ...... سے " کہنے لگی " تم قلعی گر ھو " میں نے کہا کہ " تم بھی اپنی دیگ درست کروا لو " - ڈیں ڈیں ڈیں ڈیں ڈیں ڈیں !! - اور ایک زمانہ وہ تھا نہ بی کھمبا بائی اور بی چمنی بائی تھیں - گل انار جوڑا ھے تو سبز انگیا

اور سبز جوڑا ہے تو گلِ انار انگیا ، اور ٹانگوں میں تنگ
ازار کمخاب کی ایسی کہ چار گھنٹے میں کھینچو تو کھنچے
اور نچے ہٹے - اور ناک میں نتھہ اور کرتی گلے میں تکمہ
خوبصورت سا یاقوت کا یا ھیرے کا یا زمرد کا اور [ھی]
بہار دے رہا ہے ، اور اس حسن و جمال پر مارے شرم
کے سر اُتھا کے نہ دیکھنا اور بولنا بھی تو معقولی بولنا
اور مندل طنبورے بغیر کبھی نہ گانا ، اور لونڈے بھی
ایسے کتھک کے کہ جن کو دیکھکے پری بھی بھچک رہ جائے -
سارے سر میں بال ، کسی کے گلے میں فاختائی جوڑا
کسی کے گلے میں طوطکی ، اور کسی کے گلے میں لال ،
قطب صاحب کی اِملیوں کی چھانوں تلے جہاں دس
بیٹھہ کر اُسکو بلایا اور ناچ شروع ہوا ، تہاں ہر ایک
طرف ناچتے ناچتے سدن بنا کے روبرو آکر بیٹھہ گیا ،
ہر ایک نے ڈب میں سے پیسے نکال کر دینے شروع کیے
مثلاً چار فلوس جو تم نے دیے تو پانچ فلوس میں نے بھی
دیے ، اسی طرح سے ایک پھیرے بارہ ٹکے بلکہ پندرہ
ٹکے کما لیے اور بیٹھے بیٹھے اُسی عالم کے بیچ دو ٹکے
تمنے ڈب میں سے نکالے تو تین ٹکے میں نے بھی نکالے اور
کسی یار نے چھہ پیسے ، کسی یار نے تین پیسے ، آٹھہ نو ٹکے
کی تلشکری دمڑی ٹکے کی پاؤ سیر کے حساب لیکے ،

آدھی اُس لونڈے کو حوالے کی اور آدھی میں ٹکڑا ٹکڑا سب یاروں نے کھایا - اور کسی آب رواں کے کنارے درخت کی ڈالی میں جھولا جو پڑا ہوا ہے تو وہاں بھی دو چار پریزاد کھڑے ہیں ' ایک طرف کوئی صاحب کمال غزل ایسی ہی کھڑا پڑھتا ہے کہ جسکے ہر ایک مصرعے سے مغفرت پڑی ٹپکتی ہے- ایک غزل کے دو شعر تو بندے کو بھی یاد ہیں†]-

تفضل حسین خاں علامہ کے شاگرد کی گفتگو

بادام سنگھ کے خدمت گار سے

" اس رئیس الاشقیا بادام سنگھ نے آپ کو کیا قرار دیا ہے کہ رؤس و غطارفہ کے ساتھہ دم تساوی مارتا ہے اور عواقب امور سے بے اندیشہ محض ہو کے طوالت تقاریر سے صماخ سامعین پریشان کرتا ہے ' زمانے کا حال علیٰ انتہاء شتیٰ ہے یہ بات کچھہ عقل سلیم اور ذہن مستقیم کے نزدیک استحسان نہیں رکھتی ' غایتہ مافی الباب یہ کہ سفہاء دہاقین کے اذہان قاصرہ میں مرتسم ہو کہ یہ شخص اکفا و اماثل میں بڑا طلیق ' ذلیق اور لوذعی المعی لا یکل لسانہ ذی الکلام ہے ' لو فرض و سلم کہ کوئی

† صفحات ۹۳ ' ۹۴ پر اصل گفتگو کے سلسلے میں درج ہیں-

اس کے مزخرفات پر فرط اخلاق سے راد نہ
ہو تو پھر بھی اس کی مساوات ان اشخاص
منیع القدر کے ساتھ مامونی کے زاویتیں
کے طرح ساقین کی تساوی کے سبب ثابت
نہ ہو سکے گی "۔

علامہ تفضل حسین داں کے شاگرد کے کلام کی شرح

رئیس الاشقیا ' بد بختوں کا سردار - رؤس و فطارفہ ' دونوں کے معنی سرداروں - عواقب امور ' انجام کار ' نتیجے - طوالت تقاریر ' تقریروں کی درازی ' طول کلام - صماخ سامعین ' سننے والوں کے کان کا پردہ - انحاء شتی ' بہت قسمیں ' طرح طرح کا - غایۃ مافی الباب ' مقصود کا منتہا ' مرکوز خاطر - سفہائے دھاقین ' کمینے گنواری وضع کے - اذہان قاصرہ ' کند یا چھوتے ذہن - مرتسم ' منقوش - اکفا و اماثل ' ہم چشم ' ہم سر - طلیق و ذلیق ' تیز زبان اور خوش کلام - لو فرض و سلم ' اگر فرض کیا جائے اور تسلیم کیا جائے - لوذعی الھعی ' تیز رائے - لایکل اساذہ فی الکلام ' گفتگو میں اس کی زبان نہیں رکتی - مزخرفات ' بیہودہ باتیں ' یاوہ گوئی - ' راد ' رد کرنے والا - منیع القدر ' بلند مرتبہ والا - مامونی ' اقلیدس کی ایک شکل جس میں مثلث متساوی الساقین کے ضلعوں کو

برابر ثابت کیا جاتا ہے ' یعنی اس سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ بادام سنگھ یقیناً عالی شان سوداوں کے ہم پلہ ہے —

خان صاحب کے شاگرد سے بادام سنگھ
کے خدمتگار کی تقریر

" ہمبے صاحب ! اِیحیں اِیحیں خیحیں
خیحیں قیحیں قیحیں کُھونہہ کھوأو
کھوأو کلنچبیں کا ہے دیت ہو ' بادنا بو اورئی
حتو جو آیو حتوبو جانت کہا حتو کہ آپ کو حتو
ہیں کُنور جو تُہاری اورئی بات ہے تہا کر
بادام سنگھ آپ کو اپنو کتا جانت ہیں تہاری
کہا کہیے ' عربی پارسی جانت ہو ' مہاراج
تم سو بڈیا ندھان کو ڈھونا ہیں اور جو آپ
نے کہی سو ہم جانی حوں تو آعو کو حتوہوں
پورعاں اور سہجنے کو عچار مانگت ہو " —

اس کی شرح یہ ہے ' ہوبے صاحب ' ہاں صاحب - صاحب ' اور ' کلنچبیں ' کے درمیان جو الفاظ ہیں وہ فلسفے کے مختلف مراتب کی نمایندگی کرتے ہیں چنانچہ :— ' اِیحیں ' (دونوں یائے مجہول) ' یہ برج والوں کی ہنسی کی آواز ہے ' حاء حطی اگرچہ برج کی زبان کا حرف نہیں

لیکن، ھنسی کے وقت اُن کے گلے سے اسی کی آواز نکلتی ھے، جب ھنسی ترقی کرتی ھے تو 'اِیھیں' جو تھا 'خیھیں' ھو جاتا ھے اور اس سے بھی آگے بڑھکر 'قیھیں' بن جاتا ھے، ان تینوں کے اعراب بالکل ایک ھی ھیں۔ 'کھونھہ' (واؤ معروف، نون غنہ) ھنسی کے کم ھونے کی آواز ھے۔ اور 'کھواُو' ھنسی کے ختم ھونے کی آواز ھے۔ 'کنچبین' (نون غنہ، یاء مجہول) 'طعنے۔' کا ھے، 'کھوں؟ کس واسطے؟' ۔ 'دیت ھو' (یاء مجہول) 'دیتے ھو۔' 'بادنا' (وادن' واؤ اورب کا بدل ھے)' اُس دن۔' 'بو' (واؤ مجہول) 'وہ۔' اورئی' اور ھی' دوسرا۔ 'حتو' (واؤ مجہول) تھا۔ 'جوآیو' (واؤ مجہول)' جو آیا۔ 'جانت تہا حتو' جانتا کیا تھا کہ۔ 'آپ کو حتو ھیں' کو بمعنی کہ 'استفہاماً۔ 'کنور' ایک مشہور خطاب جیسے نواب' خان۔ 'نہاری' تمہاری۔ اورئی اور ھی۔ اپنو' اپنا۔ 'ککا' (کاکا) چچا' بزرگ۔ 'جانت ھیں' جانتے ھیں۔ عربیّ (تشدید کے ساتھہ)' برج کے گنواروں کا لہجہ۔ 'تم سو' تم سا' تم جیسا۔ 'بڈّ یا ندھان' فاضل۔ 'کومو' (کوؤ) کوئی' کوئی بھی۔ 'نانہیں' نہیں۔ کہی' کہا۔ 'ھم جانی' میں نے جانا۔ 'ھوں تو آھو کو حتو ھوں' میں خود آؤ (آؤ نام ھے ایک گانو کا)

کا رہنے والا ہوں، آعومیں عین کی آواز ھنسی کے جوش سے پیدا ہوئی ورنہ عین حاء حطی کی طرح ہندی میں نہیں ہے - 'پورعاں ، پوریاں - ' سہجنا ، ایک درخت کا نام - ' عچار ، اچار - ' مانگت ھو ' مانگتے ھو —

دھلی اور لکھنؤ کا موازنہ

کہاں تک سچ بات کو چھپاتا ' میں سچ کہے بغیر نہیں رہ سکتا - جس کسی کو دعویٰ ھو کہ دھلی کی زبان اور پوشاک لکھنؤ کی زبان اور پوشاک سے بہتر ہے تو آئے مقابلے میں - اور اگر یہ دعویٰ دلیل کے بغیر ہے تو اس کا کلام سید بزرگ دھری مذھب والے کا سا ہے جس کو ایک ملّا سے سابقہ پڑا تھا - جب اس کے غصے کی حالت دیکھکر ایک دوست نے پوچھا کہ میر صاحب یہ کس پر قیامت توڑی جارھی ہے تو فرمایا کہ :—

" قبلہ خیر است ' ایں مرد کہ صاحب نماز و روزہ رابہ بینید کہ چہ قدر حوصلہ پیدا کردہ است کہ با ما مردم کہ از ابتدائے عمر الیٰ یومنا ھذا خدائے ایں قوم را سجدہ نکردہ ایم مباحثہ می کند ' و دیگر ایں کہ ھر کس بہ زعم خود پسندیدۂ خود را بہ از پسندیدۂ دیگرے می داند و از راہ نادانی بہ عیب خود را نمی رسد ' مثل قاصد اجورہ

دار باشندۂ دیہے از کدام قصبۂ پورب کہ کتابت دوستے برائے شخصے با سوغاتے بردہ بود، بہ حسب اتفاق آن بزرگ از دوسہ روز بخار خفیفے ہم داشت، بہ وقت رسیدن قاصد در مسجد اذاں گفت و نماز را گزارد، مرد کہ ایں حال رادیدہ، گریخت و نزد صاحب کتابت آمدہ ظاہر نمود کہ :-

گنوار اجورہ دار کی گفتگو

" پُن ویتو صاحب بڈائے کے بِحال ہیں کہن اُتھت کہن بیٹھت کہن دوؤ کنوں ماں انگری دیکے بدری تن چٹوت برداس بھبھیات کو کرنا نہیں چچیات ہیں، کہن پٹوا مسوس دوؤ ہتھوں پہ بل دیکے للات بھویں ہے ٹیک چوترا اتھائے نکیا رگرت ہیں، انکاں تو اھر تھر لاگ ہے، جو پیے ودار بدی ہوئے تو دیکھہ آؤ ہوسو کات شُسری انہیں پٹک میں تو بھاگ تھار بھا " -

اب اس کی شرح سننی چاہئے ' پُن ' پورب میں اجی کی جگہہ بولتے ہیں - ' ویتو ' (= وے تو) ' وہ تو - ' بڈائے کے ' بہت ہی - ' بِحال ' بے حال ' برے حال '

بیمار - کہن (کہہ مفتوح)، کبھی - 'اُتھت' اُتھتے ھیں - 'بیٹھت' بیٹھتے ھیں - دوؤ کنون ماں' دونوں کانوں میں - انگری (الف مفتوح نون غنہ ساکن الف سے مخلوط التلفظ) ' اُنگلی - 'دیکے' (دال اور کاف مفتوح) ' دیکر - 'بدری تن چتوت' ('ر' مفتوح '،' ت' مفتوح) ' بادل کی طرف دیکھکر - 'برداس بھبھیات' پہلا الف تلفظ میں غایب بھی ہوجاتا ھے) بیل کی سی آواز نکالتا ھے - گُوکرفا نہیں چیچیات ھیں' کتے کی طرح شور کرتے ھیں - پِتّوا مسوس' پیٹ مل کر - 'دوؤ ھتھوں پہ بل دے کے' دونوں ھاتھوں پر زور ڈال کر - 'للات بھوئیں ھے ٹیک' زمین پر پیشانی ٹکا کر - 'نکیا رگرت ھیں' زمین پر ناک رگڑتے ھیں - اُنکاں تو آھر تھر لاگ ھے' اُن پر نزع کی حالت طاری ھے - 'جوپی ودار بدی ھوے تو دیکھہ آؤ ھو' اگر دیکھنے کا شوق ھے تو دیکھہ آؤ - سو کات سُسری اوھیں پتک میں تو بھاگ تھار بھا' کمبخت سوغات کو زمین پر پتک کر میں تو بھاگا —

اگر ایسی سامعہ خراش گفتگوئیں جو روح فرسا ھیں فصحا کے کلام کے برابر ھیں تو ھوسکتا ھے کہ دھلی کے باشندوں کی زبان اور پوشاک لکھنؤ والوں کی پوشاک اور زبان کے برابر ھو - اور جب کہ یہ واقعہ

بھی ثابت ھوجاے تو ممکن ھے کہ نواب عمادالملک کی فصاحت جناب عالی [نواب سعادت علی خاں والیء اودہ] کی فصاحت کے ھم پلہ اترے - چونکہ قاصد مذکور کی گفتگو کو نواب عمادالملک کی گفتگو کے برابر کہنا غلط ھے اور اسی طرح شاہ جہان آبادیوں اور لکھنؤ کے اُردو دانوں کی مساوات غلط ھے پس اسی طرح خوش بیانی میں نواب موصوف کی برابری حضرت پیرو مرشد سے بدیہی طور پر غلط ھے - جس کو اس قول میں خوشامد کا شبہ ھو وہ حضور عالی کی خدمت میں خصوصاً 'ھولی' کے دنوں میں حاضر ھو تاکہ دیکھ لے کہ راجہ اِندر پریوں کے جھرمٹ میں زیادہ زیب دیتا ھے یا ولی نعمت حور فزادوں کے مجمع میں یا موتی نیساں سے برستے ھیں یا جناب ممدوح کی زبان مبارک سے -

دھلی کے متعلق مصنف کے پہلے اور پچھلے قول کی توجیہ

میں نے جو پہلے شاہ جہان آباد کی توصیف کی اور یہاں اس کی مذمت کر رھا ھوں یہ بہت باریک بات ھے جس کے سمجھنے میں نازک خیال آدمی بھی ٹھوکر کھاتا ھے اور نہیں جانتا کہ پھولوں کا یہ سب رنگ و بو شاہ جہان آباد ھی کی پر بہار فضا کا ھے 'اور اس ترجیح سے لکھنؤ کی سر زمین اور آب و ھوا کو دھلی کی سر زمین اور

آب و ہوا پر فوقیت دینا مقصود نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے ایک تنبیہ ہے جو حماقت سے فصاحت اور بلاغت پر شاہ جہاں آباد میں تولد ہونے کی قید لگاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اُن کی زبان اردو جو فصاحت و بلاغت کی کان مشہور ہے وہ ہندوستان کے بادشاہ کی (جس کے سر پر فصاحت کا تاج زیب دیتا ہے) اور چند امیروں اور ان کے مصاحبوں اور چند مخدرات مثل بیگم و خانم کی اور کسبیوں کی زبان ہے - جو لفظ اُن میں استعمال ہوا، اردو ہوگیا - یہ بات نہیں ہے کہ جو کوئی بھی شاہ جہان آباد میں رہتا ہے وہ جو کچھ بولے سند ہے * -

* انجمن ترقیء اُردو کے فاضل ناظم معتّبی مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے فارسی اڈیشن کے مقدمے میں کھول کر لکھدیا ہے کہ سید انشا کو دہلی اور لکھنؤ کی زبان کے موازنہ میں کن دقتوں کا سامنا تھا - تھے وہ دہلی کے اور دہلی کی فصاحت کے قایل اور رہتے تھے لکھنو میں اور شاہ اودہ کی ملازمت میں - لیکن انشا آخر انشا تھے مقابلہ میں جو نمونے انھوں نے پیش کئے اس میں گھڑی چال چل گئے، پھلا بھاڑا مل جیسے لوگوں کو اردو سے واسطہ - اور پیدائشی مقام وغیرہ کی نسبت جو ان کا قول ہے وہ ہر زمان اور ہر ملک پر عاید ہے - رہے مغل پورہ والے، ان کو انھوں نے سرے سے دہلوی مانا ہی نہیں - سید کی مصلحت اندیشی اور نکتہ سنجی کی داد دیجئے - (مترجم)

مغل پورہ اور بارھہ، پھر

اگر ایسا ہو تو پھر مغل پورہ والوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کی زبان کو معیوب اور اردو کے خلاف قرار دیا جاتا ہے، یا سادات بارھہ کی اولاد جو دارالخلافت میں رہتی ہے، ان کی زبان کیوں نہ سند مانی جائے۔ یہ معما آسانی سے حل ہو سکتا ہے، یعنی اہل مغل پورہ اور سادات بارھہ دھلی میں پیدا ہونے کے باوجود اردو کے اہل زبان نہیں، اس کی وجہ یہ کہ وہ اپنے ماں باپ اور دوسرے بزرگوں سے وطن شریف اور وہاں کے باشندوں کے اوصاف سنتے رہے ہیں یعنی شجاعت، سخاوت، مسافر نوازی، آقا پرستی، پیرائی، ہر بزرگ سے الجھ پڑنا اور اس کے سامنے اکھڑ پن اور گستاخی سے بات کرنا، اپنی شجاعت کے غرور سے کسی کی بات نہ سننا، زبان کی صحت پر متوجہ نہ ہونا، معترض کو تلوار دکھانا، اور شہر کے اوباشوں کی وضع کو جن کے لباس میں گوٹہ کناری ہو برا سمجھنا، پگڑی کی بندھش اور بول چال میں اسلاف کی پیروی کرنا اور پائے تخت کے خوش پوشوں کی تقلید کو شرافت کے طرز کا منافی سمجھنا۔ ایسی باتیں بچپن سے ان کے کانوں میں پڑتی رہتی ہیں، اور وہ ہر چیز میں اپنے باپ دادا کا چربہ بننا چاہتے ہیں۔

اور ایسے آدمی سے بہت خوش ہوتے ہیں جو کہے کہ فلاں شخص شاہ جہاں آبادیوں کی صحبت سے اپنے بزرگوں کی زبان، چال ڈھال اور پگڑی کی وضع کو بھول گیا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس شہر کا ایک لفظ بھی آپ کی زبان پر نہیں چڑھا - اور امرا کی مصاحبت اور ان کی سرکاروں کی ملازمت کو بڑا عیب جان کر رهتک، گوهانہ، بڈھانہ، اندری، کڑهام، انبالہ، هانسی، حصار، هوڈل اور پلول وغیرہ کی فوجداری پر گرتے ہیں - اور وهاں پہنچ کر اهل مغل پورہ کو بھور لیتے، جن کے بزرگ لاهور، پشاور، کابل، غزنی، بلخ، بخارا، اور سمرقند سے نکل کر آے ہیں اور جو خود پشاوری ٹوپی سر پر ٹیڑھی رکھہ کر اس طرح کہ ایک آنکھہ اس سے ڈھک جاے باهر پھرتے ہیں اور بھائی کو بھائی صاحب یا بھیا یا بھائی جان کہنا عیب جان کر 'آکا' هی کہتے ہیں -

اور حضرات بارهہ شاہ جہاں آباد کے لوگوں کو بیوفا، بزدل جان کر میراں پور، موانہ، کٹھورہ، جانستھہ، ککرولی اور بدولی کے آدمیوں کو پرگنہ میں آباد کرتے ہیں اور خمیری روٹی کا جر پڑے ہوے باسی گوشت سے مزے لے لے کر کھاتے ہیں - اور دو سو حصے کے قریب برادری میں بانٹتے ہیں -

ہر حصہ میں یہ چیزیں ہوتی ہیں :- ایک پیالہ ماش کی چھلکوں والی دال کا بھرا ہو' دال ایسی کہ ایک ہندوستانی من میں آدہ سیر گھی پڑا ہوا' اسی کیفیت کا لحم البقر' آدہ سیر وزن کی دو خمیری روٹیاں- کھانے کے بعد ہاتھہ دھو کر دہلی کے امیروں کے عیب بکھانتے بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ " ہندوستان کے امیر آدہ سیر پلاؤ پر بیس روپیہ خرچ کرتے ہیں اور اکیلے خلوت میں بیگم' یا خانم یا معشوقہ کے ساتھہ زہر مار کرتے ہیں اور ایک دو لُقمے جو ان کے خوان نعمت سے باہر آتے ہیں وہ سفر دائی یا قرم ساق کا حق ہے- اسی سے تو ہندوستان خراب ہوا' ایسے کھاؤنے سے تو گُو کھاؤنا بہتر " —

مصنف کا محاکمہ

ہندوستان کی تباہی کے بارے میں سید صاحب نے * جو فرمایا سچ کے نزدیک ہے ' لیکن بے سلیقہ پن کو سلیقہ کہہ نہیں سکتے- قصہ مختصر جو کچھہ کہا گیا ہے ان کے خلاف ہے جو لوگ ایسی ہر چیز سے احتراز کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ماں باپ کے رویہ کے خلاف اور اہل سلیقہ کے مطابق پاتے ہیں مثلاً بول چال ' اور کھانا پہننا وغیرہ- اور اپنے ہی بوجھہ بجھکّو لوگوں کی پیروی کرتے ہیں-

* بارھھ کے سید سے مراد ہے - (مترجم) —

امیروں کے ٹھکانوں میں گھس پیٹھ کر خلوت و جلوت میں دمساز بن جاتے ہیں اور اہل سلیقہ ان کی جس بات پر ناک بھوں چڑھائیں اسے چھوڑ دیتے ہیں اور معترضوں کے شکر گزار ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ایسے لوگوں کو اہل زبان اور اردو کا مالک کہتے ہیں اور یہ اس زبان کے مالک ہیں اور دوسرے ان کے شاگرد۔ اس صورت میں جو کوئی خوش گفتاری میں ان کا پیرو ہو گیا خواہ اس کی پیدایش اتفاق سے دہلی میں ہوگئی ہو خواہ بندیل کھنڈ کے کسی پرگنہ میں یا پورب کے کسی قصبہ میں، لیکن شرافت اور اصالت کی شرط ہے یعنی اس کے ماں باپ دہلی کے ہوں، ایسے آدمی کو وہ فصیحوں میں داخل سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ انسانی طبیعت میں ایجاد کی قوت خدا کی دین ہے اس لئے امتیاز کا یہ درجہ نہیں ہے کہ سلیقہ میں متاخرین کو متقدمین سے زیادہ کہا جائے، جو چیز زمانۂ قدیم میں نکلی زمانۂ آیندہ کے شعور والے اس کی رونق بڑھاتے ہی ہیں، چنانچہ عمارت اور پوشاک وغیرہ میں اب پہلے زمانے سے ترقی ہے۔ اسی طرح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میر عماد اور آغا رشید کے خط کو میر علی کے خط پر ترجیح

نہیں - اور اس میں بھی شک نہیں کہ بعد میں آنے والے اسلاف کے احسان کے بوجھ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے- اس لئے کہ جو اول ہے وہ استاد اور موجد مانا ہی جائے گا اور جس کا نمبر اس کے بعد ہے وہ پیرو اور متقدمین کی ایجاد کی ہوئی چیزوں کو ترقی دینے والا کہا جائے گا - بحث کا ملخص یہ ہے کہ جس طرح نئے موجد کا کمال قدیم موجد کے کمال سے ثابت ہے اور نئی چیز کے مقابلے میں پرانی چیز پھٹے پرانے کپڑوں کی طرح رد ہوجاتی ہے - [اسی طرح] لکھنؤ کے معشوقوں کی زبان، پوشاک اور اداؤں کی فوقیت دہلی کے معشوقوں پر ظاہر اور صریح ہے - کس واسطے کہ اہل لکھنؤ نے کھانے ' پہننے اور دوسری باتوں کا سلیقہ اپنے والدین سے سیکھا ہے - پس ان چیزوں میں وہ ان کی مانند ہیں - اور جدت انہوں نے آواز کی نزاکت ' حسن تکلم - دلاویز ' اداؤں اور لباس کی وضع قطع میں کی ہے وہ اپنے بزرگوں کی معلومات کا نتیجہ ہے - مختصر یہ کہ اہل شاہجہان آباد سے زیادہ فصیح و بلیغ اور لطیف ہیں -

دہلی کی فوقیت کی تین دلیلیں

لیکن دہلی کی فوقیت پر تین دلیلیں موجود ہیں (۱) صاحبان لکھنؤ بھی تو کہتے ہیں کہ ہم شاہ جہان آبادیوں سے زیادہ سلیقہ مند

هیں - یہ تو نہیں کہتے کہ همارا سلیقہ اهل بنگالہ سے بڑھکر هے اور هم کلکتہ والوں سے زیادہ فصیح هیں - پس کوئی خوبی توشاهجہان آباد میں هے کہ دوسرے شہروں کے فصحا اپنے کلام اور وضع کو اُس شہر هی کی زبان اور وضع پر ترجیح دیتے هیں - (۲) لکھنؤ والوں کو جن کے بزرگ یہیں (دهلی) سے گئے تھے وهاں جو پوربی کہا جاتا هے ' اُن سے یہ کہنا هے کہ وہ لکھنؤ میں پیدایش کے باوجود اپنے کو دهلوی سمجھیں اور وهاں کے قدیم باشندوں کو پوربی - (۳) اگر ان سے کوئی دریافت کرتا هے کہ آپ خود هی لکھنؤ میں پیدا هوے هیں یا آپ کا وطن یہی هے تو وہ ناک بھوں چڑھا کر اس کی طرف گرم نظروں سے دیکھتے هیں اور فرماتے هیں ' خدا نہ کرے کہ یہ همارا وطن هو تمہیں هماری کس بات سے شبہ هوا کہ وطن کی نسبت دریافت کیا - آیا همارے لباس کو پورب کا لباس سمجھے یا هماری گفتگو کا انداز شاہ جہان آبادیوں کے خلاف جنچا - اگر محاورۂ اردو کے خلاف کوئی لفظ هماری زبان سے نکلا هو تو بے تکلف بتاو تاکہ آیندہ احتیاط رکھیں" - اس موقع پر اگر طرف ثانی یہ کہیے کہ آپ کا فلاں لفظ اردو کے محاورہ کے خلاف هے تو جواب دیتے هیں کہ فلاں مهر صاحب جو

شاہ جہان آباد میں شاہ بولا کے بڑ کے نزدیک رهتے تھے یہ لفظ گفتگو میں اکثر استعمال کیا کرتے تھے - یہ نہیں جواب دیتے کہ فلاں مغل جو نیہرہ یا منصور نگر میں رهتا هے وہ لفظ استعمال کرتا تھا - ان حالات سے یہ یقین ثبوت کو پہنچتا هے کہ هر شہر کے فصیح آدمی اپنے کلام کی سند دهلی کے فصحا سے لیتے هیں —

اور دهلی پر لکھنؤ کی ترجیح ' زبان اور سلیقہ کے بارے میں ویسی هی هے جیسی محلہ ' قراهھہ ' ' بیرم خاں ' کو ' کٹرہ فیل ' پر ' کہ دونوں شاہ جہاں آباد میں واقع هیں- کہہ سکتے هیں کہ شاہ جہان آباد میں کوچۂ گھاسی رام کے رهنے والوں کی زبان سے بنگلہ سید فیروز والوں کی زبان بہتر هے - یا یہ کہ دهلی کا فلاں فصیح جو اپنی نظیر آپ تھا اب لکھنؤ میں جا رها هے اور اس کا مکان ایسا فصاحت خانہ هے کہ تمام شاہ جہان آباد میں نہیں - ایک گھر کو جو فصاحت خانہ [فصاحت کی ٹکسال] کہا جاتا هے تو فصیح آدمیوں کی وجہ سے کہا جاتا هے ورنہ خود مکان کو فصاحت سے واسطہ ؟ اگر امیٹھی یا کاکوری کے آدمی دهلی میں جا کر رهنے لگیں تو وہ اور اُن کی اولاد پوربیہ کہلائے گی ' اسی طرح شاہ جہان آبادیوں کو پورب میں دلی بوال کہیں گے - اور اس دلیل سے

بھی کہ پورب والے اپنے کو اُن سے شرافت میں زیادہ سمجھتے ہیں جو دھلوی پورب میں پیدا ہوے ہیں ان کی مغایرت پورب کے پیدا ہوے پوربیوں سے ثابت ہوتی ہے —

اصلی لکھنوی کی خصوصیات

پس لکھنؤ کے باشندے وہ لوگ ہیں جو ' عام ' کو علم (بکسرتین) یا علیم (عین مکسور ' ی معروف) بولتے ہیں اور ' عقل ' کو عقل (قاف مکسور) اور ' طالب علم ' کو طلب عِلم یا طالبے علم کہتے ہیں —

اصلی لکھنوی اور اصلی دھلوی کون ہیں

اور باشندگان لکھنؤ سے ہماری مراد شاہ جہان آباد کے وہ باشندے ہیں جو دارالخلافتہ کی خرابی کے بعد لکھنؤ میں آ بسے - اور دھلی کے جن لوگوں کو ہم لکھنؤ کے لوگوں سے گھٹیا قرار دیتے ہیں وہ لاھور ' کاکوری ' انبرسر [امرتسر] اور میرتھہ کے باشندے ہیں - اس صورت میں دھلی والوں پر لکھنؤ والوں کی فوقیت ثابت نہیں ہوتی ' بلکہ بعض شاہ جہان آبادیوں کی بعض شاہ جہان آبادیوں پر فوقیت ثابت ہوتی ہے - یہی حضرات جنھوں نے لکھنؤ میں حسب دلخواہ روپیہ میسر آنے کی وجہ سے چند دل پسند ایجادیں کی ہیں اگر شاہ جہان آباد ھی میں رھتے اور فارغ البالی ملتی تو وھاں بھی اپنی قوت ایجاد کو ظاہر کرتے - ان

کا یہ کہنا کہ لکھنو کی کسبیوں کو جو شوخ ادائی' راگ اور پوشاک میں خدا نے بخشی ہے وہ شاہ جہان آباد کی عورتوں کو نصیب نہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ لکھنو میں دہلی کے اس قدر صاحب سلیقہ زن و مرد ٹوٹ پڑے کہ دہلی خالی ہوگئی' چنانچہ عقل مندوں کے نزدیک یہ بات دارالخلافۃ کی سبکی کی ہرگز نہیں ٹھہرتی - چونکہ سپاہی اور مصاحب پیشہ' لطیفہ گو اور نقال' گانے بجانے والے اور قصہ خواں جو لکھنؤ میں ہیں سب دہلی سے آے ہوے ہیں - اس جم غفیر میں کوئی بھی ایسا ہے جس کے بزرگوں کے مکان کو لکھنو میں بنے ہوے سو سال کا زمانہ گذر چکا ہو؟ راقم کے دیکھنے میں ایک مکان بھی ایسا نہیں آیا کہ اب سے پچاس برس قبل کا بھی بنا ہوا ہو اور شاہ جہان آبادی سے منسوب ہو - سواے ان لوگوں کے جن کے بزرگ حضرت خلد مکان کے عہد میں یکے بعد دیگرے اس ملک [اودھ] کی حکومت پر مامور ہوے اور جنھوں نے اپنے مکان بناے اور کنواں' پل اور مسجد تعمیر کی اور اب ان کی اولاد اپنے بزرگوں کے پرانے مکانوں میں رہتی ہے - خدا جانے وہ اصل میں کہاں کے ہیں - اور اگر کوئی بندۂ خدا کہے کہ الہ آباد کا حاکم اور اس کے مصاحب شاہ جہان آباد

کے حاکم اور اس کے مصاحبوں سے بہتر ہیں تو ا
میں قباحت ہی کیا ہے - جس وقت کہ ہندوستان
بادشاہ جہجاہ نے بعض حالات کی وجہ سے الہ آباد کو مۂ
خلافت بنایا ہو، اور حضرت کے ہمرکاب بڑے بڑے امر
وزیر مع اپنے اپنے فصیح و بلیغ رفیقوں اور مصاحبوں
آئے ہوں اور جو کوئی صاحب کمال اور فصاحت دست
دهلی میں رہ گیا ہو وہ بھی قدر داں کے حضور اپنے ف
کے اظہار کے لئے اس شہر (الہ آباد) میں چلا گیا ہ
یہاں تک کہ چند توکل پیشہ گوشہ نشینوں کے سوا وہار
(دهلی میں) جنہیں آدمی کہتے ہیں ان میں سے ایک
بھی نہ رہا ہو اور قلعۂ معلی اور تمام شہر میں گر
گو بند کے معتقد یعنی سکھ گھس آے ہوں اور جگہ جگ
بھرا سنگھ، کھڈا سنگھ، بھوکا سنگھ کھبتہ، راج سنگھ، حرمت
سنگھ ترکھان، اور بھاگ سنگھ ترواله رونق افروز ہوں تو
انصاف کرنا چاہیے کہ ایسے وقت میں اگر وہ دهلی
والے جو الہ آباد میں قیام پزیر ہیں ان میں سے کچھ
لوگ یہ کہیں کہ اب اس شہر کے معشوقوں کی پوشاک
کی وضع، گفتگو کا انداز، گانے کا طرز اور ناز و ادا جو اس
شہر میں ہے شاہ جہان آباد میں نہیں ہے تو کون ان
کی زبان بندی کر سکے - کیونکہ مرزا بدیع الزماں کو جو

شاہ جہان آباد سے الہ آباد چلے گئے جہلدا سنگھ چوہرہ پر ترجیح دینا جو ہیئت پوریٹی یا کادی باچھاں سے دھلی میں آیا ہے آفتاب کی روشنی کی مانند ثابت ہے اور دلیل کا محتاج نہیں -

مختصر یہ کہ دھلی والوں کو جو کچھہ لکھنؤ میں جناب عالی کی عنایت کے سایہ میں میسر ہے وہ دھلی میں رہکر خواب میں بھی میسر نہیں - اور کیونکر میسر آسکتا ہے - غلام قادر ملعون نے اور چیزوں کے ساتھہ بصارت کو بھی غارت کردیا* اور ان کے اقبال کے آفتاب کو بے نور کردیا - چونکہ پوشاک کے فیشن میں نئی قراش خراش اور دوسری چیزوں میں جدت فارغ البالی کی حالت ھی میں نمایاں ھوتی ہے اور شاہ جہان آباد والے نان شبینہ کو محتاج ھیں' اور پیٹ بھر کھانا انھیں نہیں ملتا جب کہ لکھنؤ کے دھلی والے اعلی مراتب اور ثروت پر فایز ھیں' اس صورت میں ان دھلی والوں کا سلیقہ جو لکھنؤ میں ھیں کیوں نہ اُن دھلویوں کے سلیقے سے زیادہ ھو جو بیچارے شاہ جہان آباد میں رھتے ھیں —

---

* غلام قادر رھیلے نے دھلی پر قبضہ کرکے لوٹ مار کے سوا شاہ عالم ثانی بادشاہ کی آنکھیں بھی نکال ڈالی تھیں - سید انشا لکھنؤ جانے سے پہلے حضرت ممدوح کی خدمت میں تھے بادشاہ کا تخلص اردو میں ' آفتاب ' تھا - (مترجم) -

زبان کا تعلق مولد و منشا سے

اور شاہ جہان آباد میں ایک شخص کی ولادت پر فصاحت کی قید لگانا اس وجہ سے بھی ضروری نہیں کہ ہر شہر کی ایک زبان ہوتی ہے جو اس شہر سے خصوصیت رکھتی ہے، جو شخص اس شہر میں پیدا ہوتا ہے وہیں کی زبان میں کلام کرتا ہے، مثلاً ایک لاہوری لاہور کے لہجہ میں پنجابی بولتا ہے، بنگالی بنگلہ بولتا ہے۔ اسی طرح بندیل کھنڈی مارواڑی میواتی اور دکھنی اپنے اپنے ملک کی زبان خوب جانتے ہیں اور ان میں سے کسی طبقے کے افراد کے درمیان ہرگز فرق اور امتیاز نہیں کیا جاتا جیسے کہ لکھنؤ کے باشندوں میں، جن کے ہر چھوٹے بڑے کی پوربی اصل ٹپکی پڑتی ہے۔ وہ خواہ تمام جملہ پورب کی زبان میں ادا کریں خواہ شاہ جہان آبادیوں کی صحبت کے اثر سے اپنے وطن شریف کے بعضے الفاظ ترک کر دیں۔ اسی طرح ہر شہر کے باشندہ کی تقریر اس کے وطن یعنی مولد و منشا کی آئینہ بردار ہوتی ہے، مگر شاہ جہان آباد کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے —

اردو اور دہلوی مولد

جو لوگ یہاں مقیم ہیں اُن میں سے بعضے گفتگو میں کابل کا راستہ دکھاتے ہیں، بعضے سامع کے سامنے پنجاب کا

نقشہ کھولدیتے ہیں، بعضے مخاطب کو مرزاپور اور جانستھہ کے لہجے سے تہلاتے ہیں اور گلاب کی خوشبو کی ایک لپٹ سننے والے کے دماغ تک پہنچاتے ہیں، جب کہ بعضے روح پرور الفاظ سے سننے والے کی جان کو تازگی اور امرت بخشتے ہیں یعنی اردو زبان میں گفتگو کرتے ہیں - اس مقام پر پہنچ کر راقم کی عقل حیران ہے کہ کس زبان کو شاہ جہان آباد کی زبان کہا جاے - میں نہیں جانتا وہ زبان کابلی ہے یالاھوری، یا پوربی، یا کوئی اور - کیونکہ جو اصحاب یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں وہ دھلی میں پیدا ہوے ہیں -

دھلی کی زبان کا معیار

بہر حال اپنی سمجھہ اور سلیقہ کے بموجب بہت غور اور تامل کے بعد اس ھیچمداں کو یہ معلوم ھوتا ہے اور غالب ہے کہ یہ راے ناقص درست ھوکہ شاہ جہان آباد کی زبان وہ ہے جو درباری اور مصاحبت پیشہ قابل اشخاص، خوبصورت معشوقوں، مسلمان اہل حرفہ، شہدوں اور اُمرا کے شاگرد پیشہ اور ملازموں حتیٰ کہ ان کے خاکروبوں کی زبان ہے - یہ لوگ جہاں کہیں پہنچتے ہیں ان کی اولاد دلی والی کہلاتی ہے اور ان کا محلہ دلی والوں کا محلہ باجتا ہے - اور اگر تمام شہر میں پھیل جائیں

تو اس شہر کو اُردو کہتے ہیں - لیکن ان حضرات کا جھگڑا سواے لکھنؤ کے اور کہیں خاکسار کی راے میں ثبوت کو نہیں پہنچتا - اگرچہ مرشدآباد اور عظیم آباد کے باشندے اپنے زعم میں خود کو اُردو داں اور اپنے شہر کو اردو کہتے ہیں کیونکہ عظیم آباد [پٹنہ] میں دھلی والے ایک محلہ کے اندازے کے رہتے ہوں گے اور نواب صادق علی خان عرف میرن اور نواب قاسم علی خان عالی جاہ کے زمانے میں اسی قدر یا اس سے کچھہ زیادہ مرشدآباد میں ہوں گے- اور اہل مغل پورہ اور دوسرے شاہ جہان آبادی اس بحث سے خارج ہیں- مگر لکھنؤ میں قریب ہونے کی وجہ سے تمام دھلی والے' فصیح اور غیر فصیح ٹوٹ کر آگئے ہیں اور یہ شہر لکھنؤ نہیں رہا شاہ جہان آباد ہو گیا ہے —

مرشد آباد میں دلی والے | جاننا چاہئے کہ سراج الدولہ کے وقت میں بعضے منصب دار اور چند نقال جنھیں ھندی میں بھانڈ کہتے ہیں' دو تین گویے اور کسبیاں' دو ایک بھگیتے' دو تین نان بائی' دس بارہ مرثیہ خواں' ایک دو مُنجرے اور بھربونجے فایدے کی اُمید پر شاہ جہان آباد سے مرشد آباد پہنچے تھے' کس واسطے کہ اس زمانے میں چلے بھونلے والا بھی

دس هزار روپیه کے بغیر دهلی سے مرشدآباد کا رخ نهیں کرتا تها- نواب میرن کے زمانے میں جو آپ کو بانکا بتانے تهے بانکے جمع هوگئے تهے- سارا مغل پوره اور بادل پوره وهاں اٹهه آیا تها- یه بانکے [زبان کی] بحث سے خارج هیں، کیوں که بانکے هر شهر میں هوتے هیں دهلی هو یا دکهن کے شهر، بنگاله هو یا پنجاب، ان سب کی ایک وضع اور ایک زبان هوتی هے—

بانکوں کی وضع اور زبان

یه لوگ مزاج کے تیرهے هوتے هیں، چلتے بهی اینٹهه کر هیں، اپنے بدن کو بهت دیکهتے رهتے هیں اور هر مونث کو مذکر بولنا ان کی عادت اور طریقه هے- چنانچه هماری بکری، کو همارا بکرا، کهتے هیں، جیسے که هر شهر میں افغانوں کی دستار، زلف، غلیل اور اوچے میں تبدیلی نهیں هوتی—

دهلی اور لکهنؤ

اور نواب قاسم علی خاں کا وقت بالکل نواب میرن کے وقت کا سا هے- حضرت پیرومرشد کے عهد میں نئے اور نفیس فیشن کی تعمیروں، الفاظ کی تحقیق، فصاحت کی جانچ، بلاغت کا لحاظ، لطیفه گوئی، بذله سنجی، تقریر کی شستگی اور نئی چیزوں کے ایجاد کے چرچے بهت زیاده

ہیں ' اور قابل اور فہیم و بلیغ شخصوں کے سوا کسی کی صحبت حضور والا کو پسند نہیں - ہر بات اور لطیفہ کے مغز کو پہنچتے ہیں - اور ان لوگوں کو جو نواب مہرن کے رفیق اور دمساز تھے آپ کے حضور میں ہرگز باریابی نہیں - اس وجہ سے لکھنؤ کو دوسرے شہروں پر شرف حاصل ہے اور وہ شاہ جہاں آباد کی جان ہے کیوں کہ اُس شہر (دھلی) کے فصیح اور اھل سلیقہ کہ اس کی روح و رواں ہیں اِس (لکھنؤ) شہر میں اکٹھے ہیں ' پس شاہ جہاں آباد قالب بے جان ہے اور لکھنؤ اس کی جان ہے - جان کو یقیناً جسم پر ترجیح ہے - اس کو بھی شاہ جہاں آباد کی تعریف سمجھنا چاہئے کیونکہ شاہ جہاں آباد ایک قابل ذات کی بدولت جان اور قالب رکھنے والا ہے - اس کی جان یہاں لے آے اور قالب وہاں چھوڑ دیا - جیسے مور پر مور کی دم کی بڑائی - ظاہر ہے کہ اگر مور اس کی کُل مجموعی ہیئت کا نام ہے تو اس میں اس کی دم بھی داخل ہے ' اس صورت میں اس کی دم کی فوقیت ثابت نہیں ہوتی ' جس طرح جز اور کل کی بڑائی نہیں ثابت ہوتی ' اسی طرح لکھنؤ کو جواب شاہ جہان آباد کی جان کہتے ہیں نہ کہ پورب کی جان ' اگر اُسے شاہ جہاں آباد سے بہتر کہیں تو زیبا ہے کیونکہ یہ ترجیح

قالب پر جان کی ترجیح ہے اور اسی نہج پر ہے جیسے مور کے مقابلے میں اس کی دم کی بڑائی۔

فصحا جو لکھنؤ میں موجود تھے

فصیحوں میں محمد اسحق خاں موتمن الدولہ اور ان کے تینوں صاحبزادے نجم الدولہ اور افتخار الدولہ نواب مرزا علی خاں اور نواب سالار جنگ اور ان کے عیاش طبع ہونے کی وجہ سے دہلی کے لطیفہ گو، خوش کلام لوگ اور پری پیکر ان کی صحبت میں جمع تھے - اور مرزا فتح اللہ اور مرزا اسمعیل ہیں، اور سخن گوئی اور گفتگو میں مرزا رفیع ہیں اگرچہ وہ وزن و قافیہ کی ضرورت سے شعر میں بعض ایسے لفظ لے آئے ہیں جو اردو سے خارج ہیں - پھر خواجہ حفیظ اللہ مرحوم، میر زائی، میر مغل، خواجہ شیریں خاں اعتقاد الدولہ اور میر رمضانی صاحب ہکلے ہیں۔

باب سوم

پہلی فصل، دہلی کا روز مرہ اور محاورے وغیرہ

توتے اڑ گئے = حواس اڑ گئے -

تمہارے لڑکے بھی کبھی گھٹنوں کے بل چلیں گے = تم بھی کبھی سچ بولوگے اور راہ پر آؤ گے -

کافور ہو جاؤ ، چھچھو ہو جاؤ ، ہوا کھاؤ ، پیچھا چھوڑو ، معاف کرو ، دال فے عین ہو جئے ، رے واؤ زبر رو ہو جئے ، بہت ہو جئے ، دفع دفان ہو جئے ، اور طرف متوجہ ہو جئے ، کہاں آئے ، کہو تو میں گھر چھوڑدوں ، فرماؤ تو قبالا منگوا دوں = یہاں سے جاؤ -

مرتا ہوں ، جی دیتا ہوں ، لوٹتا ہوں ، لوٹ پوٹ ہوں ، ہاتھ پانوں توڑتا ہوں یا تڑاتا ہوں ، غش کرتا ہوں = عاشق ہوں -

جی چراتا ہوں = اس کام سے پرہیز کرتا ہوں -

چوکڑی بھول گیا ، کھویا گیا ، اور ہی کچھ ہو گیا = بے حواس ہوگیا -

چھپاٹا دیا ، آب پاشی کی = دھوکا دیا -

بڑے پاک ہو ، قدم آپ کے چوما چاہئے ، آنکھ میں تمہاری ذرا بھی پانی نہیں = بڑے بےحیا ہو -

آپ بھی بزرگ ہیں ، صاحبزادے ہیں ، عجب معصوم ہیں ، طرفہ معجون ہیں ، زور جانور ہیں ، بڑے صاحب شوق ہیں ، عقل کے پتلے ہو ، آپ کی کیا بات ہے ، کتنا بات کو پہنچتے ہو ، عقل چہ کلی است کہ پیش مرداں بباید ، عقل بڑی کہ بھینس ، خوبی شعور کی ، بل بے تیری سمجھ ، کیوں نہ ہو پدر تر چو باشد

پسر توں بود ' ازاں پر ھنر بے ھنر چوں بود ' آپ بھی کچھہ ارسطو سے کم نہیں ' اپنی اپنی سمجھہ ھے ' تھوڑی سی عقل مول لیجیے تو بہتر ھے ' ولی آدمی ھو ' ڈال کے توتے ھو ' زور پٹھے ھو ' کوئی زور خدا کے بندے ھو ' اپنے وقت کے لال بوجھکڑ ھو ' داناؤں کی دور بلا ' آپ کے بھی صدقے ھو جائیے ' قربان اس فہمیدن کے ' کیا خوب سمجھتے ھو = بہت احمق ھو —

عجب ذات شریف ھو ' کتنے بھلے آدمی ھو ' آپ میں بھی کوٹ کوٹ کے خوبیاں بھری ھیں ' سب بزرگیاں تم پر ھی ختم ھیں ' آپ سے بہت بہت امید ھے ' ابھی کیا ھے ' خدا آپ کو بہت سا سلامت رکھے = بڑے بدذات ھو -

تم بھی بہت دور ھو ' بہت بڑے آدمی ھو ' بیڈھب آدمی ھو ' معلوم نہیں تم کون ھو ' کہو تو سہی کیا ھو ' کوئی قہر ھو یا غضب یا ستم ھو ' تم سے خدا پناہ میں رکھے ' آپ تحفگی کیا رکھتے ھیں ' آپ ھیں کون ' نہت کڈھب ھو = خوب آدمی ھو !

پڑھے نہ لکھے نام محمدفاضل- یہ اس شخص کےواسطےبولتے ھیں جو اپنے پیشہ میں تو مشہور ھو مگر کام کا سلیقہ اسے نہ ھو -

آنکھوں کے اندھے نام نین سکھہ = ایک بات کا دعویٰ

کرے مگر اس سے مناسبت نہ ہو۔

ہم آپ سے نہیں بولتے، کیوں آتے ہو، ہمارے پاس نہ آئیے، کہاں چلے آتے ہو، صاحب کو کس نے بلایا ہے، خیر باشد، کدھر کرم کیا، یہ چاند کیسا نکلا، کہیں رستہ تو نہیں بھول گئے، گھر کو پھر جائیے، آپ کا گھر کہاں ہے، میں تو صاحب کو نہیں پہچانتا = ملاقات کے وقت ایک دوست سے اشتیاق اور شکایت کا اظہار۔

گھر کی مرغی دال برابر، یہ فقرہ اس مقام پر کہتے ہیں جب کوئی اپنے بیٹے یا عزیز یا دوست یا باوفا غلام یا لایق ملازم کی قدر نہیں کرتا اور دوسروں کی تعریفیں کرتا ہے اور روپیہ خرچ کرکے ان سے کام لیتا ہے۔

ہزاروں (یا سیکڑوں، لاکھوں، کروڑوں) بے نقط سناؤں گا = بہت سی گالیاں دوں گا۔

جل و جل، واہ واہ، کیا پوچھنا ہے، کیا کہنا ہے، کیا بات ہے، یوں ہی چاہئے، کیا خوب، چہ خوش، چرا نہ باشد، واچھڑے، سبحان اللہ، آہا، ہوے بے ظالم، یہاں فرشتے کے بھی پر جلتے ہیں، کیا مذکور ہے، کہیں نظر نہ لگ جاے، خدا سلامت رکھے، آپ کی کیا چلائی، رحمت خدا کی، شاباش، آفریں صد، آفریں، بارک اللہ، ایسی ہی باتوں سے تو معقول ہوئے ہو، اللہ اکبر، اللہ غنی،

اوھو جی ، اوھو = [یہ سب کلمے ایک طرح کی ھجو ملیح ھیں] ایسے موقع پر مستعمل ھوتے ھیں جب کسی سے کوئی فعل کہنے والے کی توقع کے خلاف سرزد ھو —

دھینگ دھینگ بلو کا راج ، اندھیری نگری چوپٹ راج = حاکم اور رئیس کی بے انصافی کا ذکر۔

کام کیا ھے ، قہر کیا ھے ، غضب کیا ھے ، ستم کیا ھے = عجیب کام کیا ھے۔

گھونسا مار پانی نکالتا ھوں ، لات مار پانی نکالتا ھوں = وہ کام کرتا ھوں جو اور کوئی نہیں کر سکتا۔

گھر کی پتکی باسی ساگ = بیجا شیخیوں کے جواب میں۔

باسی رھے نہ کتا کھائے = کھانے کا اسراف ھمارے ھاں بہت ھے۔ [جو آتا سو کھا لیتا]

آپس میں گرہ پڑ گئی = دشمنی یا مخالفت ھو گئی۔

قاضی جی تم کیوں دبلے ھو شہر کے اندیشے سے = بیجا غم اور فکر میں مبتلا ھونا۔

بال بال گج موتی پروئے بیٹھی ھے = بن سنور کر بیٹھی ھے۔

چولھے میں پڑے ، بھاڑ میں جائے = ھمیں اس شخص یا چیز سے سروکار نہیں۔

چاند کو گہن لگ گیا = باوجود ساری خوبیوں کے ایک عیب رکھنا۔

اس بات میں بٹا لگتا ھے = یہ معیوب کام ھے۔

شرم بھی نہیں آتی ' دل میں تو سوچو' کبھی شرمایا تو کرو = دوست کے نہ آنے کا گلہ ۔

یہ منھہ اور مسور کی دال' آپ کے بھچا ڈنڈ ھی کہے دیتے ہیں' ایسے جمی' بل بے جما تیری دھج = ترتیب وار معنی یہ ہیں (۱) یہ کام تیری لیاقت سے زیادہ ہے۔ (۲) تمھاری صورت ان دعوں کی صداقت کی شہادت نہیں دیتی پھر کہنے سے حاصل ۔(۳) بارے آپ بھی اس قابل ہو گئے۔ (۴) اس شیخی کی داد دینی چاہئے کہ پلے تکا نہیں اور امیروں کی ٹکر ۔

کانے چوت کلو ندے بھیت ' یہ محاورہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ایسے آدمی سے اتفاقاً مڈبھیڑ ہو جاے' جس سے رنجش ہو یا ملاقات منظور نہ ہو ' یا اپنا اُس وقت اس طرف کو جانا پوشیدہ رکھنا ہو ۔

حلوا خاتوں ' یہ ایک کھٹہ پتلی ہوتی ہے جسے فقیر کوڑے پہنا کر بچوں کے سامنے اپنے ہاتھہ سے نچاتے ہیں اور اپنی روزی کماتے ہیں۔

گوبر گنیھش ' گل بھترا ' مستنڈا ' ہٹا کٹا ' تانتھا ' دب اکبر ' بھینسا ' فیل ' منگلوسی ' چک پھیا ' مربع ' چوکور ' گیندا = موٹا شخص ۔

تلکا ' تتیری ' تا کا ' سوکھا = دبلا پتلا ۔

پتھر بھوڑا = ایک جن کا نام جس نے خیال کیا

جاتا تھا کہ بہت آدمیوں کے سر پھورے -

چنڈول گداگر بول ' کانتھہ کٹھول بانسلی بھدبھری میرا نام ' گھور کھنڈے چوھے للڈے ' کالے پیلے دیو ' شیر بکری یا باگ بکری ' اتھرن ' کبڈی ' وزیر بادشاہ ' آنکھہ مچوّل کووا تیل بلی پادے وھی پھلیل ' چھائیں مائیں گول گھمائیں راجہ کے گھر بیٹا ھوا ' دوڑے آئیو کوئی ایسا بھی داتا ھو چڑیا کے بند چھڑادے ' مونگ چنا ڈگڈوئی ڈو ' میری آرزو کیوں آرے ' لوڑھی تیسوراے =

یہ سب کھیلوں کے نام ھیں ' اِن کھیلوں میں سے لوڑھی کا رواج دھلی سے کابل تک ھے - اِس کی تفصیل یہ ھے کہ اِس تہوار سے کچھہ دن پہلے بچے بعض جوانوں کو ساتھہ لے کر محلہ محلہ پھرتے ھیں اور ھرگھر سے کچھہ نقد یا ایندھن وصول کرتے ھیں اور مقررہ رات کواس ایندھن کا ڈھیر بنا کر جلا دیتے ھیں ' نقد جو وصول ھوا تھا اس کی مٹھائی لے کر آپس میں بانٹ لیتے ھیں یہ رسم ھندووں کی ھے مگر مسلمانوں کے بچے بھی کھیل سمجھہ کر اِس میں شامل ھو جاتے ھیں -

تیسوراے کا یہ مطلب ھے کہ دسہرہ کے دنوں کے قریب لڑکے مٹی کی ایک مورت بناتے ھیں جو تین لکڑیوں پر ٹکی ھوتی ھے اُس میں چراغ رکھنے کی بھی جگھہ ھوتی

ہے اِس کو وہ گھر گھر لئیے پھرتے ہیں اور پانچ چھہ دن میں جو نقدی وصول ہوتی ہے اُس کی مٹھائی لے کر آپس میں بانٹ لیتے ہیں - اُڑکیاں تیسو راے کے بدلے جھنجھری یا جھنجھیا بناتی ہیں، یہ کھیل اب پورب کے شہروں میں بھی رواج پا گیا ہے -

دوسرے کھیل جیسے کبڈی، باگ بکری، وزیر بادشاہ جوان آدمی بھی کھیلتے ہیں اور جگہہ جگہہ ان کا رواج ہے، باقی کھیل بچوں سے مخصوص ہیں جو کھیل ان میں سے اور جگہہ نہیں پہنچے اُن کی تفصیل لکھہ دی گئی ہے -

بتی سرپستا پھول پان بیچتا، یہ کلمہ گلی ڈنڈا کے کھیل میں کہا جاتا ہے، کھیل کے ایک خاص موقع پر جب کھیلنے والے کا سانس ٹوٹ جاے تو ڈنڈا اس کے ہاتھہ پر مارا جاتا ہے جسے چمیتی کہتے ہیں — ڈنڈا

کیلے والے لال = کنویں سے پانی کھینچتے ہوے مالیوں کی آواز -

گول گول بات = جس بات کے کئی پہلو ہوں، مگھم، مبہم-

موتی پروتا ہے = سہانے بول بولتا ہے -

گھاس کاٹتا ہے = ایسی تیزی سے بولتا یا پڑھتا ہے کہ سمجھہ میں نہیں آتا -

گل کترتا ہے = چاپلوسی کرتا ہے، فتنہ برپا کرتا ہے

[مدت سے اِس محاورہ کا اطلاق اعجوبہ یا نادر کام پر ہوتا ہے]-

ریوڑی کے پھیر میں آگیا = مصیبت میں گرفتار ہوگیا۔

چڑیا کے' چڑیا والے'مرغی کے' مرغی والے' جھانپوں کے' جھانپو والے' ڈھڈو کے' ڈھڈو والے' بگلولو کے' بگلولو والے' کواپری کے = یہ کلمے اُس کے لئے استعمال ہوتے ہیں جسے بیوقوف سمجھا جاتا ہے [اب یہ کلمے عوام میں طنز کے مقام پر چھوٹی گالی کی طور پر حرف ندا کی طرح استعمال ہوتے ہیں] -

خیری خیری دیلگے کوئی ایسے ہی داتا دیلگے (یا ایسا ہی داتا دے گا) = یہ صدا ذلیل منگتوں کی ہے جو وہ قافلوں کے سامنے لگاتے ہیں -

باج باج اللہ محمد کا راج = ننر لوگ گھڑیال بجاتے وقت یہ الفاظ بولتے ہیں -

لپو = پگڑی ' دستار -

ڈاب = کمربند ' پٹکہ -

پھرکی ' پدڑی ' پودنا = دبلا ' کمزور ' چھوٹا -

کھٹہ پتلی ' الو کا بچہ ' الو کی دم فاختہ ' الووا خرا' مٹی کی مورت = بیوقوف آدمی -

ڈلّو = اِس لفظ سے چھوٹی لڑکیوں کو خطاب کرتے ہیں -

پری = بہت اچھی چیز -

سرجوت = نفرت کے معنی میں آتا ہے یا چڑ کے واسطے لیکن اصل میں اس کے معنی رشک کے ہیں -

بد یاندھاں = نہایت قابل آدمی -

پڑھ پکھر لکھہ لہڑا بھئے ایندھن باندھ کچہری گئے = باوجود تمام کوشش کے علم نہ آیا -

شوربور ' شرابور = پہلا محاورہ مردوں اور دوسرا عورتوں کی زبان ہے ' معنی سر سے پاؤں تک بھرا یا بھیگا ہونا -

رنگ ہے جی رنگ ہے = یک دوست دوسرے دوست سے خوشی کا اظہار کرنے یا مبارکباد دینے کو کہتا ہے -

جان چھلا ' خانم جان ' بیگمان ' رنانی' دیوانی' کرھائی' بہشت کی قمری' دورپار ' خاصی پیاری ' جان صاحب ' میں واری ' بی جی ' بہو جی ' بلو جان ' گھونگھٹ والی پردہ والی' اے جی ' ہی ہی = ایسے مرد کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کی زبان ' پوشاک ' حرکات و سکنات عورتوں جیسے ہوں -

ملوا ' متھو = بیوقوف کو مہربانی کی نظر سے کہتے ہیں -

تلھی ' خام پارہ ' تتلیا ' مرچ ' مال زادی' خلدی ' خیلا = سرکش ' بدزبان اور جھگڑالو عورت -

مردہ شو کے حوالے ' خدا سمجھے ' کالا منہ نیلے ہاتھہ پاؤں = عورتوں کے فقرے جو وہ بہت غصہ اور نفرت کی حالت میں کہتی ہیں۔

دو کلّدی چٹّی — ڈھلمل یقین شخص یا جس کی دو چیزوں پر نظر ہو۔

سپاہی نے دبایا ہے = نیند میں باتیں کرتا ہے اور سوتے سوتے اٹھہ کر لوگوں سے لڑنے لگتا ہے بلکہ اگر لکڑی یا تلوار ہاتھہ آ جائے تو چوٹ بھی کر بیٹھتا ہے یہ سب کچھہ تو کرتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ کیا کر رہا ہے۔

روبین ہو جانا = تیز چلنا ' غائب ہو جانا۔

دھنتّو ' رستم ' رستم کا بچہ ' تیس مار خاں = زبردست۔

دھنا سیٹھہ ' جگت سیٹھہ کا گماشتہ ' کوٹھی وال ' گانٹھہ کا پورا ' بھرا پرا = مالدار ' موٹی اسامی۔

شہر = شاہ جہان آباد۔

سانگ لانا = بہانہ کرنا۔

پان پھول ' دھان پان = نازک بدن۔

چھوٹا منہ بڑی بات = جس کام کی لیاقت نہ ہو وہ کام ہاتھہ میں لینا ' متکلم اور غایب دونوں کے لئے کہا جاتا ہے۔

حاتم کی گور پر لات مارتا ہے = مفلوک الحال کی سخاوت کے ذکر میں بولا جاتا ہے۔

ھمتے جکڑنے = جب ایک پہلوان دوسرے کو زمین پر پٹ گرا دیتا ھے تو اس لئے کہ وہ اتھنے نہ پاے اپنے دونوں ھاتھہ اس کی بغلوں کے نیچے سے لیجا کر اس کی گردن کو زور سے دباتا ھے تاکہ وہ دق ھو، اسے ھمتے جکڑنا کہتے ھیں ۔

دھوبی پات، کلا رنگ، دھاک پر چڑھا مارنا = یہ کشتی کے دانو پیچ ھیں * -

نوکر لات کپور کے ھونٹھہ ملیں حق لیں = شاہ جہاں یا اورنگ زیب کے عہد میں دو کلاونت تھے جن کے نام 'لات' اور 'کپور' تھے، ان بیچاروں کے نوکر کام کاج تو کچھہ کرتے نہ تھے اور تنخواہ لینے کو آکھڑے ھوتے تھے، اس خوف سے کہ ھنگامہ نہ اتھائیں ان کو تنخواہ دیدی جاتی تھی، جب سے یہ ضرب المثل بن گئی - جب نوکروں کو کام کم ھو اور آقا ذی مروت ھو تو یہ کہا جاتا ھے ۔

کھانا پینا گانٹھہ کا نری سلام علیک = بڑے آدمی کی بے التفاتی اور اپنی بے پروائی کے مقام پر سلام کے جواب میں کہا جاتا ھے -

---

* کشتی کے بہت سے دانو ھیں، بعض اشعار میں نظم کردئے گئے ھیں مثلاً ۔ اک دستی دو دستی مرنڈھا ٹال بغلی بیٹھہلا گرہ کر ڈال - (مترجم) -

کھلنڈرا ، آکھڑ = بے پروا اور عاقبت نا اندیش آدمی۔

ماموں جی جو هار = طعنے یا هنسی کے لئے سلام علیکم کے بدلے استعمال کرتے هیں۔

پھوٹ بہا = دلی صدمے سے زار زار رونے لگا۔

جھڑ پکا ، هوچکا = اپنے رتبے سے گر گیا۔

تم نے اڑائیاں سو یہاں بھون بھون کھاڈیاں = یہ اشارے کنایے میں تم سے زیادہ سمجھتا هوں۔

میں نے چار برساتیں زیادہ آپ سے دیکھی هیں = تم سے زیادہ تجربہ کار هوں تم میرے سامنے بچے هو۔

آیں ؟ ، کیا ؟ معقول ، خوبی خدائے کی ، کتنے گرم هو، واہ مُنھہ تو دیکھو ، آرسی تو هاتھہ میں لو ، خیر مانگو ، بہت بڑہ نہ چلو ، آپ کو بھول گئے ، نئی طرح کی گرمی هے ، کچھہ شامت تو نہیں آئی هے ، گھر سے لڑ کر تو نہیں چلے ، ٹھنڈے ٹھنڈے گھر جاؤ ، بلی لانگ کے تو نہیں آے ، صبح کسی کا منھہ دیکھا تھا ، خیر سے گھر کو سدھارو ، اتنا لگ نہ چلیے = یہ کلمے اور جملے بے تمیز زباں دراز آدمی سے رنجش کے طریق پر کہے جاتے هیں یا بے تکلفی اور خوش اختلاطی کی وجہ سے دوست سے۔

دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا ، اِلّٰذی نہ اُلّٰذی ، اِدھر نہ اُدھر یہ بلا کدھر = بے سر و پا آدمی۔

ہم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ھے = ہم کار آزمودہ آدمی ہیں۔

میں تیرا گدّا بناؤں گا = تجھے بہت رسوا کروں گا۔

پھر مانگ = سایل کو صاف جواب۔

کدھر منہ ڈالتا ھے = کہاں چلا آتا ھے؟

آپ میری جان سے کیا چاھتے ہیں؟ = مجھہ سے کیوں بات کرتے ہو، کیوں جان کھاے جاتے ہو۔

منہ چڑانا = کسی کی تقلید کرنا مگر عہدہ برآنہ ہوسکنا۔

سولھی، نکی موتھہ، بوتری = جواریوں کے دانو ہیں۔

پہلے پانسے تین کانے = بسم اللہ ھی غلط، شروع ھی میں ہار کا پاسہ۔

منہ لگائی ڈومنی گاوے تال بے تال = امیر کا مصاحب بن کر بیہودہ بھی بکے تو ٹوکا نہیں جاتا۔

آئیے مل جی آئیے = ملاقات کے وقت دوست سے ہنسی کی طور پر کہتے ہیں۔

آنکھہ آئی = آنکھہ میں درد ہوگیا۔

بھڑوا = 'ہولی' میں جس آدمی کے کپڑے رنگ میں بھرے ہوں اسے کہتے ہیں۔

بنے ہوے ہیں، مجلس کی رونق ہیں = مسخرے ہیں۔

رنگا ہوا ھے = ذاکر اور شاغل ھے۔

جگت گرو = فن کا پیشوا۔

ادیس = اچھا گوئیا، بزرگ، معلومات رکھنے والا۔

بھرمل، جھنا سر= مسخرہ، کمینہ۔

انگور = زخم کا بھرنا۔

چھاتی کا پھوڑا، سوھان روح، وبال گردن = جو شخص مخالف طبع ہو۔ توتی بانہہ، گل جندری = نالایق بیٹا یا بھائی یا رفیق —

تیرے تو کچھہ لچھن سے جھڑ گئے ھیں = تیرے برے دن آے ھیں، تیرے چہرے کی روحانی جاتی رھی —

میرے دل کے آج پھپولے پھوٹے = آج مجھے بڑی خوشی ہوئی کے دشمن ذلیل ھوا —

کالا = عیار آدمی، سانپ۔

باؤلا کتا، کتخنا [کت کھنا] کتا = بدخلق آدمی —

اپنی گلی میں کتا بھی شیر ھے = اُسے کہتے ھیں جو دوسرے کی حمایت پر آینٹھہ دکھاے —

حمایت کی گدھی عراقی کو لات مارے = کم قدر آدمی کا امیر اور ذی رسوخ اشخاص کے اشارے پر اپنے سے بڑے آدمی سے گستاخانہ پیش آنا —

جو بولے سو گھی کو جاے = جو اس مجمع یا گھر میں منصفانہ بات کرے سزا پاےگا اور ذلیل ہوگا —

دو ملا میں مرغی مردار = اس کے استعمال کا مر

یہ ھے کہ کوئی شخص ایک معزز جماعت کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرے اور وہ دونوں اسی معاملے میں باھم بحث کرنے لگیں، ظاھر ھے کہ اھل ضرورت کا کام بیچ میں رہ جاےگا ['مردار' کا بدل ' حرام' بھی مستعمل ھے] —

پتکی پڑے ان کی باتوں پر = [یہ عورتوں کا محاورہ ھے] ان بیہودہ باتوں پر خاک ڈالی جاے -

چرخ چذبو کے لڑکے = فاحشہ عورت کے بیٹے' بے حیا اور بے ادب —

سھمو سیلو = بازاری عورتیں، کنجڑن وغیرہ —

کام بڑھئی کا = بچار یا کھاتیوں کی آواز جو وہ گلی کوچوں میں لگاتے پھرتے ھیں —

سونٹھ ھے نیبو کے رس کی = سونٹھ کا پانی بیچنے والوں کی آواز —

سو سنار کی نہ ایک لوھار کی = سو برائیوں یا پھبتیوں کے عوض میرا ایک جواب کافی ھے - [ظاھر ھے کہ سنار کے اوزار ننھے ننھے ھوتے ھیں اور سونے چاندی پر ان کی چوتیں نرم اور آھستہ پڑتی ھیں جب کہ لُہار کے ھتوڑے کی چوتیں دھواں دھوں پڑتی ھیں] -

کیا بیچتے ھو؟ کیا کھٹ راگ گاتے ھو؟ کیا گوہ کھاتے کیا جھک مارتے ھو؟ کیا قصہ لگایا ھے؟ کیوں مغز

کھاتے ہو؟ کاھے کو دماغ پریشان کرتے ہو؟ = کیا فضول باتیں کرتے ہو —

منھہ کو لگام دو، زبان سنبھال کے بولو = سنجیدہ بات کرو —

منھہ دھو رکھو = اس کام کی توقع نہ رکھو —

ماں فقیرنی پوت فتح خاں = مجہول النسب شخص کے لئے کہتے ہیں جو مغرور ہو —

تیرے بت کو رسا = وہ کام کیا کہ کیا کہا جاے —

رانڈ کا سانڈ = حرام زادہ، بد طینت —

رانی خاں کا سالا، دھین ڈھوکڑ خاں کا سالا، افلاطون کا بچہ = زبردست اور مغرور شخص —

بڑا یزید ہے = سخت بیرحم اور شقی ہے —

دھویا دھایا احمق ہے = اس کی حماقت میں شک نہیں —

فتح ہے = مژدہ ہو، مبارک ہو —

پانوں زمین پر نہیں رکھتا = نہایت متکبر ہے —

آنکھہ اُٹھا کر نہیں دیکھتا = معنی حسب محاورۂ صدر، شرم و حیا کے معنی میں بھی آتا ہے —

کوزہ میں کھاج = ایک مشکل میں ایک اور مشکل کا پیش آجانا —

کریلا اور نیم چڑھا = اس آدمی کے لئے مستعمل ہے جو پہلے سے بدخلق ہو اور اس پر اُسے دولت مل جاے -

ٹھونک بجا کر لینا = خوب جانچ پرکھہ کر کوئی چیز لینا -

منھہ پر ہوائیاں اُڑتی ہیں = چہرے کا رنگ فق ہے چہرہ بے آب و تاب ہے —

ہماری کیا پشم کندہ کرے گا = ہمارا کچھہ نہ بگاڑ سکے گا -

کانا تنتو بدھو نفر = بہت غریب ہے' تنتروں تنوں —

کھیل نہ جانے مرغی کا اُڑانے لاگا باز = اُسے طنزاً کہتے ہیں جو اپنی حد سے بڑھ کر کام کرتا ہے —

باپ نہ مارے پدری بیٹا تیر انداز = حسب صدر -

چندا ماموں تا = ["تا" فقرے کا جز ہے] ' چھوٹی لڑکیوں کا کلام چاند سے - کبھی کھیل میں آدمیوں سے بھی کہتی ہیں ' کسبی عورتیں بھی اپنے آشنا سے کہتی ہیں -

پیر مُغاں = مشیخت مآب —

فلانے کا بھانڈا پھوٹ گیا = عیب ظاہر ہوگیا [راز فاش ہوگیا] —

بھرم نکل گیا = اُس کے بیجا غرور اور بڑائی کا سبب معلوم ہوگیا —

جوش کم ہوا ' تاؤ میٹھا ہوا = سست پڑ گیا [زور شور جاتا رہا] —

مدھم تھاتھہ = وہ شخص جو ہر کام میں سستی یا تھکن کا اظہار کرے —

بوریا باندھنا = غریبوں کا سامان، امیر کسر نفسی سے اپنے لئے بھی کہہ دیتے ہیں۔

چبلّا، سفلا، چھوکرا، بلّلا، منہ سے دودہ کی بو آتی ھے، ابھی چھٹی کا دودہ نہیں سوکھا، ابھی منہ دباے تو چلو بھر چھٹی کا دودہ نکل پڑے = نہایت بے لیاقت اور ناتجربہ کار ھے -

جان چتّاخا، ھپا، بھبھوکا، دھواں دھار = خوبصورت۔

اڑھائی چلو اس کا لہو پی جاؤں = اس کو مار ڈالوں -

مسلد بادشاھی کرو = مسلد اٹھالو، قلعہ کے فراشوں کی اصطلاح۔

سکھہ فرمانا = سونا۔ ھندوستان میں شاھان تیموریہ کے لئے مستعمل ھے -

پیش خانہ = چوکی خانہ —

کھڑی مزدوری چوکھا کام = اچھی مزدوری دینا اور خوب کام لینا - [آج کل بجائے رائے ثقیلہ کے رائے مہملہ سے بولتے ہیں] -

باریدار = جو اپنی باری یا نوبت پر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو —

باریدارنی = باریدار کی تانیث، باری دار عورت —

ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا = وہ نالایق شخص جس سے

ایک کام تو ہونہ سکے اور بیجا عذر پیش کرے ' اس کے لئے کہا جاتا ہے —

آنْت بھلے کا بھلا ' انت برے کا برا = برے کا انجام برا اور اچھے کا انجام اچھا ہوتا ہے -

چھکے چھوٹ گئے = عقل جاتی رہی [حواس رخصت ہوئے] —

جگ پھوٹا ' نرد ماری گئی = جب دوشخصوں میں نفاق ہوگیا تو دشمن کے لئے اُن دونوں کا پا مال کرنا آسان بات ہے —

بول گیا = تنگ آگیا ' عاجز ہوگیا —

میر ' دلتّوں ' چوتوں = یہ تین کاٹھہ کی رنگین گولیوں کے نام ہیں جن سے لڑکے کھیلتے ہیں -

پڑا کیا = خوب سزادی —

ٹھیک کیا = راہ پرلے آیا [سیدھا کردیا] -

لال پگڑی والا میرجی کا سالا = یہ فقرہ شوخ لڑکے اس پر کستے ہیں جو سرخ دستار باندھے ہو ' اگر پگڑی کا کوئی اور رنگ ہو تو لال کو اُس سے بدل دیتے ہیں -

ڈھیلے زناخ = اُس آدمی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ہر کام میں سست ہو -

چومھٹا کیا = خوب سزادی -

ننگی بھلی کہ بل میں بانس = اُس رسوائی سے جو ایک کام کے نہ کرنے سے ہوتی وہ ذلت بہتر ہے جو اُس کے کرنے سے ہوتی ' جیسی فارسی کی کہاوت ہے وما ئدہ چیدن صد عیب دارد ونہ چیدن یک عیب ' —

دیکھا بھالا توپچی ' چہرا سید ہو = یہ کم رتبہ شخص جو اپنی دولت پر اتنا اتر آتا ہے اسے میں اُس وقت سے جانتا ہوں جب وہ ٹکر گدا تہا ' خوب پہچانتا ہوں —

بال باندھا چور = نادر اور بے مثل چور —

کوڑی کا بوت = اِبن زر ' پیسے کا میت —

ہری چُگ = جو شخص غریب آقا کو چھوڑ کر امیر کے ساتھہ ہوے —

ہرا بھرا = اس شخص سے مراد ہے جس کی قبر دھلی میں شاہ سرمد یعنی دریائی کی قبر کے برابر ہے —

بتاسہ سا گھل گیا = جلد ہی تمام ہوگیا —

اُچھال چھکا = فاحشہ عورت —

کیا ننگی نہائیگی کیا نچوڑیگی = مفلوک آدمی سے کچھہ بن نہیں پڑتا —

من بھائے مُنڈیا ہلائے = ایک چیز لینے کو دل تو کرتا ہے مگر بناوٹ سے انکار کرتا ہے —

بگلا مارے پنکھہ ہاتھہ = یہ کام کرنے سے کچھہ حاصل نہیں۔

گھن لگانے کو نہیں = نام کو بھی نہیں - بعض اصحاب لکھنؤ میں کاف مفتوح بولتے ھیں ' یہ بالکل غلط ھے —

گیند گدول = گولا بازی —

ڈیل در گنبد آواز در پھش = اس ڈیل ڈول پر یہ بزدلی —

بھوت لگا ھے = دیوانہ ھوگیا ھے —

پڑھا جن ھے = ھر بات سمجھتا ھے —

بانڈے جی تو پچھتاویں = یہ کلام اپنے حق میں مایوسی کے موقع پر استعمال ھوتا ھے —

بھل ٹھوریتے = وہ سوار جن کے گھوڑے تیز اور چالاک ھوں —

اونچی دوکان پھیکا پکوان = بے فیض امیر ' بد تقریر فاضل ' مشہور شاعر جس کا کلام بے مزا ھو ' اور ایسے ھی لوگ جو شہرت تو رکھتے ھوں مگر بے لطف ھوں -

اندھوں میں کانا راجا = اس کم علم والے کے لئے کہتے ھیں جو جاھلوں میں وارد ھو اور اپنا سکہ جما بیٹھے' اسی طرح وہ عیبی آدمی جو اپنے سے زیادہ عیب والوں میں رھتا ھو —

رانی کو رانا پیارا اور کانی کو کانا پیارا = ھر شخص کو اپنا بچہ اوروں کے بچوں سے زیادہ پیارا ھوتا ھے -

اس سے کیا حاصل کہ شاہ جہان کی ڈاڑھی بڑی

تھی یا عالمگیر کی = بیجا بحث سے کچھہ حاصل نہیں-

امیر خانی = عورت نما مرد —

رذالے کالتھہ = بے ادب اور منہ پھٹ آدمی —

چل بسا = مر گیا —-

میں نے تمہاری گدھی چرائی تھی ' میں نے تمہاری چوری کی ہے = میں نے تمہاری کیا خطا کی ہے —

لے پالک = منہ بولا بیٹا ' منہ بولی بیٹی —

گُدگُدے = بھنے ہوے جوار کے دانے —

ڈھول تھمکّا = باگڑ کا ملک جہاں سے اکثر رنڈیاں آتی ہیں-

چومکھے کے ہاتھہ = مجلس میں چاروں طرف پھبتیاں اڑانا -

گھی کا کُپا لُڑھ گیا = بڑا رئیس مر گیا -

دھوم دھام = شان و شوکت -

دھما چوکڑی = ہنگامہ [ہنسی خوشی کا] -

کھیت چھوڑ گیا = بھاگ کھڑا ہوا -

ٹھکانے لگا ' کام آیا = مار ڈالا گیا -

تصدق ہوا = حسب صدر ' مگر امیروں کے سامنے -

بڑا سورھے = یہ بہت شجاع ہے —

دوکھنا = کسی کے عیب اسی کے منہ پر بیان کرنا —

کیا درزی کا کوچ کیا مقام = غریب آدمی جب اور جہاں چاہے چلا جاے ' اس کے سفر کے لئے بکھیڑا

نہیں کرنا پڑتا۔

بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ = یہ اس وقت کہتے ہیں جب ایک شخص کسی سے ناراض ہو اور دوسرے شخص کے ساتھ مل جاے اور یہ شخص اول شخص کی دوستی سے آزردہ ہو۔ [آج کل اس کا محل استعمال یہ ہے کہ جب کسی شخص کی نسبت اس کے بیٹے سے زیادہ تکلیف پہنچی ہو، اسی طرح نائب منیب، بڑا چھوٹا وغیرہ سے]۔

ناک چنے چبواے = نہایت تنگ کیا۔

گھڑی میں گھڑیال ہے = ایک لحظے میں زمانہ بدل جاتا ہے۔

جو گرجتے ہیں سو برستے نہیں = جو بہت شیخیاں بگھارتے ہیں کچھ نہیں نکلتے۔

دیکھا ہوا ہے = آزمایا ہوا ہے۔

پھونک پھونک پانؤں رکھتا ہے = ڈر ڈر کر چلتا اور کام کرتا ہے۔

چوڑ ہے = مسخرا اور مکار ہے۔

بات کا بتنگڑ بناتا ہے = بہت متفنی ہے۔

ہتھیار ہونا = لڑائی ہوجانا۔

ٹوپی والے = ولایتی (انگریزی) فوج سے مراد ہے۔

گھوڑی والے = دکن کی فوج سے مراد ہے۔

پٹھان زا = شاہ ابدالی اور اس کی اولاد سے مراد ہے۔

کئی دن تم نے بھی چام کے دام چلاے = تم نے بھی جلد ختم ہونے والی دولت کے دنوں میں جو نہ کرنا تھا کیا۔

چھل جھپٹا = لوٹ مار۔

پلک دریاؤ = سخی، بڑے دل والا۔

لے جا اب دریا کی ککڑیاں = دھلی کے ککڑی بیچنے والوں کی آواز۔

ھوتا سوتا = زندہ اور مردہ اھل کفواور قرابتی۔

شایستہ خاں کا پوتا = متکبر آدمی۔

کاریگر، خلیفہ، استاد = نائی، اصلاح بنانے والا۔

کاریگر، خلیفہ، خاص پز = باورچی۔ خاص پز، اصل میں خاصہ پز تھا۔ 'ہ' اڑ گئی۔

اسی طرح 'دیوان پن' کی 'ہ' کثرت استعمال سے غایب ہوگئی، جن لوگوں نے دھلی نہیں دیکھی ہے وہ 'دیوانہ پن' کہتے ھیں۔

سپردار = ساز بجانے والا۔

ڈومنی پن = معشوقوں کے لبھانے کے انداز، میر حسن نے سحرالبیان میں 'ڈومن پن' باندھا ہے، شاید عورتوں کی زبان میں یہ ٹھیک ہو۔

ھمارا لہو پیو = قسم دینے کی جگہہ بولا جاتا ہے،

لیکن زنان ملتری یا عورتوں کی زبان ہے -

دھورو فاعل = عورت نما مرد لباس اور حرکات و سکنات کے لحاظ سے -

بڑھیا کا کاتا جوان کا کھاجا ' یا تماشا = ہندوستان کی ایک مٹھائی جو باریک تاگوں کی سی ہوتی ہے -

بور کے لڈو = شاہ جہان آباد میں ایک شخص لکڑی کے برادے کے لڈو بناتا تھا اور اس کو بیچتے وقت یہ صدا لگاتا تھا :- " کھائے گا سو پچھتائے گا اور نہ کھائے گا سو پچھتائے گا - بعضے 'بور' سے گیہوں کے آٹے کی بھوسی مراد لیتے ہیں —

ڈھلتی پھرتی چھاؤں کبھی ادھر کبھی اُدھر = دولت کبھی ایک کے قبضے میں ہوتی ہے کبھی دوسرے کے —

بھوجلا پہاڑی کے پتھر کھاؤ = یہاں کھانے کی کوئی چیز نہیں ' ہاضمہ قوی ہے تو بھوجلا پہاڑی کے پتھر کھاؤ —

بلبلیّہ ہوں بلبلیّہ ہوں - شادیاں مبارک ! اُردو کے بھانڈ اول نقل یا ناچ کے شروع میں کہتے ہیں ' اور جگہ کے نقال بھی ان سے سیکھ گئے ہیں —

سلطان جی = حضرت نظام الدین ولی سے مراد ہے جن کو اُردو میں نظام الدین اولیا کہتے ہیں —

فلانے کو دن لگے ہیں = اُس کی مُوت کے دن قریب

آئے ہیں۔ 'پر لگے ہیں' بھی اسی معنی میں آتا ہے۔

چھونٹی کا بل = تلک اچکہ —

تنکے کی اوت پہاڑ ہر چیز میں ایک ڈھکی چھپی کیفیت ہوتی ہے —

آنکھ اوجھل پہاڑ۔ معنی حسب صدر —

اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو آپ کو سمجھتا ہے = ہر مغرور شخص اپنے سے زیادہ زبردست شخص سے ٹھیک ہوتا ہے —

تم گودڑوں کے لعل ہو' پوتڑوں کے امیر زادے ہو = باوجود ناداری کے سب کو عزیز ہو —

دبڑو گھسڑو = عاجز' بیچارا —

تیرے پانؤں تلے گنگا بہتی ہے = تمام روئے زمین تیرے قبضے میں ہے —

چوھے کے بل میں گھسا چاہئے = اس شخص کے خوف سے کہیں پناہ ملنی چاہئے —

تین تیرہ ہو گئے = متفرق ہو گئے —

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے = راز دار طرف ثانی پر جو چاہے آفت لا سکتا ہے —

سب ماہیں پر لنگوٹیا نہ ملے = پرانے دوست سے جو سب باتیں جانتا ہے ڈرنا چاہئے —

آگ لگتے جھونپڑا جو نکلے سو لاؤ اس فارسی مثل کا قایم مقام ہے ' 'از خرس موئے بس است ' ـــ

بھس میں چنگی ڈال جمالو دور کھڑی = چغل خور اور فتنہ پرداز آدمی کے نئے آتا ہے جو دو شخصوں کو لڑا کر آپ الگ رہتا اور ان کا تماشا دیکھتا ہے ـــ

بچھوا کھونٹے کے بل کودے کم زور آدمی حمایتی کے زور پر فوں فاں کرتا ہے --

لکڑی کے بل بندری ناچے = حسب صدر ـــ

پانچوں انگلیاں گھی میں تر ہیں = بہت آسودہ اور فارغ البال ہے ـــ

نچوڑ بات کا = خلاصہ سخن ' لب لباب ـــ

بکھلایا گیا = حواس پریشان ہوگئے ـــ

سقے کی بادشاہی = چند روزہ دولت ـــ

اندھی بادشاہی = بچوں کا کھیل ' جس میں ایک کے سر پر چادر ڈال کر چپت لگاتے ہیں ـــ

ماتھا گلقند = احمق ـــ

آپ بابو منگتے باہر کھڑے درویش = خود جس کے پاس کچھ نہیں دوسرے کو کیا دے سکتا ہے ـــ

فلانے کا فلانا مائی باپ ہے = اس کی پرورش کرتا ہے ' سزا دینے والے کے لیے بھی آتا ہے ـــ

چل چلاؤ = کوچ۔

کٹ مستا = ہٹا کٹا ، بے فکر —

چھوٹا باسن چھلک پڑا = بے وقوف آدمی تنک ظرفی پر آیا۔

نسا جال = پیچ در پیچ —

گورکھہ دھندھا = ایک قسم کے شعبدے کی چیز —

بھول بھلیاں = شاہ جہان آباد میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب ایک مکان ھے جو رائے پتھورا نے بنوایا تھا ، اس میں بہت سے دروازے تھے اجنبی شخص جو اس کے اندر سیر کو جاتا ھے اسے باھر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا - (کاک ایک چھوٹی سی نان کو کہتے ھیں جو قطب الاقطاب کھایا کرتے تھے - اب یہ اس درگاہ کا تبرک ھے) —

کوّا گہار = نامردوں کا مجمع —

مانگی دھار = وہ سپاھی جو دوسرے کا نوکر ھو —

قطامہ = بد خصلت اور بے حیا عورت —

ھلاکو = ظالم۔

نادر شاہ کاسا حکم = قوی حکم جو سخت اور اٹل ھو۔

مکر چاندنی = وہ چاندنی جو صبح کے قریب ھوتی ھے۔

جی دان = جان بخشی ۔

کنیا دان = وہ روپیہ جو کسی کو اس کی بیٹی کے

بیاہ کے لئے دیں ۔

بخشی کا دھلکر = زبردست ، بے فکر ۔

چہلا = بجلی۔

کھٹواٹی پاٹی لے کر پڑ رہا ہے = نہایت خفگی اور آزردگی میں ایک کونے میں پانو پھیلاے بیٹھا ہے ۔

یہ بیل منڈھے نہیں چڑھنے کی = یہ کام نہیں ہوگا ، اس کا انجام اچھا نہ ہوگا ۔

مجھےمول لے کے چھوڑ دیا = مجھ پر بہت بڑا احسان کیا۔

بڑے بول کا سر نیچا = ہر بڑبڑیے اور خود سر کا انجام ندامت ہے ۔

بو آتی ہے = بد بو آتی ہے ۔

تکوری = وہ چوب جس سے نقارہ بجاتے ہیں ۔

میری بلا جانے = میں کیا جانوں ، میری جوتی وغیرہ اور مبتذل الفاظ کے ساتھ بھی آتا ہے ۔

پھلا پھولا = خوش و خرم ، صاحب اولاد ۔

راون کا بچا = زبردست ، متکبر شخص ۔

بڑی بات ہوئی = بہت اچھا ہوا کہ ایسا ہوگیا ۔

بھلا صاحب = خود بھگتو گے ، بہت خوب ، بھی اسی معنی میں آتا ہے ۔

✓ کلھیا میں گڑ پھوڑ رہا ہے = سب سے الگ چھپا کر کوئی

کام کرنا یا کانا پھوسی کرنا -

جنگل میں مورنا چا تو کس نے دیکھا = (کن نے دیکھا' فصیح اردو ہے) اگر دوستوں اور همسروں سے دور کسی کو دولت و ثروت ملی تو اس میں کیا لطف' کیونکہ ترقی کی خوشی اور حظ اپنے هم چشموں میں هوتا ہے -

زید عمرو کی تانگ تلے سے نکل گیا = یعنی اس کے کمال کا اقرار کیا —

گولی بچا گیا = مشکل کام سے هاتھه اٹھا لیا'' صاف نکل گیا' بھی اسی معنی میں آتا ہے -

آپ کا بول بالا رہے = آپ کی بات مجلسوں میں قبول ہو - آپ کا مخالف همیشه مغلوب رہے -

باگ موڑنا = چیچک کے دانوں کا مرجھانا -

بڑا بچھو ہے = نہایت کیلہ ور ہے -

سانپ کھلانا = ایسی آقا کی نوکری جو کٹھور' مغلوب الغضب هو اور کسی کی نہ سنے -

مسافر آ اُترا ہے = کسبی عورتوں کے حاملہ ہونے کے معنی میں -

چکا چوند = اندھیرا روشنی سے ملا ہوا -

جوگی کا کے مہت = بے ٹھکانے آدمی کسی سے نہیں پتیا تے -

پشم پر مارتا هوں = دھیان تک میں نہیں لاتا هوں -

غریب کی جورو سب کی بھابی = یعنی مسکین بے زبان

آدمی جسے ہر کوئی جو اس کے جی میں آے کہہ سناے اور وہ جواب نہ دے سکے -

اندھے کی جورو کا اللہ بیلی = بیوقوف کا مال جو چاھے اڑا لیتا ھے -

شیخ کیا جانے صابن کا بھاؤ = وہ آدمی اس چیز کی قدر اور کیفیت کیا جانے -

گدھا کیا جانے زعفران کی قدر = مطابق صدر -

رخ نہیں ملاتا = ادھر منہ نہیں کرتا - متوجہ نہیں ھوتا-

اس کی ناک مروڑ ڈالوں گا = اس کو خوب ٹھیک بناؤں گا تنبیہہ کروں گا

چلے پر مل والا ھے ' دال موٹھہ والا ھے ' لونگ چڑے والا ھے = بہت ذلیل اور کم شخص ھے-

دھلی کے بازاروں' محلوں وغیرہ کے نام | تگنبود کا گھاٹ (قلعے کے مغرب کی جانب کا جمنا کا گھاٹ) ' سلیم گڑہ (شیر شاہ افغان شاہ ھند کے بیٹے اسلام شاہ کا بنایا ھوا قلعہ ' چونکہ اسلام شاہ سلیم شاہ کے نام سے مشہور ھے' اسلام گڈہ کو سلیم گڈہ کہنے لگے) ' چاوڑی ' چوڑاھٹ ' گلاب باڑی ' وکیل پورہ ' چتلی قبر ' سید حسین خاں کا بازار ' شاہ کلن کی ڈگڈگی ' ترکمان دروازہ ' بیرم خاں کا تراھہ ' خلیل خاں کی کھڑکی ' فراش خانہ کی کھڑکی ' لال کنواں '

قاضی کا حوض ' جوھری بازار ' چاندنی چوک ' فتح پوری کی مسجد ' جان نثار خاں کا چھتا ' کشلک نرور کا چھتا (عوام خوش نرور کا چھتا کہتے ھیں اور جو قابلیت دستگاہ ھیں وہ کوشک انور کا چھتا کہتے ھیں یہ دونوں غلط ھیں کیونکہ 'کشلک نرور' مارواڑ کے راجہ کی رانی تھی اور یہ عمارت اُسی سے منسوب ھے) ' شیر بیگ کا چوترا ' گولک کا چوترا ' روز بھائی پورہ ' کٹھہ گڑہ ' مغل پورا ' سبزی منڈی ' گھوڑے نخاسں ' مٹھائی کا پل ' تیلی واڑہ ' نائی واڑہ ' روشن پورا ' پہاڑ گنج ' جشن پورا ' امام کی گلی ' تمبا کوکی منڈی ' بلی ماروں کا محلہ ' مہادیو کا پیپل ' شاہ بولا کا بڑ ' دب گروں کا محلہ ' سعداللہ خاں کا چوک ' خاص بازار ' فولاد خاں کا کوچہ ' چیلوں کا کوچہ ' نیا بانس ' کشمیری دروازہ ' زینت باڑی ' کنچنوں کی گلی ' دارا کا طبیلا ' عربوں کی سرا ' چے سکدھہ پورا ' تہکا ھزاری کا پھاٹک ' مصری خاں کا پھاٹک ' تیل کا کٹرا ' بیگم کا باغ ' برجناتھہ کا کوچا ' گھاسی رام کا کُوچا ' مہاجنوں کا کوچا (اس کا نام مہاجانیوں کا کوچا مشہور ھے) ' قدم شریف ' شاہ مرداں ' ایک ٹنگی نہر ایمان کا کٹرہ (بعضوں کے نزدیک رایمان کا کوچہ) ' سہر ندیوں کا محلا ' بجواڑیوں کا کوچا '

لاھوریوں کا محلا ، گندی گلی ، پلنج پیر کا تھان ، کوتھا پارچہ (اس کو موید پارچہ بھی کہتے ھیں اور عوام مجید پارچہ کہتے ھیں)، جمال اللہ خاں کا پھاٹک ، دربیہ ، دارالشفا ، روشن دولا کی مسجد (عوام کی زبان میں)، سید فیروز کا بنگلہ ، مبوے کا کٹرہ ، کابلی دروازہ ، اجمیری دروازہ ، دلی دروازہ ، لال دروازہ ، براھی کا تھاں ، محبوب الٰہی ، چراغ دھلی ، خواجہ جی ، سید حسن رسول نما ، باقی باللہ ، ناچ کی منڈی ، شاہ بوے کا تکیہ ، شاہ تسلیم کا تکیہ ، تال کٹورا جوگمایا ، کا لکا ، بھیروں جی ، رنگی ھٹ ، محلدار خاں کا کترا ، پرانا قلعہ ، فیروزشاہ کی لاٹ ، شیخ محمد کی پائیں ، کسن داس کا تلاؤ (تلاؤ کے بدلے تالاب کہنا محض تکلف ھے)، ھرن منارا ، قطب صاحب کی لاٹ ، پتھورا کے محل ، ادھم کا گنبد ، بھول بھلیاں ، سلطان غازی ، جھرنا ، شاہ مرداں ، تغلق آباد ، صفدر جنگ کا مقبرہ ، ھمایوں کا مقبرہ ، خانخاناں کا مقبرہ ، کوکا نوے کی ماتا ، فرید آباد کی براھی ، املی کا محلا ، چوڑی والوں کی گلی ، سیتا رام کا بازار ، ماھی داس کا کوچہ ، بھوجلا پہاڑی ، مٹیا محل ، پھرندی کا نالا ، پتھر کا کنواں ، بادل پورا ، بہادر پورا ، موتھہ کی مسجد ، اسد خاں کی بارہ دری ، خان دوراں کی حویلی ،

امیر خاں کا بازار، قابل عطار خاں کا کوچا، جٹ پورا، سعادت خاں کا کوچہ، محتسب کی مسجد، کشمیری کٹرے کی مسجد، زینت المساجد، جما مسجد (جمعہ مسجد، اسے مسجد جامع بھی کہتے ہیں)، نواب بہادر کی مسجد، شاہ ابوالعدل، میرزا جانجاناں صاحب، خواجہ میر درد صاحب، مولوی نظر محمد مرحوم، مولوی فخرالدین صاحب، میاں سید خاں، دولھا بھتیارے کے محل، کھجور کی مسجد، نیچہ بندوں کا کوچہ، سبز ڈنڈاں، پنڈت کا کوچہ، ہیجڑوں کا کٹرا، دائی پورا —

مندرجۂ بالا دهلی کے محلوں اور بزرگوں کے نام هیں ان کے سوا اور بھی بہت سے محلے اور بزرگ هیں لیکن اختصار سے کام لیا گیا —

زبان دهلی کے محاورے

چوری کا گڑ میٹھا = مفت کے مال میں بہت مزا آتا ہے —

بازار کی مٹھائی = بازاری عورتیں -

قوال = نظام الدین اولیا کی درگاہ کے مطرب -

شیر مادر — جایز اور حلال چیز -

چوکھا = خوب -

جماگی = جو لڑکے تمباکو وغیرہ کے واسطے اپنے مکتب کے میاں جی کو جمعرات کے دن دیتے هیں -

پھیلک = باہم گتکے کی ورزش ' اسے لکڑی [اور پکھیکی]
بھی کہتے ہیں -

ایکلگ = پھری کے بغیر صرف گتکے سے لکڑی کی ورزش -

دوانگ = پھری کے ساتھہ پھکیتی -

پھری = نمدے اور چمڑے کی بنی ہوئی ڈھال ' معمولی
سپر سے چھوٹی -

پھڑی = پتھر اور اینٹوں کا ڈھیر -

پوری نہیں پڑتی = فایدہ نہیں ہوتا [آمدنی میں
خرچ پورا نہیں ہوتا] —

حرامی پلا = بد طینت شخص ' پاک ذات کا لفظ بھی
اسی معنی میں مستعمل ہے —

گودڑ خیل (یاے مجہول) = کوئی گھٹیا اور نکمی چیز -

تیرے پدر کو خبر نہیں = تیرے فرشتوں معلوم نہیں '
تجھے کچھہ خبر نہیں —

آٹھوں گانٹھہ کمیت = پختہ کار آدمی -

پلنج عیب شرعی ' مادر پدر بیزار = عیبی اور ناہموار شخص -

ملہ سے تو پھوٹو = کچھہ بولو تو! -

جوڑی ہے برخوردار ہے = دونوں نالایق ہیں -

پانی پت کے رہنے والے ہیں = نرم اور میٹھے ہیں -

دائی کے سر پھول پان = بیچارے مسکین آدمی پر ہر

تہمت تھپ جاتی ہے اور ہر بلا آتی ہے -

هبیلے کی بلا بندر کے سر ـ بدنام آدمی کے سر هی تہمت جاتی ہے ' اور بشرح صدر —

مچھی = بوسه (یه لفظ اب متروک ہے) -

زیر مشق = کسی کا تابع یا پٹا ہوا-

دونوں ٹانگوں میں سر کردوں گا = تجھے سزا دوں گا'

بال چھتری = اورنگ زیب بادشاہ کی دستار —

پردہ = تانت کے تار جو ستار پر باندھیں -

سندری = ستار کے لوہے کے تار —

رفو چکر میں آجانا = حیران ہونا -

لٹو ہوگیا = عاشق ہوگیا —

پانی پانی ہوگیا = عرق عرق ہوگیا ' پسینے پسینے ہوگیا (اور ہوا) = بہت شرمندہ ہوا —

فجر کا بھولا شام کو گھر آوے تو اسے بھولا نہیں کہتے = اگر کوئی نادانستہ برا کام کرے اور پھر اسے چھوڑ دے تو گنہگار نہیں ٹھیرایا جاتا -

ہونٹوں کی مسی پونچھو = یه فقرہ بانکوں کی بولی کا ہے جو وہ اپنے نوجوان حریف سے کہتے ہیں -

بانکا ' غنڈہ = اس آدمی کو کہتے ہیں جو ٹیڑھے رستے چلے اور کسی کو شجاعت میں اپنے برابر نہ سمجھے -

کڑوا = شجاع -

نُکیلا = خوش شکل -

نَکیلا = غیرت مند -

چال ڈھال = رفتار و گفتار -

دانت ہے = ارادہ یعنی خواہش ہے ، قتل اور غارت کے لئے بھی آتا ہے —

دودھ سے مکھی کی طرح نکالڈالنا = بالکل بے دخل کردینا -

دودھا دھاری = جو دودھ کے سوا کچھ نہ کھائے پئے —

مونچھہ مروڑنا = اس کو راہ پر لانا جو واھی تباھی بولتا ہو —

گال کاٹ کھانا = منھہ مل ڈالنا ، گردن توڑ ڈالنا ، سر دبا ڈالنا ، کمر تکی کرڈالنا = ذلیل کرنا —

بھاری بھر کم = متین شخص -

منہ لگانا = مصاحب بنانا -

دم دینا = دھوکا دینا -

کھلے بندوں کام کرنا = بے تردد کام کرنا -

فلانے کے دشمنوں کی طبیعت کسلمند ہے = وہ خود بیمار ہے -

بے طرح = ایسی چیز جو کسی کی سمجھہ میں نہ آئے —

جانی ، جانی جیوڑے = معشوق کے خطاب —

گڑ کھانا گلگلوں سے پرھیز کرنا = ایک شخص کی دوستی

کا دم بھرنا لیکن اس کے باپ یا بیٹے کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنا۔

دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر = جس شخص کے گھر میں رہنا اس شخص کے بیٹے یا مختار وغیرہ سے عداوت رکھنا۔

موتی اسامی = مالدار۔

ہاتھیوں کے ساتھ گنے چوسنا = زبردست آدمی سے ہمسری کرنا۔

باندی بلدوز = کلیز۔

کیا کتا ہے = کیا پاجی ہے۔

ایک پانچ کوزیاں نیاز حضرت نظام الدین اولیاء کی = دارالخلافہ کے بعض فقیروں کا سوال۔

نظر گزر = نظر بد۔

دلی کا لڑکا ہے = دہلی کا رہنے والا ہے۔

تھالی پھرتی ہے = آدمیوں کی اتنی بھیڑ ہے کہ بیان سے باہر۔

کھونٹی مروڑی = سزا دی، گوشمالی کی۔

تاج = ٹوپی = (شہر کے آزادوں کی زبان میں)۔

اس کا پیالا ہوا = وہ مر گیا (یہ بھی آزادوں کی زبان ہے)۔

ککڑی کے چور کو گردن نہیں مارتے = ایک گناہ جو کسی سے بھول میں ہو جائے تو کشتنی نہیں ہوتا۔

بوٹے ساقد = سہاقد۔ قد رعنا، بعضے بوٹا ساقد کہتے ہیں۔

تمہارے واسطے تو کنوؤں میں بانس ڈالے = تمہاری بہت تلاش ہوئی -

پنیری = چھوٹے پودے، نئی پود، وہ اسباب جو باپ دادا سے ترکہ میں ملا ہو -

چرخ چڑھنا = اپنے کو اعلیٰ درجے پر پہنچانا -

اُودبلاؤ = احمق -

جھاڑ جھنکار = بڑے اونچے اور گھن کے درخت -

اُونٹ = لمبے قد کا آدمی —

شش و پنج میں پڑا ہے = سخت تردد میں ہے —

تھرکنا = بدن کے اعضا کو ہلانا -

مٹکنا = آنکھ، بھوں اور دونوں کندھوں کو حرکت دینا -

ڈلو = کم عقل آدمی -

بورچی = باورچی -

بوندگیا = نظر سے دور گیا -

جی کا بٹ جانا = پریشان خاطر ہونا -

چھن چین کرتا ہے = بہت شور کرتا ہے —

ننگا منگا = کپڑوں کے بغیر، برہنہ -

بائیں بکّل = دوپٹہ سے عورتوں کا جسم کو سجانا -

بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے = بند بند سے نچّیاپن ظاہر ہوتا ہے -

منہ لے اسے خوب جھاڑا = اُسے خوب ہی شرمندہ کیا -

ہمارا اُن کا ڈانڈا میلتا ہے = ہمارے اور ان کے پیدا ہونے اور رہنے کی جگہ پاس پاس ہے -

بارہ باٹ اٹھارہ پیلتے پھرا ہے = کار آزمودہ آدمی ہے -

دانت پر میل نہیں = نہایت بے مقدور ہے -

سیانا کوا گو کھاتا ہے = مکار آدمی لالچ سے مصیبت میں پھنس جاتا ہے -

کبوتر باز ' جوہری = مردم شناس -

قصباتی ' گنوار ' باہر بندو = احمق -

قسم کھانے کو جگہ رہی = دل تو اس کام کو نہیں چاہتا لیکن تکلف سے یاروں کے شریک ہوگیا -

لہولگا کے شہیدوں میں مل گیا = اس کام کی لیاقت ذرا نہ تھی صرف بزرگوں کا تتبع کیا -

فنچی پارہ = چقری جو لڑکے کھیل کے لئے بناتے ہیں -

بڑا پتھر نہ اٹھہ سکے تو تیں سلام کر کے چھوڑ دیجیے = جو کام نہ ہوسکے اسے چھوڑ دیا جائے —

پتھراؤ کیا = سنگسار کیا -

چمار چودس = نالایقوں کا مجمع -

گھرول = ہجوم -

کلکلی بی بی = مسی بیچنے والی عورت -

کچ کچاہٹ ' مچ مچاہٹ = عاشق کی کمال خواہش

بوس و کنار کے لئے -

گد گداهٹ = بیقراری -

میلا هے = رنجیدہ هے -

سونے کے سہرے سے بیاہ هو = شادی کے لئے نیک دعا -

فلانے کے سر سہرا هے = اس کے نام فتح هے ' یہ کام اُسی سے هوگا -

مٹ گیا ' بیٹھہ گیا = تباہ هوگیا -

چمکا رهتا هے = بنا سنورا رهتا هے -

اُجلا رهتا هے = حسب صدر -

میلا رهتا هے = مفلس هے -

بھلے کو میں تمہارے پاس آیا تھا = اچھا هوا -

مفلس کا مال هے = شہر کے دلال اس صدا سے غریب آدمی کا مال بیچتے هیں تاکہ خریدار سستا سمجھہ کے مول لے لیں -

ان کی دم میں نمدا باندهو = ان سے کچھہ تعلق نہ رکھو -

گھور چڑھا = وہ شخص ملازم جس کی سواری کے لئے آقا کے هاں سے گھوڑا مقرر هو ' شرط یہ هے کہ سپاهیوں میں نوکر هو ' ورنہ یوں تو امیروں کے مصاحب بھی آقا کے گھوڑوں پر چڑهتے هیں -

پٹھا = پہلوانوں کا نیا شاگرد ' نوجواں شخص کو

بھی کہتے ہیں -

دنداں مصری = نازک بدن مرد ' ایک مٹھائی جو بچوں کے لئے بناتے ہیں -

رنڈی = کسبی عورت -

نایکہ = کسبی عورتوں کی مالک یا کار پرداز -

بجلٹری محال ' چکلہ = کسبی عورتوں کا محلہ -

زوٹ مارے جاتا ھے = منھہ سیئے اور سانس چرائے جاتا ھے [تاکہ کوئی دیکھہ نہ لے] -

کڑا کڑ بولتی ریوڑیاں ' یا فلا بیاں ' مکھڑا گلاب ریوڑیاں ' (نیز ریوڑئیں) = ریوڑی والوں کی آواز جو پھیری پھرتے ہیں -

شاہ مرداں کی للڑیاں = گاجریں -

برسے کا برساوے کا دمڑی سھر لگا ویگا = مینھہ کے شروع ہونے کے وقت لڑکے چیخ چیخ کر آواز لگاتے ھیں —

بہشت کا میوا = انار —

گھیرے کا انار = شہر کے قریب ایک جگہ کا نام گھیرا ھے -

بندھیج = انتظام -

رگڑا جھگڑا = مناقشہ -

رگڑا = بھنگ گھوٹنا —

تیز ' گرم ' چالاک = شوخ چالاک اور تیز فہم شخص -

میر شکار = شکاری جانوروں کا محافظ جیسے باز، بحری، جرّہ، چرغ اور شاہین وغیرہ، مردم شناس آدمی کےلئے بھی آتا ہے۔

اٹھائی گیرا = چوری سے غافل آدمی کی چیز اٹھا لیجانے والا۔

صبح خیزیا = وہ چور جو سرائے میں مسافروں سے پہلے جاگے اور ان کا اسباب لے کر چلتا بنے۔

آدھی مرغی آدھی بٹیر = جس آدمی کی دو زبانیں دو، اوصاف یا دو مسلک ہوں، یعنی کبھی شیعہ اور کبھی سنی، کبھی بڑ پن اور کبھی بچپن کا کام کرے، یا آدھی عبارت ہندی اور آدھی فارسی عربی وغیرہ بولے۔

اہل سنت کا فرقہ تفضیلیہ جو علی علیہ السلام کو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے اچھا جانتے ہیں۔

بڑے خزانے کی خیر = شاہی خزانے میں توفیر ہو۔

خزانہ کلاں = شہدوں کی اصطلاح میں بادشاہ ہند کے خزانے سے مراد ہے۔

شہدہ | شہدہ وہ شخص ہے جو سر ننگا اور پیر ننگا ہو اور لوگوں کا بوجھ سر اور کندھے پر اٹھائے، یہ الفاظ بے تکلف شہدوں کی زبان پر ہوتے ہیں:

ابے، او، اوبے، بچا، ایسے تیسے، سالے وغیرہ۔

شہدہ ہر فرقے کے لوگوں کا کام کرتا ہے اور مزدوری کی اُجرت کے سوا اور کسی چیز سے واسطہ نہیں رکھتا،

اگر لاکھہ روپیے اشرفیاں یا جواہر کے عدد ایک سونے مکان میں رکھے ہوں اور شہدہ وہاں اکیلا جانکلے، حالانکہ کوئی نگہبان بھی نہ ہو تو شہدہ کسی چیز کو ہاتھہ نہ لگائے گا - ان لوگوں کے جتھے شہر کی جامع مسجد کے قریب خصوصاً چاوڑی میں ملتے ہیں- بلکہ شہدہ کا کمال یہ ہے کہ اسے جامع مسجد کا شہدہ کہیں، یعنی جما مجسد کا شہدہ - شہدوں کے نام بھی انوکھے ہوتے ہیں اور ان کا لہجہ بھی عجیب ہوتا ہے جیسے کرگچ، جما، بدھوا، روشن چراگ، مادا، دھموا، جھموا، راجی خاں، نہال بیگ، میر آسوری، خوجی کلاں، شیخ رانجھے، ابوالمالی، دھول محمد، کپور خاں، وغیرہ - یہ ان حضرات کے نام ہوتے ہیں، اب ان کی گفتگو کا طرز ملاحظہ ہو:-

شہدوں کی زبان

"ابے دیخ تو بچاآں نبی صاحب کی سوں کیسا سبجوں گا تھاری سب باتیں میں ہیں جانتا ہوں مجھکو بھی نواب صاحب جانتے ہیں کل بھی جما بھٹیارے کی دکان پر مجھے دیخ کر ھنس دیا میں نے کہا اودولاخیر آپ بولے وابے بچا تیرے دموں پر لتھہ" -

یہاں تک شہدوں کی زبان اردو سے خصوصیت رکھتی

ھے ' یعنی شاہ جہان آباد کے شہدوں کے سوا اور کہیں
کے شہدوں کا یہ لہجہ سننے میں نہیں آیا - جب کوئی
شامت کا مارا اور آوارہ پنجابی ان کی منڈلی میں آ داخل
ھوتا تو ھے اس کے لہجے کی یہ صورت ھوتی ھے :-

" ابے دیخ تاں بچا آھاں نبی صاحب کی کسم کیسا
سمجھانگا تُھاری سب باتاں میں ھیں جانڑتا ھاں
مجھکو بھی نواب صاحب جانڑے ھیں کل بھی
جما بھٹیارے کی دکان کے اوپر مجھکو دیخ کے ھنس
دیا میں نے کہا اودولھا کی خیر آپ بولے کہ
واہ بے بچا تیرے دموں پر لتھہ " —

اور فلک زدہ پوربی کا لہجہ ایسا ھے .

" ابے دیخ تو بچا آنہ نبی کی سوں کیسا
سمجھونگا تُھاری سب باتیاں میں ھی جانا تا ھوں
مجھکو بھی نواب صاحب جاناتے ھیں کل بھی
جما بھٹیارے کی دکان پر مجھے دیخا کے ھنس
دیا اور میں نے کہا اودولھا کی خیر آپ بولے کہ
وا بے بچا تیری دموں پر لاتھہ " .—

— * —

دوسری فصل

دھلی کی خواتین کی زبان اور محاورے

زبان کے طالبوں کو بتانا ہے کہ شاہ جہان آباد کی عورتوں کی زبان مردوں کے سوا سارے ہندوستان کی عورتوں کی زبان سے فصیح ہے - ان کی ایک اپنی ہی زبان اور اسلوب ہے - جو لفظ ان میں رواج پا گیا اردو ہو گیا خواہ وہ عربی ہو یا فارسی، سریانی ہو یا ترکی پنجابی ہو یا پوربی، مارواڑی ہو یا دکھنی، بندیل کھنڈی یا کہیں کا ہو —

رنگین اور ریختی

سعادت یار خاں 'رنگین' تخلص خلف طہماسپ خاں جو دوستداری کے شعار اور سپاہگری و شجاعت وغیرہ مردانہ اشغال میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اس کو پردہ نشین مخدرات سے واسطہ رہا ہے - ایک جز اس نے اپنی تالیف کی ہوئی کتاب میں اُن کی زبان میں لکھا ہے بلکہ اسی زبان میں ایک دیوان بھی کہا ہے - وہ 'ریختی' کا مُوجد ہے اور اس دیوان کا نام بھی ریختی رکھا ہے - یہ سچ ہے کہ اس زبان (ریختی) میں ہندی شعر کا موجد خان مذکور ہے - راقم آثم یہ اصطلاحیں وہیں سے نقل کرتا ہے کیوں کہ موصوف میرے سچے اور مخلص دوستوں میں ہے اور راقم کو باوجود ہیچمدانی کے مسلم الثبوت اور گزشتہ اور حال کے شاعروں میں بہتر سمجھتا ہے - اس لیے

افسوس کی بات تھی اگر اس دوست کے ذکر خیر سے یہ نادر کتاب خالی رہتی —

زنانہ محاورے	الوسٹ = مست ، نشے میں چور —
	ات گت = بے حد ، نہایت —

اُدھل گئی = بد کا رہو گئی —

اُشغلہ = طوفان ، بہتان —

آٹھ آٹھ آنسو روئی = زار زار روئی —

اوپروالا ھوا = نیا چاند نکلا (چاند کو اوپر والا بولتے ھیں)-

اُوپر والیاں = چیلیں —

اُجلی = دھوبن -

اچھوانی = چند دواؤں کا جوشاندہ جو وضع حمل کے بعد زچہ کو دیتے ھیں —

اھلی گھلی پھرتی ھے = اتھلاتی اور خوش خوش پھرتی ھے —

اڑ جائے = مر جائے —

آتو جی = پڑھانے والی ، اُستانی (خلیفہ ، خلیفہ جی بھی بولتے ھیں) —

ایک آنکھ نہ بھایا = ذرا بھی نہ بھایا —

ان گنا مہینا = حمل کا آٹھواں مہینا —

ان گنا برس = آٹھواں برس —

اکل کھری = جو عورت اکیلی بیٹھی رھے اور عورتوں کی صحبت پسند نہ کرے —

الایچی ' دگانہ ' زناخی ' دوست ' سہ گانا ' گوئیاں ' واری ' خاصی ' پیاری = (ان کلموں کا مفہوم تو ایک ھے لیکن معنی کے مراتب میں فرق ھے) ' الایچی ' دو عورتیں باھم الائچی کے دانے کھا کر ایک دوسرے کو یہ لقب دیتی ھیں - ' دوگانا ' = دو عورتیں دوھرا بادام آپس میں کھا کر دوگانا ھو جاتی ھیں - ' زناخی ' = جب دو عورتیں مرغ کے سینہ کی ھڈی جسے زناخ یا جلاخ کہتے ھیں) باھم توڑیں - ' دوست ' ' واری ' ' خاصی ' 'پیاری' = مثل سابق - ' سہ گانا ' = دوگا کی دوست - ' گوئیاں ' = یہ اھل پورب کی اصطلاح ھے اگرچہ اردو میں داخل نہیں اور بیگمات کے استعمال میں نہیں لیکن آج کل تمسخر کی طور پر بول دیتی ھیں - خلیفہ جی (پڑھانے والی) ' واری ' خاصی ' پیاری = خان موصوف کی کتاب میں نہ تھے مناسب موقع سمجھ کر راقم نے بڑھا دئیے -

اردا بیگنی = ترکستان کی عورت جو بادشاھوں کے حرم کا انتظام رکھتی ھے ' ھندی میں اسے ترکنی کہتے ھیں —

بستار کرتی ھے = بات کو طول دیتی ھے —

بیٹھک = عورتیں مکان کو فرش فروش سے آراستہ کرکے اور اچھے کپڑے اور زیور پہن کر شیخ سدو، میاں شاہ دریا، یا میاں زین خاں کو سر پر لاتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک عورت ڈھولک یا سرود کی آواز پر اپنا سر ہلاتی ہے، عورتیں سمجھتی ہیں کہ شیخ سدو یا اس کے بھائیوں میں سے کوئی جن کے نام اوپر دئے ہیں اُس کے سر پر آیا ہے۔ اور دنیا کے معاملوں اور اپنی اچھی بری باتوں کی نسبت اس سے سوال کرتی ہیں —

بوبو = وہ عورت جس نے ایک شخص کی ماں یا ساس کو پالا ہو۔ اس میں اور 'چھوچھو' میں یہ فرق ہے کہ چھوچھو وہ عورت ہے جس نے ایک شخص کو یا اس کی بیوی کو پالا ہو —

بٹانا = وہ لوہے کا کڑا جس سے عورتوں کے ہاتھ میں میں چوڑیاں پہناتے ہیں —

بڑھاؤ پوشاک = پوشاک بدلو —

بڑارن = بڑ بولی بڑھیا —

بللی = بیوقوف عورت —

بڑھا = وہ عورت جو اپنے کو خواہ مخواہ دوسری عورتوں سے بڑی سمجھے —

بسورتی ہے = رونی صورت بناتی ہے —

بھلق قدمی = نحس قدم عورت —

بھونگڑا = بھدی گندی چیز —

بڑمھی = سورنی —

بتولے نہ دے = دھوکا نہ دے —

بیر سے = ضد سے —

بیر دوڑاتی ہے = موکل دوڑاتی ہے —

بوغبند = بڑا بقچہ —

باجی = بیٹی ماں کو اس نام سے پکارتی ہے ' خاص کر پہلوتی کی بیٹی جو شروع جوانی میں ہوئی ہو اور اس وجہ سے ماں بیٹیاں بہنیں معلوم ہوتی ہوں۔ اس صورت میں ماں کو باجی کہہ کر پکارنے کا دستور ہے —

بڑبھس لگا ہے = عورت کو بڑھاپے میں مسخرہ پن سوجھا ہے —

بھدرک تمھاری بات میں نہیں = تمھارے کلام میں استقلال یا وثوق نہیں —

بھنکٹی = بد بخت —

بر کی ماری = جادو کردیا ' منتر پھونکا —

بیلی = بے مزا عورت —

بھستل = گندی عورت —

بڑھیل = بڑھیا اور بکنے والی عورت -

بخشو ھمیں = معاف کرو -

بھتہائی ھے = تھوڑی بات کو بڑھانے والی ھے، اصل میں پنجابی ھے لیکن اردو میں بھی مستعمل ھے -

پھاپھا، فرھاد کُس = کُٹنی، دلالہ -

پچ جانا = سوجن کا کم ھونا -

بھرول دیا = کھول دیا، افشا کردیا، بکھیر دیا، یہ بھی اھل پنجاب کی اصلاح ھے -

پڑیاں = دو قسم کی ھوتی ھیں ایک تو یہ کہ شیرینی پر بی بی کی فاتحہ دلاکر بانٹ دیتے ھیں اور دوسرے سیندور اور عبیر کی پڑیاں اُن کے نام پر اُتارا دیتے ھیں -

پھوٹ = تجھہ پر خدا کی لعنت -

پیچا = بلا -

پھنڈیاں = بتیس دواؤں کو کُوٹ کر لڈو بناتے ھیں اور جاڑوں میں کھاتے ھیں -

پگڑی والا، چیرے والا = حکیم سے مراد ھے -

پانوں بھاری ھے = حاملہ ھے -

پچھائے * = انگیا کی آستینوں کے پاس کے کھڑوں

* محاورۂ حال میں 'پچھرے' کہتے ھیں -

کو کہتے ہیں -

پیٹی = چھوٹی پٹاری ، صندوقچہ جیسی لمبی چیز کو بھی کہتے ہیں -

تو تو = زبان -

تھل بیٹھو = آرام کرو -

تھگلی = پیوند -

تار بتار کردیا = تار تار کردیا -

تھتکاریاں = بیزیاں -

تلپٹ کردیا = برباد کردیا -

تھرے کارن تیرے باعث ، یہ لفظ بھی دوسری زبان (جگہ) کا ہے -

تکادر = بیگمات کی اصطلاح میں دایہ کے شوہر کو کہتے ہیں -

تخت کی رات = شب عروسی -

تہس نہس کیا خاک میں ملادیا ہے -

توتیے جوڑتی ہے = جھوٹی تہمتیں باندھتی ہے -

لولی = محرم یعنی سینہ بند کی کٹوریوں کا کپڑا -

تھندیاں نکلی ہیں = چیچک نکلی ہے -

جل جوگلی = چھل ، اور جونک -

جلے پانوں کی بلی = وہ عورت جو بے کام گھر

ہر پہرے -

چیا = دایہ کو بھی کہتے ہیں اور اس عورت کو بھی جو بجاے دایہ ہو -

جی بھاری نہ کر = مت رو -

جھلکا - کسی کے چہرے کے قریب آگ پہنچنا -

دھتیل = بکنہ باز -

دھپسی ہے = بہت گرم ہے -

چندیا سے پرے سرک = میرے سر سے دور ہو -

چرپاک = زبان دراز [آج کل چربانک کہتے ہیں] -

چاؤ = ارمان -

چوندا = سر -

چھتیسی = بہت مکار اور عیارہ -

چواؤ = تکرار -

چوچل ہائی ہے = نخرے کرتی ہے -

حف = چشم بددور کے مقام پر مستعمل ہے -

خیلا = بدشعور ' بے سلیقہ عورت -

خشکہ کھاؤ = جاؤ ' اور خوش رہو -

دائی کو میری کوستی ہے = مجھے بد دعا دیتی ہے -

دن تل گئے = ماہواری کے ایام گزر گئے -

دو سلیھ ہنس لے = ذرا ہنس لے -

دهندلی کرتی هے دهوکا کرتی هے -

دو جی سے هے = حاملہ هے -

ددا = وہ کنیز جس کی گود میں پرورش پائی هو -

دال میں کچهه کالا هے = یه بات یا چیز قباحت سے خالی نهیں -

دونا = نیار -

دوالیں = انگیا کی کٹوریوں کے بیچ کے ٹکڑے -

دو بهر = مسکل -

دور پار = خدا نه کرے -

راج کرے یه الفت — اس الفت کو آگ لگے -

رکیلی هے = بد ذات هے -

راے میدا کی چوڑیاں = اچهی چوڑیوں کی ایک قسم -

رسی = سانپ ' سانپ کو 'ماموں' بهی کهتے هیں -

زمین دیکهی هے = قے کی هے -

زمین کا پیوند هو = خدا کرے مر جائے -

سکه بٹهاتا هے = حکم جاری کرتا هے -

سناؤنی = کسی کے مرنے کی خبر ' یه اصل میں پنجاب کا محاورہ هے ' اب بیگمات کی زبان میں مستعمل هے

[آج کل ' سنانی ' بولتے هیں]

ستهرائی = جهاڑو -

ستیا = قصہ میں لڑکی کو کہتے ہیں -

سہیلی = ہمعمر کنیز -

سنجوگ = ملاقات کا اتفاق -

سحنک = حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی نیاز کا کھانا -

سکھی = وہ عورت جو عمر، دولت اور حسب نسب میں اپنے برابر ہو -

سنکو = وہ عورت جو پردہ یا دیوار کے پیچھے سے دوسروں کی باتیں سنے -

شفتل = پلید اور بدکار عورت -

شطاح = حرام کار -

طبق = پریوں کی نیاز -

طیش میں ہے = بہت غصے میں ہے -

قدر پے کی = ہر چند تردد کیا -

کرتوت = برا کام، جادو -

کٹر = سنگدل -

کُتھلی = کان کے اوپر کے سوراخ -

کوکھ کی ٹھنڈی ہے = اولاد والی ہے -

کھرکھوج ہے = بے نام و بے نشان ہو گئی ہے -

کاکا = وہ خواجہ سرا جس کی گود میں متکلم کا باپ پلا ہو -

کھڑا دونا دونگی = مشکل کُشا کی نیاز ھاتھوں ھاتھہ دونگی -

کالے کوس ھیں = بہت فاصلہ پر ھے -

کاڑھا - چند دوائیں جو اسقاط حمل کے لیے دیں [لغوی معنی جوشاندہ] -

کشتی = وہ پیالی جس میں سر میں لگانے کو پھلیل رکھیں -

کُھرام = سخت ماتم -

کیڑیاں لگائی ھیں = جوکیں لگائی ھیں -

گھر گھالے ھیں = گھر برباد کیے ھیں -

گرج کر بولی = خوفناک آواز سے بولی -

گھگھیاتی ھے = اتنی عاجزی کرتی ھے کہ کیا کہیں -

گاج = وہ کپڑا جو پورب یا چین سے آتا ھے ' پورب میں گھاس کو کہتے ھیں لیکن یہ درست نہیں -

گلتھی ھے = بڑا دانہ جو گلے میں نکل آئے -

لکھا = غماز ' چغل خور -

لتھری = وہ عورت جو ادھر کی ادھر لگائے یعنی یہاں کی بات وھاں جا کہے اور وھاں کی یہاں آ کہے -

لبڑو = بیہودہ باتیں کرنے والی -

لو = کان کی لو ' بنا گوش -

لہو پانی ایک کیا = بہت غم و غصہ کیا -

لوتھا ہے = مستغنا ہے -

مانگ سے تھنڈی ہے = سہاگن ہے -

ماں کرتی ہے = غرور کرتی ہے -

ملیا میتھہ = برباد -

ملہہ پھوڑ کر کہا = بے شرم ہو کر کہا -

میلے سر ہے = حایض ہے -

مت اس کی ماری گئی = اس کی عقل جاتی رہی یہ بھی پنجابیوں کا محاورہ ہے -

ملہہ بھرائی = رسوت -

مغز کے کیڑے نہ اُڑا = میرا سر نہ پھرا -

مرداری = چھپکلی -

نوج ' نج = خدا نہ کرے ' نج پنجابی ہے ' اردو میں کم بولا جاتا ہے ' نوج کثیرالاستعمال ہے -

نلانویا = پچھلپائیاں ' چڑیلیں -

ناگن = بالوں کی وہ بھوری جو چوتی کے نیچے گدی پر ہو -

نکہ کی چوڑی = جوڑیوں کی ایک عمدہ قسم -

ناک چوتی گرفتار ہے = نہایت آن شان اور غرور والی ہے -

ناک چلے چبوائے = بہت آزار پہنچایا مرد بھی اسی

معنی میں بولتے ہیں -

ناک نہ رہی = غیرت نہ رہی -

ننگی شمشیر ہوں = بے محابا اور صاف گو ہوں -

ہر گاہ = ہرگز -

ہوکھا ہے = بیجا ہوس ہے [اب ' ہوکا ' بولتے ہیں]

ہولا جولی نہ کر = گھبرا نہیں -

ہاتھہ پر ہاتھہ دھرے بیٹھی ہے = بیکار بیٹھی ہے -

یہ کس کا موت ہے = کس کا نطفہ ہے -

میاں شیخ سدو ' میاں زین خاں ' میاں صدر جہاں ' نھلیے میاں ' چہل تن ' میاں شاہ دریا ' میاں شاہ سکندر اور سات پریاں یعنی لال پری زرد پری ' سبز پری سیاہ پری ' آسمان پری ' دریا پری ' نور پری ' ان پر عورتیں اعتقاد رکھتی ہیں اور میاں شاہ دریا اور میاں شاہ سکندر اور ان ساتوں پریوں کو بھائی بہن بتاتی ہیں اور یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے ان کو حضرت زہرا علیہاالسلام کی خدمت اور ان کے ساتھہ کھیلنے کے لیے بھیجا تھا ' یہ سب ان کے غلام اور کنیزیں ہیں —

یہاں تک جو محاورے درج ہوے وہ اور ان کے معنی سعادت یار خاں رنگیں کے لکھے ہوے ہیں اب میں اپنی طرف سے لکھتا ہوں ' یہاں کسبی اور گھریلو کی قید نہیں

لگائی گئی ' یہاں صرف زنانی بولی سے مطلب ھے -

نگوڑا ناتھا = بیکس ' بے سوو پا [جس کا عزیز اقارب کوئی نہ ھو] -

خدا سمجھے = خدا سزا دے ' بدعا بھی ھے اور خوش ھونے کے وقت بھی مستعمل ھے -

اُسے علی کی مار = اس کی کمر توٹے ' بد دعا ھے —

تم صدقے گئے تھے ' تم صدقے کیوں نہ ھوے = بے تکلفی میں دوست سے نفرت کا اظہار ' الفت کے اظہار میں بھی بہ طور استعارہ عنادیہ مستعمل ھے -

ھمارا حلوہ کھاؤ ' ھماری بوتی کھاؤ ' ھمارا لہو پیو ' ھمارا مردہ دیکھو ' ھمیں پیٹو ' ھمیں ھے ھے کرو ' ھمیں گاڑو ' ھمارا جنازہ دیکھو = دوسرے کو قسم دیتے وقت کہتے ھیں - مثلاً ھمیں ھے ھے کرو جو یہاں سے جاؤ وغیرہ -

مقابا = ایک چیز جس میں آئینہ اور مسی وغیرہ رکھیں -

نبخنی = کم نصیب عورت -

کیوں میرے لال = میرے پیارے یا میری جان کیوں ' زیادہ تر لڑکوں کے لئے مستعمل ھے -

جھانی = کلیز - یہ ڈومنیوں کی اصطلاح ھے اگرچہ پنجابی ھے لیکن دھلی میں مروج ھے اس وجہ سے کہ

اردو میں اور کوئی لفظ لونڈی کے سوا نہیں اور یہ خانگیوں کا لفظ ہے —

مجرا = شادی وغیرہ میں کسبی عورت کا ناچ گانے کے لئے جانا —

دادا = بزرگوں کے نام اور عورتوں کا نسب بیان کرنے والا —

کسبی = رنڈی ہو یا ڈومنی یا کنچنی ہو، پنجابی ہو یا باگڑنی —

روٹی = وہ کھانا یا مٹھائی جو کنچن لوگ اپنے ہاں کسی کے مرجانے پر اپنی برادری میں بانٹتے ہیں —

گھونگرو کے شریک رہنا = اہل رقص کی برادری کے سوا آپس کی شراکت —

مسی = کسبی کا اول دن مسی لگانا، اس موقع پر کسبی کو عروسانہ پوشاک پہنا کر نچواتے ہیں اور برادری کو ناچنے گانے اور کھانے کی دعوت ہوتی ہے —

کھروا = ایک قسم کا ناچ -

ویر ملو = ایک قدیم ناچ -

ٹھوکر = ناچتے ہوے پانو کی جنبش -

—— *** ——

باب چهارم

صرف کا بیان

پہلی فصل' فعل کے صیغے

فعل کی تین قسمیں

فعل تین قسم ہے ' ' ماضی ' یعنی جو گذر چکا ' ' حال ' جو گذر رھا ھے یعنی موجودہ زمانے سے متعلق ھے اور ' مستقبل ' جو آنیوالے زمانے سے متعلق ھو۔

فعل کے صیغے

ھر فعل کے بارہ صیغے ھوتے ھیں۔ ان کی تفصیل یہ ھے چار صیغے غایب کے' یعنی واحد مذکر اور جمع مذکر کے دو ' اور اسی طرح واحد مونث اور جمع مونث کے دو اور اسی طریق پر چار حاضر کےاور چار متکلم کے * ۔

مخفی نہ رھے کہ فارسی میں مذکر مونث اور تثنیہ و جمع کی تمیز نہیں' ھندی میں تثنیہ اور جمع کی تو

---

* ' غایب ' وہ جس کی بات کی جائے ' ' حاضر ' وہ جس سے بات کی جائے ۔ ' متکلم' وہ جو بات کرے ۔ ' واحد ' ایک کو کہتے ھیں اور جمع ' ایک سے زیادہ کو ۔ مصنف نے اس جگہ کئی بار " تثنیہ و جمع " لکھا ھے ۔ تثنیہ کا نام لینا ھی بے سود ھے جب کہ اردو میں جو صیغہ شمار کے لئے استعمال ھوتا ھے وھی دو کے لئے ۔ (مترجم) ۔

تمیز نہیں لیکن مذکر مونث کا فرق ہے -

اردو میں مصدر سے ماضی بنانا

مصدر سے ماضی بنانے کا قاعدہ یہ ہے ' ہندی میں مصدر کی علامت 'نا' (نون الف) ہے ' جیسے آنا ' جانا - اس علامت مصدری یعنی 'نا' کو دور کرو اور اس پر 'یا' (ی الف) زیادہ کرو ' کبھی صرف 'الف' بڑھایا جاتا ہے - آنا ' لانا ' پانا ' فرمانا ' مارنا ' مرنا ' بیٹھنا ' اٹھنا ' کھینچنا ' جڑنا ' ملنا ' پالنا ' رکھنا ' ناچنا ' ہلنا ' - ان مصدروں سے ماضی کے یہ یہ صیغے بنے :- آیا ' لایا ' پایا ' فرمایا ' مارا ' مرا (فصیح مُوا) ' بیٹھا ' اٹھا ' کھینچا ' جڑا ' ملا ' پالا ' رکھا ' ناچا ' ہلا -

اگر علامت مصدر اڑانے کے بعد آخر میں الف رہے تو اس کی ماضی 'الف' اور 'ی' سے بنے گی [جیسے 'کھانا' سے 'کھایا'] ورنہ صرف الف سے جس کی مثالیں اوپر دی گئیں ' 'جانا' مصدر سے ماضی میں 'جایا' نہیں بلکہ 'گیا' بنتا ہے اور یہ خلاف قیاس ' اسی طرح 'مرنا' سے 'موا' —

پنجابی میں

پنجابی میں 'نا' علامت مصدر سے پہلے 'واو' بڑھا دیتے ہیں جیسے 'جاونا' 'آونا' لیکن یہ ایزادی وہاں کرتے ہیں جہاں مصدر کی علامت

دور کرنے کے بعد آخر میں الف رہ جاے ' ہر جگہ نہیں -

برج بھاشا میں

برج کی زبان میں مصدر کی علامت آخر میں 'نون' اور 'واو' ہے - جیسے کھانو' مرنو' جھلو' اتھنو' بیٹھنو' پیلنو' اس زبان میں ماضی اس طرح بنتی ہے کہ 'نو' علامت مصدر کے حذف کے بعد 'یو' (ی اور واو مجہول) بڑھا دیتے ہیں ' جیسے آیو' پایو' چھپایو مرو' جیو' اتھو' بیٹھیو' بھو' گیو ' (یہ 'گیو' بھی 'گیا' کی طرح خلاف قیاس ہے ' 'جایو' موافق قیاس تھا) —

کایتھوں کی زبان میں

کایتھوں کی زبان میں مصدر کی علامت 'ون' ('واو اور نون) یا فقط 'نون غنہ' اور 'ڑ' (راء ثقیلہ) ہے ' جیسے 'کھاون' ' دیون' یا کھاونڑ' 'پیونڑ'- اور ان کے ہاں اکثر فعل متعدی میں علامت ماضی کے بعد 'گیرا' آتا ہے جیسے مارگیرا ' توڑگیرا'' اور اسی فعل میں 'دینا' (یاے معروف) بھی ماضی کی علامت ہے' جیسے تولدیذا ' پھینک دینا-

پورب کی زبان میں

پورب کی زبان میں مصدر کی علامت فقط ہمزہ اور یاء مجہول ہے جیسے کھاے' پئے ' آے ' جاے - مثال 'روتی ' کھاے بن کس کس رہے کاں بنے ا کھانے کے بغیر رہنے کا اتفاق کیونکر ہوگا'- اس زبان

میں ماضی اس طرح بنتی ھے کہ مصدر کی علامت حذف کرکے ھمزہ مکسور اور سین ساکن بڑھا دیتے ھیں، جیسے آئس، جائس، گئس - کبھی ایسا بھی کرتے ھیں کہ علامت مصدر کے حذف کے بعد اگر آخر میں الف نہ رھا ھو تو 'سین' بڑھاتے ھیں اور اس کے ماقبل کو مکسور کردیتے ھیں، جیسے کہس، دھس، اتھس، مرس- اس زبان میں 'واو' اور 'الف' بھی ماضی کی علامت ھے، جیسے آوا، کھاوا، لاوا، پاوا —

اس بیان کی غرض یہ تھی کہ ملک ھندوستان میں مصادر کے اختلاف کی وجہ سے صیغوں کا اختلاف بہت ھے - راقم کا مقصود اردو کے صیغوں کا ذکر کرنا ھے - غیر اردو لفظوں کے صیغہ غایب حال و مستقبل اور حاضر اور متکلم کا قیاس اس کے مصدر اور ماضی پر کرنا چاھئے —

دوسری فصل - اردو کی تعریف

ماضی کی گردان | 'آیا' ایک مرد آیا - 'آئے' دو یا بہت سے مرد آئے - 'آئی' ایک عورت آئی - 'آئیں' دو یا بہت عورتیں آئیں - 'آیا' متکلم مفرد مذکر (میں ایک آیا) - 'آئے' متکلم جمع (ھم کئی آئے) - 'آئی میں' متکلم مفرد مونث - 'آئیں ھم' متکلم جمع مونث - 'آئیں' کی جگہ 'آئیاں' بھی بولتے

ھیں - 'آیا تو' حاضر مفرد مذکر - 'آئے تم' حاضر جمع مذکر - 'آئی تو' حاضر مفرد مونث 'آئیں تم' حاضر جمع مونث -

حال | صیغہ حال اس طرح بنتا ھے کہ مصدر کی علامت حذف کرنے کے بعد 'تا' (ت 'الف) اور ھندی کا حرف رابطہ یعنی 'ھے' بڑھا دیتے ھیں - مثال 'آتا ھے' مفرد مذکر غایب - 'آتے ھیں' جمع غایب مذکر - 'آتی ھے' مفرد غایب مونث - 'آتی ھیں' جمع غایب مونث - 'آتا ھے تو' مفرد مذکر حاضر - 'آتے ھو تم' جمع مذکر حاضر - 'آتی ھے تو' مفرد مونث حاضر - 'آتی ھو تم' جمع مونث حاضر - 'آتا ھوں میں' متکلم مفرد مذکر - 'آتے ھیں ھم' جمع متکلم مذکر 'آتی ھوں میں' متکلم مفرد مونث - 'آتی ھیں ھم' جمع متکلم مونث -

صیغہ استقبال | (۱) مفرد مذکر غایب کا صیغہ استقبال اس طرح بناتے ھیں کہ علامات مصدری کے حذف کرنے کے بعد اگر آخر میں الف رہا ہو تو 'ویگا' (واؤ' یاء مجہول' گ' ا) زیادہ کرتے ھیں - جیسے 'آوے گا' (مفرد مذکر غایب) 'آویں گے' جمع مذکر غایب - 'آویگا' کے آخری الف کو یاء معروف سے بدل کر مفرد مونث غایب بنا لیتے ھیں جیسے

' آویگی ' اور جمع مونث ' غایب آویں گی ' - ' آویگا ' کے پہلے ' تو ' (واؤ معروف) مفرد مذکر حاضر کی علامت ہے - جیسے ' آویگا تو ' یا ' تو آویگا ' - ' آوگے ' (ہمزہ واؤ مجہول) ' تم ' کے ساتھہ تثنیہ اور جمع کی علامت ہے - مثال ' تم آوگے یا آؤگے تم - اور ' آوے گی ' کے بعد ' تو ' مفرد مونث حاضر کی علامت ہے جیسے ' آوے گی تو ' ' آوگی تم ' (اس کی جمع) - ' آوں‌گا میں ' مفرد مذکر متکلم - ' آویں گے ہم ' (یاۓ مجہول کے ساتھہ) ' اس کی جمع - ' آؤں گی ' (لفظ ' میں ' کے ساتھہ اور بغیر) ' متکلم مفرد مونث کی علامت ہے - ' آویں گی ہم ' (علامت کے آخر یاء معروف) اس کی جمع ہے

(۲) جب مصدر کی علامت حذف کرنے کے بعد آخری حرف الف نہ رہے تو آخری حرف کو پیش دے کر ' واؤ ' اور ' نون غنہ ' علامت استقبال یعنی ' گا ' سے پہلے بڑھا دیتے ہیں ' جیسے ' اٹھوں گا ' ' کہوں گا ' ' رہوں گا ' - [اٹھے گا ' اٹھے گی ' ' اٹھیں گے ' اٹھیں گی ' وغیرہ]

صیغۂ حال کی شکلیں جو اس ترجمہ کے وقت متروک ہیں	دھلی کے رہنے والوں میں سے بعضے جو اپنے کو دوسروں

سے زیادہ فصیح سمجھتے ہیں حال غایب کے چار صیغوں

کو 'کوے ھے '' کرے ھیں' بولتے ھیں' یہ صیغے مذکر اور
مونث دونوں کے لیے آتے ھیں - اور ' تو کیا کرے ھے '
' تم کیا کرو ھو ' یہ دو صیغے مذکر و مونث حاضر جمع
اور مفرد دونوں کے لیے - گویا اصل میں مجموعی طور
پر چار صیغے ان کی زبان پر ھیں - اور کہتے ھیں 'میں
'کیا کروں ھوں' ' ھم کیا کریں ھیں ' یہ دو صیغے بھی
چار صیغوں کی جگہ متکلم مذکر و مونث اور مفرد و جمع
دونوں کے لیے آتے ھیں - اس صورت میں بارہ صیغوں
کی جگہ صرف چھہ صیغے کافی ھوتے ھیں - لیکن فصیحوں
کے زبان آشنا وھی بارہ صیغے ھیں [جن کی تفصیل آگے
آ چکی ھے] -

جس مصدر میں علامت مصدری کے حذف کے بعد 'الف'
یا 'ہ' یا 'ی' (یاء معروف) باقی رھے تو بعضے اصحاب
صیغۂ حال میں ' ے ' کے پہلے ' واؤ ' بڑھا دیتے ھیں '
مثال' آوے ھے ' کہوے ھے 'لیوے ھے' رھوے ھے ' نہ کہ
آئے ھے ' کہے ھے ' لے ھے' رھے ھے - یہ واؤ کی زیادتی اگرچہ
اردو داں شاہ جہاں آبادیوں کی زبان ھے لیکن واؤ کے بغیر
زیادہ فصیح ھے ' بہ استثنا ' آوے ھے ' کے اگرچہ اس کے
بدلے بھی آئے ھے کہہ سکتے ھیں لیکن ' واؤ ' کے ساتھ

بھی ھرج نہیں - ' رھے ' ، اور ' کہے ' بھی صیغۂ حال میں فصاحت سے دور ھے لیکن حرف شرط کے ساتھہ فصحا کا روز مرہ ھے ' جیسے اس عبارت میں ' " اگر تو رھے تو میں بھی رھوں " - صاف ظاھر ھے کہ مذکورۂ عبارت اس عبارت سے بہتر ھے یعنی " اگر تو رھوے تو میں بھی رھوں " - اور بعض موقعوں میں ' ھوے ' کی جگہ ' ھو ' اور ' لیو ' کی جگہ ' لو ' اصل سے زیادہ فصیح ھے ' جیسے ' " اگر تو بھی وھاں ھو تو اچھا ھم بھی آویں " - نہ کہ " اگر تو بھی وھاں ھو وے تو اچھا ھم بھی آویں " - یہ مثال مفرد کی ھے جمع کی مثال یہ ھے :- اگر تم بھی وھاں ھو تو بہتر ھے ھم بھی آویں —

بعضے ' واؤ ' کے بدلے الف کے بعد ' ے ' کی صورت میں ھمزہ بڑھاتے ھیں اور ' جاوے ' کو ' جائے ' ' جاویں ' کو ' جائیں ' کہتے ھیں اور ' صدائے ' [ایک صدا] کا قافیہ ' جائے ' [اردو صیغہ] اور ' دعائیں ' کا قافیہ ' جائیں ' باندھتے ھیں دونوں کی مثالیں ذیل میں دیکھو :—

کیا قہر ھے تو نعش پہ بھی اس کے نہ آئے
گر کشتہ شود در رہ تو بے سر و پائے

اگر تنہا تجھے ہم دیکھ پائیں
تمنا ہے کہ لیں تیری بلائیں

دوسرے شعر میں ' لیویں ' کی جگہ ' لیں ' بندھا ہے جو زیادہ فصیح ہے ' اسی طرح ' لیوے ' سے ' لے ' بہتر ہے اور ' جاے ' (ے کے ساتھ بغیر ہمزہ کے) اور ' جائیں ' (ہمزہ مکسور اور نون غنہ بغیر ے) بھی فصحا کا مستعمل ہے - مثال

عشق بتاں میں اپنا نکالیں گے نام ہم
جی جائے یا نہ جائے کریں گے یہ کام ہم

بود بہ دیدۂ من ایکہ جاے تو بہتر
مری نظر سے پرے تو نہ جاے تو بہتر

ہے دل میں تیرے مکھڑے کی لیں ہم بلائیں آج
گو اس میں اپنے جی سے گزر کیوں نہ جائیں آج

فعل منفی | یہ لفظ نثر میں بھی مروج ہیں نظم ہی پر موقوف نہیں - جو مثالیں دی گئیں وہ فعل مثبت کی ہیں ' حروف نفی مقرر ہیں - ماضی اور مستقبل کے لیے ' نون ' مفتوح مع ' ہ ' کے - بغیر ' ہ ' کے بھی کتابت میں مروج ہے —

مثال ماضی منفی

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	نہ آیا	نہ آئے	تونہ آیا	تم نہ آئے	میں نہ آیا	ہم نہ آئے
مونث	نہ آئی	نہ آئیں	تو نہ آئی	تم نہ آئیں	میں نہ آئی	ہم نہ آئیں

مثال مستقبل

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	نہ آویگا	نہ آوینگے	تو نہ آویگا	تم نہ آؤگے	میں نہ آؤنگا	ہم نہ آوینگے
مونث	نہ آویگی	نہ آوینگی	تو نہ آویگی	تم نہ آؤگی	میں نہ آؤنگی	ہم نہ آوینگی

مثال نفی حال

اس فعل میں " آتا ہے " میں سے " ہے " حذف کرکے شروع میں " نہیں " بڑھا دیتے ہیں —

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	نہیں آتا	نہیں آتے	تو نہیں آتا	تم نہیں آتے	میں نہیں آتا	ہم نہیں آتے
مونث	نہیں آتی	نہیں آتیں	تو نہیں آتی	تم نہیں آتیں	میں نہیں آتی	ہم نہیں آتیں

افعال کے فصیح اور غیر فصیح استعمال

بعضے جو هندوستان میں پیدا هوئے هیں ' کہتے هو ' کی جگهه ' کہتا هے ' بولتے هیں - اسی طرح سب مصدروں میں یہ صیغہ اسی طرح استعمال کرتے هیں - مثال ' آیتا هے ' جایتا هے ' اُڑایتا هے ' رهیتا هے - لیکن اردو کے فصحا کے نزدیک یہ لفظ مہمل هیں اور جو شخص اُن کو استعمال کرتے هیں اُن کو پرانے دقیانوسی اور ان کی زبان کو سوقیانہ خیال کرتے هیں -

اکثر اصحاب آویگا کی جگهه ' آئیگا ' کہتے هیں ' جمع کے صیغے ' مونث ' حاضر مفرد مذکر و مونث اور جمع متکلم میں اُسی طریق پر بولتے هیں - اس تبدیلی میں فصیحوں کا اتفاق هے لیکن بعضے اصحاب کو اختلاف هے - اور اکثر اردو داں مستقبل منفی کے صیغے میں بجائے نفی کے جس کا ذکر اوپر آچکا ' آنیکا ' اور ' آنیکے ' تمام صیغوں میں استعمال کرتے هیں - جیسے ' نہیں آنے کا ' نہیں آنے کے ' (مذکر غایب مفرد و جمع) ' نہیں آنے کی ' ' نہیں آنے کیں ' (مونث غایب مفرد و جمع) - ' نہیں آنے کا تو ' - ' نہیں آنے کے تم ' (حاضر مذکر مفرد ' جمع) ' نہیں آنے کی تو ' ' نہیں آنے کی تم ' (حاضر مفرد ' جمع مونث) - ' میں نہیں آنے کا ' ' ' هم نہیں آنے کے ' (مذکر متکلم

مفرد و جمع) ' میں نہیں آنے کی ' ' ہم نہیں آنے کیں (موقت متکلم مفرد و جمع) - صیغہ فعل پر حاضر اور متکلم کی ضمیر کو مقدم لانا بولنے والے کی پسند پر ھے ' اگر بعد میں ضمیر لاے تو بھی مضایقہ نہیں —

' نہیں ' کا صحیح تلفظ

' نہیں ' کا لفظ ' چنیں ' کے وزن کا ھے ' اکثر اصحاب ' ی ' اور ' نون ' کو ' ہ ' میں غائب کرکے اس کلمہ کو جو کتابت میں چو حرفی اور تلفظ میں سہ حرفی ھے دو حرفی ادا ادا کرتے ھیں ' لیکن چونکہ بیشتر فصیح لوگ اس سے پرھیز کرتے ھیں اس لئے اس استعمال کو اردو میں داخل کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا ـ

ماضی میں الحاقی اور امدادی ٹکڑے

کبھی صیغہ ماضی میں مصدر کی علامت ' نا ' اُڑانے کے بعد ' دیا ' لگا دیتے ھیں ' جیسے پھینک دیا ' ڈال دیا ' بڑھا دیا ' وغیرہ - یہ مرکب صیغہ فعل کی تکمیل پر دلالت کرتا ھے جو بات پھینکا ' ڈالا ' بڑھایا میں نہیں - چنانچہ اس جملہ میں کہ " فلانے نے جس وقت کہ کوٹھے پر سے روپیہ پھینکا ،میں نے زمین پر گرنے نہ دیا ھاتھہ میں لیا " پھینک دیا کہنا درست نہیں - جب کہ اس جملہ میں " زید نے مارے غصہ کے عمرو کو مجلس سے اٹھا دیا "

' اٹھایا ' کہنا ٹھیک نہیں بلکہ ' اٹھا دیا ' کہنا ہی درست ہے -

کبھی مصدر کی علامت کے حذف کے بعد ڈالا (دال ہندی) بڑھاتے ہیں اور بعض مصدر تو ایسے ہیں کہ ان کا کوئی صیغہ اس کے بغیر پورے معنی نہیں دیتا اور بعضے ایسے ہیں جن کے ساتھ اس کا الحاق بے معنی ہے - ' ڈالا ' بھی ' دیا ' کی طرح فعل کی تکمیل پر دلالت کرتا ہے [کبھی امتداد زمانہ کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے] - مثال ' " میرا مٹکا زید نے توڑ ڈالا " یعنی مدت ہوئی کہ توڑ چکا ہے - اس مقام میں ' توڑا ' فصیح نہیں -

کبھی ' لیا ' لگاتے ہیں یہ بھی فعل کی تمامی کے معنی دیتا ہے ' جیسے لکھ لیا ' مانگ لیا -

یہ صیغے جن کا ذکر اوپر آیا ہے فعل مضارع میں بھی آتے ہیں لیکن حال میں شروع فعل اور مستقبل میں فعل شروع کرنے کے ارادہ پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ حال اور استقبال کا قاعدہ ہے -

' بیٹھا ' اور ' اٹھا ' بھی فعل کے تمام ہونے کے معنی پیدا کرتے ہیں - مثلاً " فلانی رنڈی ناچنے سے ہاتھ دھو بیٹھی " - ' اٹھی ' بھی یہی معنی دیگا - ' اٹھا ' اکثر اپنے معنی کا ہی مظہر ہے ' جیسے " فلانا سو شعر مجلس میں کہہ اٹھا "

یعنی اس وقت اتھا جب سو شعر کہہ چکا - چونکہ اس کے دو معنی پیدا ہوتے ہیں اس لئے مذکورہ معنوں سے مطابقت نہیں کھاتا —

'پڑا' یہ خبر دیتا ہے کہ ایک فعل کے ہوتے ہی ایسا ہو گیا - مثال "زید سے میں نے جس وقت کہا کہ عمرو جو کہے سو کرو مجھ سے الجھ پڑا" یعنی یہ سنتے ہی لڑنے لگا —

امر بنانے کا قاعدہ | امر حاضر مفرد مذکر ہو یا مونث اردو میں صرف مصدر کی علامت گرا دینے سے بنجاتا ہے ' جیسے ' کرنا' سے ' کر - اور اس پر واؤ مجہول بڑھانے سے مذکر اور مونث دونوں کی جمع بن جاتی ہے ' جیسے ' کرو ' - لیکن جب امر مفرد کے آخر میں ' واؤ' یا ' ے' (یاء مجہول) ہو تو جمع میں ' واؤ' ہمزہ سے بدلتا ہے اور ' ے' اڑ جاتی ہے جیسے ' بو ' ' بوؤ' - ' سو' ' سوؤ' - ' لے' ' لو' - ' دے' ' دو - لیکن یاے معروف قایم رہتی ہے جیسے ' سی' ' سیو' ' پی' ' پیو' —

کبھی امر حاضر مفرد پر ہمزہ اور یاے مجہول زیادہ کر کے جمع بناتے ہیں جیسے ' اٹھئے' - کبھی ہمزہ سے پہلے جیم مکسور بھی بڑھاتے ہیں ' * جیسے ' کیجئے' لیجئے'

* جیم کی یہ ایزادی صرف فعل متعدی میں ہوتی ہے - (مترجیم)

دیجئے - 'کیجئے' اصل میں 'کرئیے' تھا ' جیم مسکور ھمزہ پر بڑھا کر 'ر' کو یاے معروف سے بدلا ' جیسے ماضی میں 'کرا' کا 'کیا' بنا لیا - کاف کو زیر اس لیے دیا کہ ساکن 'ی' کے پہلے کاف مفتوح ثقالت پیدا کرتا تھا ' اور جیم کے بعد ھمزہ کا حذف ھندی میں جایز بلکہ زیادہ فصیح ھے - کیجئے ' لیجئے ' دیجئے - امر اور نہی میں ماضی کے صیغوں کے لفظ بھی خاص موقعوں پر بڑھا دیتے ھیں ' جیسے ' پھینک دیے ' وغیرہ -

نہی | امر کے پہلے نون مفتوح لگا کر نہی بناتے ھیں ' جیسے ' 'نکر' جمع اور تذکیر و تانیث کے وھی قاعدے نہی میں چلتے ھیں جو امر میں - شاہ جہان آباد کے مکتب کے ملا اور بعضے ھندو 'مت' حرف نہی استعمال کرتے ھیں' جیسے ' 'مت جا' - بعضے یہ کرتے ھیں کہ نون مفتوح پر جو نفی کا حرف ھو 'متی' کا اور اضافہ کرتے ھیں - یعنی 'تو متی نجا' یہ [قبل منفی] مزید پارچہ کے دلالوں کی اولاد کی زبان ھے جو پیدا تو دھلی میں ھوے مگر ان کے ماں باپ پنجابی ھیں - مغلپورہ کے بعض رھنے والے بھی نہی کو اسی طرح ادا کرتے ھیں۔

اسم فاعل | اسم فاعل کا صیغہ مصدر کے آخری 'الف' کو یاے مجہول سے بدل کر 'والا' بڑھانے

سے بنتا ہے، جیسے 'کرنے والا' - جمع میں 'والا' کے آخری الف کو یاے مجہول سے بدلتے ہیں، مثال 'کرنے والے' مونث میں 'والا' کی جگہہ 'والی' (یاء معروف) اور جمع مونث میں 'والیاں' بڑھاتے ہیں، مثال' جانے والی' جانے والیاں -

قدیم شہر کے رہنے والے 'والا' کی جگہہ 'ہارا' والے کی جگہہ 'ہارے' مذکر میں اور 'والی' کی جگہہ 'ہاری' اور 'والیاں' کی جگہہ 'ہاریاں' مونث میں بڑھاتے ہیں - لیکن فصحا کی یہ زبان نہیں' مگر بعضے الفاظ میں مصدر سے یاء امالہ اور 'ہارا' اور 'ہارے' سے الف اور یاء امالہ اور 'ہاری' سے یاء معروف اور ہاریاں سے 'یاں' دور جو رہ جاے وہ فصیح اور مقبول شمار ہوتا ہے' مثلاً' ہونہار -

جوگا صفت مشبہ میں

لفظ "جوگا" کے ساتھہ صفت مشبہ کبھی کبھی غیر فصیحوں کے استعمال میں دیکھا جاتا ہے مگر فصیحوں کا روز مرہ زیادہ تر "لایق" کے ساتھہ ہے' وہ مرنے جوگا' مرنے جوگے' مرنے جوگی' مرنے جوگیاں بولتے ہیں اور یہ "مرنے کے لائق" بولتے ہیں۔

صفت مشبہ کی تذکیر و تانیث

صفت مشبہ اور مبالغہ کے بعض صیغے جنسیت میں یکساں ہوتے ہیں' جیسے

'منہال' یہ گھوڑا یا کتا منہال ہے ' یہ گھوڑی منہال ہے - بعض صورتوں میں فرق ہوتا ہے ' جیسے ' پیاسا ' پیاسی - بھوکا ' بھوکی - رنگیلا ' رنگیلی - نکیلا ' نکیلی - بھلا ' بھلی - چھبلا ' چھبلی - سگھڑ اور پھوڑ معنوی تانیث ہے [اس کا مذکر نہیں] ' یہ مثالیں صفت مشبہ کی ہوئیں-

مبالغہ میں مذکر اور مونث کی ایک ہی شکل ہوتی ہے جیسے بھگو ' گایک ' ھنسوڑ ' لڑاک ' ڈرو ' بھگوڑا ' یہ صفت مشبہ بھی ہیں -

اسم تفضیل ان لفظوں سے پیدا ہوتا ہے :- کہیں ' سوا ' بھی ' زیادہ - جیسے ' تیرا قد سرو سے کہیں اچھا ہے ' یا یوں کہو ' سوا اچھا ہے ' یا ' زیادہ اچھا ہے ' یا ' سرو سے بھی اچھا ہے-

اسم مفعول | اسم مفعول ماضی کے بعد 'ھوا' لگانے سے بنتا ہے ' جیسے مارا ھوا ' پھنسا ھوا - جو یہ خیال کرتے ہیں کہ 'ھوا' کے بدلے ' گیا ' بھی آسکتا ہے غلطی پر ہیں ' کیونکہ ماضی کے بعد گیا ماضی مجہول کی علامت ہے ' مفعول کی نہیں - دوسری وجہ یہ ہے کہ ھندی میں معتل ' مہموز ' اور مضاعف بھی مروج ہیں لیکن ' واؤ ' کی مثال جو معتل الف ہے یعنی ایسا لفظ جو واؤ سے شروع ہوتا ہو اردو میں شاذ ہے ' کبھی سننے میں نہیں آیا لیکن پنجابیوں اور دوسروں کی زبان سے

سلی گئی - جیسے 'ویکھا' (واؤ سے) 'دیکھا' (دال سے) کے بدلے - لیکن اجوف واؤ جس کو 'معتل العین' کہتے ہیں یعنی وہ لفظ جس کا درمیانی حرف واؤ ہو خواہ دوسرا یا تیسرا یا چوتھا ، کیونکہ دوسرے حرف ہی کو درمیانی حرف (وسطی) کہنا عربی زبان میں ثلاثی مجرد کا قاعدہ ہے جوہر زبان پر عاید نہیں ہوسکتا - اردو میں یہ اکثر مستعمل ہے ' جیسے 'توڑا' چیرا' پھیلکا' دیکھا' نوچا' گاڑا' پھاڑا' کاتا' مارا وغیرہ - اجوف واؤ کی مثال میں اجوف 'ی' اور 'الف' کی مثالیں بھی لکھہ دی ہیں - معتل لام جو ناقص 'واؤ' اور ناقص 'ي' یا ناقص الف کی شکل میں هندي میں مستعمل ہے اردو میں بھی موجود ہے اور ہر خاص و عام کے روز مرہ میں داخل ہے - اگرچہ 'ف' 'عین' 'لام' کلمہ ثلاثی میں عربی زبان کے صرفیوں کی اصطلاح کے مطابق ہے لیکن چونکہ هندی میں ان کی تقلید مد نظر ہے ہم ہر کلمہ کے اول حرف کو 'فاکلمہ' اور دوسرے حرف کو 'عین کلمہ' نام دیتے ہیں - یہاں تک ہم صرفیوں کے ساتھہ چلتے ہیں - اور آخری حرف کو خواہ وہ شمار میں تیسرا ہو یا چوتھا یا پانچواں یا اس

بھی زیادہ ' 'لام کلمہ' قرار دیتے ہیں * - اور حذف کئے ہوے حرفوں کو شمار میں نہیں لیتے - جیسے 'کندوری' (وزن صبوری) - یہ ایک قسم کی ترکاری ہے - اس لفظ کے چھہ حرف ہیں - نون غنہ جو 'کاف' میں غایب ہو گیا گنتی میں نہیں آتا - غرضکہ 'مہموزالفا' † زبان ہندی میں بہت آتا ہے' جیسے اتھا' اجڑا' اکھڑا' اور 'مہموزالعین' کم آتا ہے' اور اُس میں بھی 'الف' 'واؤ' سے بدلا ہوا ہوتا ہے' جیسے کلوا (جس سے پانی نکالیں) - بوا (بہن کا خطاب)- 'مہموزاللام' سننے میں نہیں آیا —

'مضاعف کی دو قسمیں ہیں' چو حرفی یا پنیچ حرفی کلمہ- چو حرفی کلمہ میں دراصل دوسرا اور تیسرا حرف ایک

---

* عربی کے صرفیوں نے لفظ 'فعل' اور اس کے مشتقوں سے مختلف صیغوں وغیرہ کے وزن قرار دیے ہیں - لفظ فعل کے تین حرف ہیں ف' ع' ل - انھیں سے اصطلاح فا کلمہ' عین کلمہ اور لام کلمہ مصطلح ہوا - عربی میں کلمہ کا یہ تجزیہ ثلاثی یعنی تین حرف والے کلموں پر عاید ہے' سید انشا 'لام' کے آخری حرف ہونے کی قید کو ڈھیلا کرکے اسے ہندی الفاظ پر عاید کرتے ہیں - (مترجم) -

† 'مہموز الفا' اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے شروع میں 'الف' ہو - (مترجم) -

ہی جنس کا ہوتا ہے جیسے رکھا' اس لفظ میں عربی
مضاعف کے خلاف کہیں بھی دو کاف الگ الگ نہیں
بولے جاتے - اصل اور نقل دونوں پنج حرفی کے برابر
ہیں جیسے چیلا - یا یہ کہ کلمہ کے پہلے دو حرف باقی
کے دو حرفوں کے مشابہ ہوں [وہی دوبارہ آئے ہوں]
جیسے ململ' تھک ٹھک' کلکل' ڈھب ڈھب - ہندی میں
کوئی ثنائی یعنی دوحرفی سے کم نہیں ہوتا جیسے 'یہ'
'وہ' - اور کوئی لفظ سداسی یعنی چھہ حرفوں سے
زیادہ کا نہیں ہوتا جیسے اٹکانا - املا میں اگر بڑھا کر
لکھہ دیا جائے تو اس کی سند نہیں - ورنہ پھر 'رکھا'
کو بھی پنج حرفی کہنا چاہئے کیوں کہ تلفظ کے اعتبار سے 'ہ'
کے بغیر چار حرف ہوئے جب 'ہ' کو اس میں شامل
کیا تو پانچ ہوگئے اس وجہ سے تلفظ معتبر ہے نہ کہ املا -
جس کلمہ کے اول اور آخر میں حرف علت یعنی
'واؤ' یا 'الف' ہو تو اسے 'لفیف' کہتے ہیں - اس
کی دو قسمیں ہیں 'مقرون' اور 'مفروق' - مقرون
وہ ہے کہ دونوں حروف علت پاس پاس ہوں یعنی بیچ
میں کسی اور حرف کے آجانے سے فاصلہ نہ واقع ہوجائے
جیسے 'وو' (دونوں واؤ) اور 'او' یا 'گیا' - مفروق
وہ لفظ ہے جس میں حروف علت کے درمیان کوئی اور

حرف آگیا ہو جیسے 'وُہی' —

فعل تحریصی اُردو میں ایک فعل اور بھی ہے جسے فصحا اکثر استعمال کرتے ہیں - راقم نے اس کا نام فعل تحریصی رکھا ہے - اسے فعل ضروری بھی کہہ سکتے ہیں - مثال ' "کیا چاہئیے" - یہ امر کی جگہ اور ضرورت پر مشتمل ہے - اگر حاضر سے خطاب ہوتو امر حاضر ہے اور اگر غایب سے متعلق ہوتو امر غایب ہے اور اگر متکلم کی طرف اشارہ ہو تو اُس کی خواہش کی ترغیب کی تعبیر کرتا ہے —

ماضی قریب 'ہے' 'ہیں' 'ہو' 'ہوں' حال کے زمانہ میں ماضی کے فعل کے وجود پر دلالت کرتے ہیں [یعنی جو فعل ابھی یعنی حال ہی میں ختم ہوچکا ہو] جیسے آیا ہے' آے ہیں' آئی ہے' آئیں ہیں' تو آیا ہے' تم آے ہو' تو آئی ہے' تم آئی ہو' میں آیا ہوں' ہم آے ہیں' میں آئی ہوں' ہم آئیں ہیں —

ماضی بعید 'تھا' اور اس جیسے ملحقات اس گزشتہ فعل پر دلالت کرتے ہیں جس کا وجود زمانۂ حال میں ثابت نہ ہو [یعنی جس فعل کو ختم ہوے کچھہ مدت گزر چکی ہو] —

مثال ماضی

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	آیا تھا	آے تھے	تو آیا تھا	تم آے تھے	میں آیا تھا	ہم آے تھے
مونث	آئی تھی	آئیں تھیں	تو آئی تھی	تم آئیں تھیں	میں آئی تھی	ہم آئیں تھیں

بعضے باشندگان اُردو جو 'ھے' اور 'تھا' کو فعل سے پہلے لاتے ھیں، ایسا کرنا نہایت معیوب اور حسن تلفظ کے منافی ھے - مثال 'فلانا نہیں ھے آیا' 'یا' نہیں تھا آیا' - [مطلب یہ کہ ماضی قریب اور ماضی بعید کے ارکان میں تعقید لفظی سخت مذموم اور ممنوع ھے] —

ماضی استمراری ماضی کی قسم سے ایک اور فعل بھی ھے جو فاعل سے ایک فعل کے چند بار صادر ھونے پر دلالت کرتا ھے [یہ نفس معنی میں ماضی بعید یعنی آیا تھا سے امتیاز رکھتا ھے] - مثال، آتا تھا، آتی تھی - مخفی نہ رھے کہ یہ جملہ :- "فلانا تمام عمر میں کل فرنگی کی چھاونی گیا تھا" 'یہ نہیں ظاھر کرتا کہ وہ تمام عمر میں اس سے پہلے بھی وھاں گیا تھا، جب کہ یہ جملہ :- "فلانا اکثر فرنگی کی چھاونی جاتا تھا" 'اُس کے مکرر جانے پر دلالت کرتا ھے —

یا اس سے اتفاق کے معنی پاے جاتے ھیں - مثال، "فلانا کل فرنگی کی چھاونی جاتا تھا" یا "ھمارے دروازے کے سامنے سے جاتا تھا" یعنی میں نے اتفاقات [اتفاق ؟] سے اس کا چھاونی جانا کل دیکھا، یا اُس کا میرے دروازے کے سامنے سے گزرنا اتفاقیہ ھوا —

ماضی شرطی و تمنی

فعل ماضی ' تھا ' کے بغیر شرط اور تمنا کے لئے آتا ھے - شرط اور جزا دونوں کی مثال ' خدا اگر ھمیں بھی دولت دیتا تو کیا دوستوں سے سلوک کرتے - یہ مثال شرط اور جزا کی ھے - تمنی کی یہ مثال ھے :- کاش یہ شخص یمین الدولہ کے پاس گیا ھوتا کہ اماثل واقران اُس کے جاہ و دولت کو دیکھہ کر آتش رشک سے کباب ھوتے —

فعل لازم و متعدی

فعل لازم ھوگا یا متعدی - لازم وہ ھے جو مفعول کو نہ چاھے - جیسے ' زید آیا زید گیا ' عمرو مُوا ' خوب ھوا - متعدی وہ فعل ھے جو مفعول کو چاھے - جیسے ' زید نے مارا عمرو کو - یہ متعدی بہ یک مفعول ھوا - متعدی بہ دو مفعول کی مثال یہ ھے - :- پلایا زید نے عمرو کو پانی ، یا ، دکھایا زید نے عمرو کو بکر کا بیٹا - ' کو ' جو مفعول کی علامت ھے ایک مفعول کے ساتھہ کافی ھے ، اگر دونوں کے ساتھہ استعمال ھو تو عبارت سقیم ھو جاے گی اگرچہ قواعد کی رو سے صحیح ھوگی - مثال ' عمرو نے بکر کے بیٹے کو زید کو دکھایا —

تعدیہ | [تعدیۂ فعل کے معنی ہیں فعل لازم کو متعدی بنانا]
تعدیہ فعل بعض مصدروں میں علامت مصدر کے ما قبل الف بڑھانے سے حاصل ہوتا ہے ' جیسے اتھنا سے اتھانا ' بعض صورتوں میں ' الف ' اور ' لام ' کے بڑھانے سے ' جیسے کھنا سے کھلانا - کھانا درست نہیں - یہ مغل پورہ والوں کی زبان ہے - کبھی متعدی اس طرح بناتے ہیں کہ فعل لازم کا دوسرا حرف اگر یاے مجہول * ہو تو اسے اُڑا کر ' لام ' اور ' الف ' یا فقط ' الف ' بڑھاتے ہیں - جیسے دیکھنا سے دکھانا اور دکھلانا ' بیٹھنا سے بٹھانا اور بٹھلانا - ' بٹھانا ' ہندؤں اور مغل پورہ کے باشندوں کی زبان ہے - کہیں ' واؤ ' اور ' الف ' کی زیادتی سے متعدی بناتے ہیں جیسے : کُھلنا سے کھولنا ؛ - بعض مصدروں

* فاضل مصنف نے یہاں یاے کے ساتھہ مجہول کی قید غالباً سہو سے لگادی - کیونکہ دوسرا حرف ' ی ' ہو خواہ مجہول یا معروف یا مفتوح ' تعدیہ کا قاعدہ ایک ہی رہیگا - جیسے سیکھنا (یاے معروف) سے سکھانا اور سکھلانا - بیٹھنا (یاے مفتوح) سے بٹھانا اور بٹھلانا - آگے چل کر مصنف خود تشریح کرتا ہے جس سے اس مقام میں یائے کے ساتھہ مجہول کی قید جو شبہ پیدا کرتی ہے خود حشو ثابت ہوتی ہے —

(مترجم)

† مترجم مستہام کہتا ہے کہ عام قاعدہ تعدیہ کا یہ ہے کہ کسرہ کے اشباع سے " ے " اور ضمہ کے اشباع سے " و " اور فتحہ کے اشباع سے الف مصدر لازم کے اول حرف کے بعد بڑھانا ' مثال ' بھچنا - بھیچنا - کھلنا : کھولنا - مرنا ' مارنا — (مترجم)

میں 'لام'، 'واؤ' اور 'الف'، یا 'لام' اور 'الف' کی زیادت سے حرف کے حذف کے بعد بناتے ہیں۔ مثال دینا، دلوانا، دلانا۔ سینا، سلوانا، سلانا۔ 'ی' گزشتہ قاعدے کے مطابق حذف ہوگئی، بلکہ ان تمام مصدروں میں جن میں دوسرا حرف 'الف' یا 'واؤ' یا 'ی' ہو تعدیہ کی صورت میں حذف ہوجاتا ہے اور 'واؤ' اور 'الف' جو تعدیہ کی علامت ہے اضافے کئے جاتے ہیں۔ مثال، پالنا، پلوانا۔ پھینکنا، پھکوانا۔ پھونکنا، پھنکوانا۔ ناچنا نچوانا۔ گانا، گوانا۔ ماننا، منوانا۔ جھانکنا، جھنکوانا۔ تانکنا، ٹنکوانا وغیرہ—

بعضے متعدی مصدر خلاف قیاس بنتے ہیں جیسے اکھڑنا، اکھیڑنا اور اکھاڑنا موافق قیاس اکھڑانا ہونا چاہئے تھا۔

تعدیہ کے بعد صیغۂ ماضی وغیرہ

متعدی بنائے ہوئے مصدروں کی ماضی حال اور استقبال کے صیغوں کو ان مصدروں کے صیغوں پر قیاس کرنا چاہئے جن میں مصدر کی علامت دور کرنے کے بعد 'الف' رہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جن مصدروں میں علامت مصدری کے حذف کے بعد 'ی' باقی رہے تو اس 'ی' کو حذف کرکے اس کا تعدیہ 'الف' اور لام سے درست ہوگا—

اؤر فعلوں کے صیغے

ایک اور فعل بھی فارسی اور هندی میں هے که اس کا تمام هونا اس کے بعد کی عبارت پر موقوف هوتا هے - مثال فارسی "فلانے را طلبیده سرگوشی باید کرد" - مثال هندی "فلانے کو بلا کر سرگوشی کیا چاهئیے" - 'کر' 'یا' 'کے' اِس فعل کی علامت هے - اکثر امر کے بعد یاے مجهول سے یا فقط امر سے یه مطلب نکل آتا هے - مثال ' مجھے چھوڑ کر کہاں جاتے هو ' اور مجھے چھوڑے کہاں جاتے هو ' اور مجھے چھوڑ کہاں جاتے هو -

امر کے آخر "تے هی" (پہلی یاے مجهول دوسری معروف) فوراً کے معنی پر دلالت کرتا هے - مثال ' میرے آتے هی تم اُٹھ گئے ' یعنی جونهی میں آیا تم اُٹھ گئے -

بعضے "کیا چاهئیے" کی جگه "کرنا چاهئیے" بولتے هیں - یه وه لوگ هیں جن کے والدین کشمیر سے آکرشاه جہان آباد میں بسے هیں اور ان کی پیدایش کا اتفاق شاه جہان آباد میں هوا هے —

امر غایب کی صورت یه هے ' مثال ' فلانے سے کهدو که وهاں جاوے ' یا کهو یهیں پر رهے - نهی غایب میں 'جاوے' اور 'رهے' کے بدلے 'نجاوے' اور 'نه رهے' آئیگا -

ایک صیغه بهی هے [امر کا] جو معنی میں فعل

مستقبل مفرد و جمع کے (تعظیم کی رو سے) مشابہ ہے
اور فعل ماضی کے ماقبل 'چاہئے' کے معنی میں اور
استقبال کے صیغہ مع متکلم مع الغیر کے معنی میں
آتا ہے، مثال، "آپ آئیے گا یا نہیں" یا "آپ مقرر آئیے گا"
یا "اگر حق تعالیٰ فضل کرے تو یہاں مسجد بنائیے گا
کہ پھر آپ بھی دیکھ کر لوٹ جائیں"۔

فعل مجہول | یہ مثالیں جو لکھی گئیں فعل معروف
کی ہیں، اب فعل مجہول کا بیان کیا
جاتا ہے۔ معروف وہ فعل ہے جو فاعل سے منسوب ہو،
مجہول وہ فعل ہے جو مفعول سے منسوب ہو، جیسے زید
نے مارا، اور زید مارا گیا۔

ماضی مجہول کے صیغے

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	مارا گیا	مارے گئے	تو مارا گیا	تم مارے گئے	میں مارا گیا	ہم مارے گئے
مونث	ماری گئی	ماری گئیں	تو ماری گئی	تم ماری گئیں	میں ماری گئی	ہم ماری گئیں

مضارع حال کے صیغے

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	مارا جاتا ہے	مارے جاتے ہیں	تو مارا جاتا ہے	تم مارے جاتے ہو	میں مارا جاتاہوں	ہم مارے جاتے ہیں
مؤنث	ماری جاتی ہے	ماری جاتی ہیں	تو ماری جاتی ہے	تم ماری جاتی ہو	میں ماری جاتی ہوں	ہم ماری جاتی ہیں

مستقبل کے صیغے

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	مارا جائے گا	مارے جائیں گے	تو مارا جائے گا	تم مارے جاؤگے	میں مارا جاؤں گا	ہم مارے جائنگے
مونث	ماری جائے گی	ماری جائیں گی	تو ماری جاے گی	تم ماری جاؤگی	میں ماری جاؤنگی	ہم ماری جائینگی

امر حاضر

	واحد غایب	جمع غایب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر			مارا جا	مارے جاؤ		
مونث			ماری جا	ماری جاؤ		

تیسری فصل

حرفوں اور حرکات کی مخالفت اور موافقت

ایک حرف یا حرکت کے اپنی جگهه پر درست آنے کو موافقت اور اس کے برعکس کو مخالفت کہتے ہیں-

حروف موافقه | حروف موافقه یه هیں ' 'پ' 'ک' مثال ڈھانکنا ' ڈھانپنا - 'لام' 'ر' مثال تلوار ' تروار ['تروار' اب اردو میں نہیں آتا هندی میں آتا هے] ' رو پہلا ' روپهرا - 'م' 'ب' (اگر 'ب' کے پہلے نون غنه هو) ' مثال ' تھانبنا ' تھامنا - قاف ' کاف مثال' نور کا بکا ' نور کا بقا - چاکو' چاقو - کورفرنگی' قور فرنگی - کدم ' قدم (درخت کا نام) - 'ه' 'الف' (تمام عربی اور فارسی الفاظ میں) ' ستارہ ' ستارا - هاله' هالا - ' کاف ' ' خ ' مثال چٹکارا ' چٹخارا - 'ر' 'ڑ' مثال ' اردو ' اڑدو - ' نون ' ' ڑ ' (اگر ماقبل 'نون غنه هو)' مثال" کانا' کانڑا - 'د' 'ت' مثال ' تدبیر ' تتبیر - 'ل' نون' مثال' لون ' نون (نمک) - 'س' ' ج ' مثال' مجهه سے ' مس سے - 'نون' 'س' مثال ' اُس نے ' اُن نے - 'س' ' ب ' مثال ' بوتا' سیتا (عورتوں کی زبان) - 'نون' 'ت' مثال

اِتنا ، اِتّا - 'گ ' ' واؤ ' مثال ' دوگنا ' دونا - ' دال '
' ب ' مثال کدھو ' کبھو (' ہ ' کے ساتھہ اور اس کے
بغیر) کبھی ' کدھی (یہاں ' ی ' اور واؤ ' ہ ' کے ساتھہ
مخلوط ہوگئے) - ' ر ' ے ' مثال ' جاکر ' جاکے - ' نون '
' د ' مثال فن ' فند - ' الف ' ' ی ' مثال ' دس بار '
دس بیر (قدمائے اردو کی زبان) - ' ب ' ' پھہ ' مثال
دس بیر ' دس پھیر - ' ز ' ' س ' مثال ' ہرگز ' ہرگس
(اگرچہ بعض دہلی والے بھی یہ لفظ بول جاتے ہیں
لیکن غیر فصیح ہے ' غالباً یہ اہل مغل پورہ کی صحبت
کا فیضان ہے) - ' م ' ' پ ' مثال ' طمنچہ ' طپنچہ -
' س ' چھہ ' مثال ' پچھتا نا ' پستانا ' پچھتولیہ ' پستولیہ -
' کھہ ' ' پ ' مثال ' اکھاڑنا ' اپاڑنا (اُگنے والی چیزوں کے لئے
جن کی جڑ ہوتی ہے) - ' تھہ ' ' ک ' مثال ' ' کلا ' ' تھلا '
(یہ دونوں لفظ ساتھہ مستعمل ہوتے ہیں الگ الگ سننے میں
نہیں آئے) * ' ت ' ' ب ' مثال ' تالا ' بالا - ' ت '
' ب ' مثال تانا ' بانا [جو ڈورے ایک تھان وغیرہ میں
طولاً پڑے ہوں تانا کہلاتے ہیں اور جو عرضاً پڑے ہوں
بانا ' دونوں الگ الگ مستقل لفظ ہیں موافقت یا بدل

* کلا یقیناً علحدہ بھی استعمال ہوتا ہے ' کلا چلے ستر بلا ٹلے '
ہاں تھلا الگ نہیں بولا جاتا کیونکہ یہ کلا کا تابع مہمل ہے - (مترجم)

کی ذیل میں نہیں آتے] - اگر کوئی یہ کہے کہ تین لفظ جو اوپر آئے اُن میں تینوں جگہہ دوسرا لفظ اول لفظ کا مہمل ھے تو یہ غلطی ھے کیونکہ ھندی میں مہمل با معنی لفظ کے اول حرف کو واؤ سے بدل کر بنتا ھے جیسے گھوڑا ووڑا ' لوٹا ووٹا ' آگ واگ ' گھوں ویہوں ' چنا ونا ' پانی وانی [یہ کلیہ نہیں کہا جاسکتا ' 'تال متول بھی تو ھندی ھی ھے] فارسی میں با معنی لفظ کے اول حرف کو 'م' سے بدلنے سے بنتا ھے ' مثال اسپ مسپ - فیل ' میل - اُشتر ' متر —

نقل ھے کہ جاڑے کی ایک رات ایک نوجوان ھندوستانی اپنے ایک ایرانی دوست کے گھر گیا ' جب شام ھوئی تو مغل نے کہا - " حالا شما تشریف بہ برید من تو شک ولحاف دیگر ندارم ' مجبور در یک لحاف خوابیدن ضرور خواھد افتاد و الا سردی مردی خواھد شد " ؛ ھندوستانی نے جواب دیا " باشد جائے اندیشہ نیست در چادر مادر شما خواھم خوابید " —

پنجابی میں حرف اول کی جگہہ 'الف' آتا ھے جیسے کوتھا ' اوتھا - فیل ایل —

مختصر یہ کہ 'ڈ' 'ڑ' سے بدلجاتا ھے ' مثال ' کھانڈ ' کھانڑ - 'ٹ' 'ٹھ' سے مثال بھٹّی ' بھٹھی - 'ب' 'بھ'

اول (زبر) بہتر ہے - 'متی' (بالفتحہ) اور 'متی' (بالکسر) دونوں فصیح ہیں - 'محلا' کا پیش اور زبر (سہرندیوں کا محلا، بجواریوں کا محلا) - اور 'فنکسک' (سراپا) کا زیر (کسرہ) اور زبر (فتحہ) دونوں ہم معنی - اور 'ہرن' کا فتحہ اور کسرہ' ان سب الفاظ میں حرکات کی موافقت ہے یعنی متبادل ہیں - مچ (بالکسر) مچ (بالضم) جیسے مجھہ سے کیوں خفا ہو —

حرکات مخالف | 'چھپنا' اور 'چھپنا' میں کسرہ اور ضمہ کی مخالفت ہے، فصیح بالکسر ہے - اور ضمہ کے ساتھہ اہل مغل پورہ کا لہجہ ہے - اہل اُردو کی زبان نہیں 'کھلانا' کا کسرہ' فتحہ کے ساتھہ پورب کے زمینداروں کی زبان ہے اور ضمہ کے ساتھہ پنجاب والوں یا بعضے مغل پورہ والوں کی زبان ہے - اور کلمہ 'یہ' (اشارہ قریب) میں بالکسر تو اُردو ہے لیکن بالضم سادات بارہہ کی زبان ہے اور بالفتحہ دھلی کے اطراف میں بولتے ہیں - کلمہ 'وہ' (اشارہ بعید) بالکسر پورب کے فضیلت پناھوں اور شاہ جہان آباد کے مکتبی ملاؤں کی زبان ہے - اور فتحہ سے مزید پارچہ کے دلالوں اور بعضے مسلمانوں کی بھی زبان پر ہے جو بحث سے خارج ہیں - اور ضمہ کے ساتھہ اُردو دانوں

کی زبان ہے —

'یہ' اور 'وہ' کے ساتھہ یہ بھی اکثر ہوتا ہے کہ اول کی 'ہ' کو 'ی' سے بدل کر 'یے' اور دوم کی 'ہ' کو 'واؤ' سے بدل کر 'وو' بنالیتے ہیں۔ یہ تبدیلی شہر کے فصحا کے اختیار میں ہے —

'کو' (علامت مفعول) واؤ مجہول کے ساتھہ تو فصیح اردو ہے۔ مگر واؤ معروف کے ساتھہ باہر والوں یا شہر کے پرا تم بوڑھوں کی زبان ہے —

'آیسی' بالفتحہ اُردو ہے اور بالکسر بیرونیوں کی زبان ہے —

'قسم' بالفتحہ دہلی کی زبان ہے اور بالکسر فرخ آباد اور مئو کے افغانوں کی زبان —

'میں' - (حرف ظرف) بالکسر اہل اردو کی زبان ہے اور بالفتحہ اٹاوہ اور اُس کے گرد و نواح کے لوگوں کی۔

'میں' (علامت مفرد متکلم) بالفتحہ شہر کے فصحا کی زبان ہے اور بالکسر دوآبہ گنجم * کے لوگوں کی —

---

* وہ رقبہ جو گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے اس کے لئے میں نے یہ نام یعنی دوآبہ گنجم وضع کیا ہے — (مترجم)

'پلنگ' (جس پر سوتے ہیں) بالفتحہ فصیحوں کی زبان ہے اور بالکسر دہاتی بولتے ہیں —

شیخ - بالفتحہ شہر کے قابل لوگ بولتے ہیں اور عوام بالکسر —

مغل - غین کے ضمہ کے ساتھہ پوربیوں کا مستعمل ہے اور اُس کے فتحہ کے ساتھہ کہ لفظ صحیح ہے اور اسی طرح شاہ جہان آباد والوں کے استعمال میں ہے فصیح ہے اور احتمال ہے کہ لغت کی رو سے بھی غلط نہیں —

حاشیہ - بعض نسخوں میں یہ عبارت اس طرح درج ہے .- و ضمۂ غین مغل کہ لفظ صحیح الاصل یہی ہے پوربیوں میں مستعمل ہے اور اس کا فتحہ کہ لفظ غلط اور شاہ جہان آباد والوں کی زبان ہے فصیح ہے —

ھتھنی (بالفتحہ اور نون غنہ' ہاتھی کی مادہ) میواتیوں کی زبان ہے - 'ھِتھنی' (بالکسر) پوربیوں کی زبان ہے' اور ھتھنی (بالفتحہ) فصیح اردو ہے —

ستر (سین مشدد مفتوح' برھمن کا لقب)' دھلی کا تلفظ ہے' سین مضموم کے ساتھہ پوربیوں کا تلفظ ہے- بعضے دھلی میں شین معجمہ مشدد کے ساتھہ بھی بولتے ہیں-

تم - (بالضم) دھلی کی بولی ہے اور بالفتحہ (تم) تھانیسر' اندری اور کرنال کا لہجہ ہے —

تلک (بالفتحہ) فصیح دھلویوں کی زبان ھے اور تُلک (بالضم) اھل مغل پورہ کا لہجہ ھے -

---

چوتھی فصل
بعض حرفوں کا لفظ سے گر جانا

جاننا چاھئے کہ لفظوں سے حرفوں کا گرنا دو قسم کا ھے، ایک وہ کہ فصحا نے حرف یا حرفوں کے حذف کے بعد لفظ کو رواج دیا ھے اور دوسرے وہ کہ بعض لوگ بات کرتے وقت جلدی کی وجہ سے کسی حرف کو ارادے کے بغیر گرا دیتے ھیں اور ان کی زبان سے بھلا معلوم ھوتا ھے-

اول قسم | 'واو' اور 'یاے مجہول' کا گرانا 'ھووے' 'نہ ھووے' سے' مثال :-

" آپ فلانے شخص کو تعزیہ خانے میں بہت
بلاتے ھیں ایسا نہ ھو کہ کوئی تبرّا کرے اور
اس کی خاطر آزردہ ھو" -

اس عبارت کے بیچ میں 'نہ ھو' اور آخر میں 'ھو' بجاے 'ھووے' کے آیا ھے' ورنہ لغت میں 'ھو' امر کا صیغہ ھے اور 'نھو' نہی کا صیغہ ھے -

'آکر' 'جاکر' 'آکے' 'جاکے' جیسے فعلوں سے 'کر'

اور 'کے' کا گرانا' مثال:-

"فلانا ہماری باتیں سن مرزا حسن علی پاس
جا سب کہہ دیتا ہے اور وہاں کی باتیں
یہاں آ بیان کرتا ہے"۔

اس عبارت میں 'سنکر' یا 'سنکے' کی جگہہ 'سن' اور 'جاکر' یا 'جاکے' کی جگہہ 'جا' اور 'آکر' یا آکے' کی جگہہ 'آ' آیا ہے -

'دیوانہ پن' کی 'ہ' گراکر دیوان پن مستعمل ہے -

'لڑکاپن' سے الف گراکر لڑکپن ('ڑ' مفتوح 'کاف' ساکن) کہتے ہیں -

اسی طرح 'شہداپن' سے الف گراکر 'شہدپن' کہتے ہیں-

اکثر مصدروں اور مضارع اور امر و نہی کے صیغوں سے 'واو' گرادیتے ہیں - جیسے 'کھاونا' جاونا' آونا' پیونا اور کھاوتا ہے' پیوتا ہے' جاوتا ہے' آوتا ہے' اور 'آوو' جاوو' نہ آوو' نہ جاوو- آج کل مسلمانوں میں بوڑھے پراتم اور ہندوؤں میں بیشتر اس طرح بولتے ہیں - اور محمد تقی میر سلمہ اللہ شعر میں بھی ایسی شکل استعمال کرگئے ہیں' یہ شاید حفظ وزن کی نظر سے ہوا ہو یا اکبر آباد میں اس کا مضایقہ نہیں -

'والا' (صاحب' مالک' باشندہ) کا آخر کا الف'

لیکن یہ ہر کہیں نہیں بلکہ صرف دو جگہہ حذف کیا جاتا ھے ' جیسے 'دلّی وال ' یعنی دھلی کا رھنے والا جو اصل میں دلّی والا تھا ' اور ' کوتھی وال ' جو اصل میں کوتھی والا تھا یعنی مالدار ' ھندی خزانہ والا -

' لاگا ' کا پہلا الف ' مثال فلانا دیوار سے لاگا کھڑا ھے ' ' لگا کھڑا ھے ' فصیح ھے ' تلک ' کا لام یعنی " اب تلک ' کی جگہ " اب تک " - لیکن دونوں اردو میں آتے ھیں -

' ایدھر ' ' کیدھر ' ' اودھر ' ' پور ' کی ' ی ' اور ' واو ' جیسے شہزاد پور ' شاہ جہار پور - کتابت میں ضمہ کی رعایت سے واو اور کسرہ کی رعایت سے ' ی ' لکھدیتے ھیں اور بعضے نہیں لکھتے ' صحیح وہ ھیں جو نہیں لکھتے ' کیونکہ اگر ترکی کے قاعدے کے مطابق حرف مضموم کے بعد ' واو ' اور حرف مکسور کے بعد ' ی ' لکھنا ضروری ھے تو حرف مفتوح کے بعد ' الف ' بھی لکھنا چاھئے ' اور ایسا نہیں ھوتا ' چنانچہ ' رھا ' ' کہا ' ' چلا کو بخلاف ترکی راھا ' کاھا - چالا ھندی میں نہیں لکھتے ' ترکی میں ' ایمدی ' کو الف مکسور کے ساتھہ عروض کی رو سے فعلن کے وزن پر ' ی ' کے ساتھہ اور ' اوغلان ' کو فعلن کے وزن پر واو کے ساتھہ لکھتے ھیں - ضمہ کے بعد واو اور کسرہ کے بعد 'ی' اور فتحہ کے بعد ' الف ' اسی مثال میں آتا ھے -

اس کے سوا هندی میں ترکی کی ٹانگ توڑنے کے کیا معنی؟ اور حرکت کی رعایت حرف کی ایزادی کی حقیقت یہ ھے کہ ترکی زبان کے فصحا اس مزید حرف کا اعلان تلفظ میں نہیں کرتے [جیسے اردو والے جب اُس کو 'اوس' لکھتے تھے تو بولنے میں واو کا اعلان نہیں ہوتا تھا، تلفظ دونوں صورتوں میں ایک ھی رهتا تھا] حالانکہ وہ کتابت میں موجود ھے۔ اگر 'اوغلان' بروزن فاعلان موزوں کریں اور 'قاچار' کو پاداش کے وزن پر شعر میں باندھیں تو جایز ھے، لیکن 'اُس' کو جو کُل کے وزن پر ھے حور کے وزن پر موزوں نہیں کرسکتے۔ اور 'رها' کو جو فعل کے وزن پر ھے اگر فعلن کے وزن پر 'راها' نہیں کہہ سکتے، نہ 'مالدا' کو فاعلن کے وزن پر بندہ سکتے ھیں، اور یہ بھی ظاھر ھے کہ 'اس' (اشارہ قریب) میں یاء نہیں لکھتے جب کہ 'اُس' میں واو لکھتے ھیں، اس بیچارے نے کیا قصور کیا ھے کہ بغیر یاء کے لکھتے ھیں۔ اِدھر میں جو یاء نہیں لکھتے اس کی وجہ یہی ھے کہ حرکت کے بعد حرف بڑھانا ضرور نہیں۔ اس گفتگو سے ثابت ہوتا ھے کہ لفظ 'اُس' اور ایسے تمام هندی لفظوں میں جن میں ضمہ بغیر واو کے آواز دیتا ھے واو کا لکھنا صحیح نہیں۔

ایسا ھی حال 'ی' کا ھے ' جس حرف کے بعد تلفظ میں اس کا اظہار ھو تو کتابت میں بھی درست ھے ورنہ غلط - اسی وجہ سے حرف مضموم جو واؤ سے مخلوط ھو گیا اور مکسور جو 'ی' سے مخلوط ھو گیا ھو اور مفتوح جو الف سے مخلوط ھو گیا ھو اُردو کے حروف تہجی میں شامل نہیں کئے گئے ورنہ اس زبان کے حروف تہجی بانوے شمار میں آتے —

اور 'میٹھہ' (دل کے وزن پر) اور 'کونجڑا' (فعلن کے وزن پر) جن کا 'ی' اور واؤ کے ساتھہ لکھنے کا رواج ھے ان میں 'ی' اور 'واؤ' ضروری نہیں -

بانوے حروف کا ذکر ابھی آیا ھے ' ان کا حساب اس طرح ھے کہ چھیاسی حرف جن کی تفصیل سابق میں آچکی ھے ان کے علاوہ دلالوں کی زبان کے دو حرف یعنی 'ز' اور نون مخلوط جیسے زنکار (چھار کے وزن پر)' اور 'شین' 'نون' سے ملا ھو جیسے شنگرف (مسطر کے وزن پر)' 'واؤ' لفظ 'اُس' میں اور 'یاء' 'اِس' میں' اور 'الف' 'راما' میں' یہ کُل ھوے اکیانوے - دوسری صالف 'جانمّد' (تشدید میم) اور نورمّد بجاے جان محمد و نور محمد ھے - اور 'صامرا' بجاے 'صاحب میرا' اور 'بھئی' بجاے بھائی اور باوجی بجاے باواجی

اور 'جنور' بجاے جانور اور 'شجہنا باد' بجاے شاہ جہان آباد اور روشن دولا بجاے روشن الدولہ -

---

پانچویں فصل' مصدروں کا بیان

یاد رکھنا چاہئے کہ جس لفظ کے آخر 'نا' ہو اور اس سے ماضی' حال' استقبال اور امرونہی کے صیغے بن سکیں وہ مصدر ہے' اور جس لفظ کے آخر 'نا' ہو مگر اس سے صیغے مشتق نہ ہو سکیں وہ مصدر نہیں ہوتا خواہ مصدر کے معنی دیتا بھی ہو - غرض کہ پہلے کو مصدر اور دوسرے کو حاصل مصدر کہیں گے -

مصدر کی قسمیں صیغوں کے ذکر میں مصدر کی کیفیت کچھہ آ چکی ہے' لیکن اس کی تحقیق اس نہج پر ہے کہ مصدر تین قسموں پر منقسم ہے (۱) جو فعل اُس سے بنے وہ صرف فاعل کو چاہے' اسے لازم کہتے ہیں - (۲) جب فعل کسی کے ہاتھہ سے دوسرے پر واقع ہو یا کسی کے ایما سے کسی کے ہاتھہ سے کسی پر واقع ہو اُسے متعدی کہتے ہیں - (۳) لازم کی ایک اور قسم بھی ہے یعنی لازم سے متعدی کے معنی پیدا ہوں - لازم کی مثال :- آیا زید' گیا زید - متعدی اول کی مثال :- مارا زید نے عمرو کو - متعدی ثانی کی مثال :-

مروایا زید نے عمرو کو بکر سے - تیسرے متعدی کی مثال جس کے معنی لازم سے پیدا ہوں :- آیا زید ساتھہ عمرو کے ' یعنی لایا عمرو زید کو -

مصدر متعدّی کا واؤ اس سے سمجھدار سمجھہ سکتا ہے کہ جب کوئی کام کسی کے ایماء سے کسی کے هاتھہ سے کسی پر واقع هو تو اس کے مصدر میں الف پر واؤ مقدم هوگا ' اور یہ واؤ کسی جگہ بھی حذف نہیں هو سکتا بعض لوگ جو اسے حذف کردیتے هیں وہ فصیح نہیں هیں اور ان کی اردو دانی ناقص هے ' جیسے ' کرانا ' بمعنی کروانا ' کہانا بمعنی کہوانا - اگر چہ ' کہوانا ' کے مقابلہ میں ' کہلانا ' کا استعمال زیادہ هے لیکن وہ بھی صحیح اور فصیح هے —

حروف کی تقدیم و تاخیر بعض الفاظ میں حرفوں کو آگے پیچھے کردیا هے ' جیسے ' دابنا ' دبانا - اُلیلڈنا ' اُنڈیلنا -

متعدی بنانے کا جو قاعدہ هم پہلے لکھہ چکے هیں وہ متعدی ثانی کا هے متعدی اول کا نہیں ' کیونکہ متعدی اول اس قاعدہ کے خلاف بہت پایا جاتا هے -

حاصل مصدر حاصل مصدر کی کئی قسمیں هیں (۱) تکرار سے ' جیسے آتے آتے ' جاتے جاتے ' کہتے

کھتے ' اتھتے (سب میں یاء مجہول) - ان کے معنی
ھیں آنے تک ' جانے تک ' کھنے تک ' اتھنے تک - ' میرے
آتے آتے ' کے معنی ھوے میرے آنے تک - ' تک ' نے معنی
خود بخود پیدا ھو جاتے ھیں - اور ' آتے ' وغیرہ حاصل مصدر
ھو جاتے ھیں اور ' تک ' کی ضرورت نہیں رھتی -

(۲) ' سری ' بمعنی ' مرنا ' - اور ' رھاؤ ' ' چڑھاؤ ' ' اتار '
کے معنی ھیں رھنا ' سوار ھونا ' نیچے آنا -

(۳) امر کے اکثر صیغوں کا بھی یہی حال ھے ' جیسے ' ناچ '
' پہنچ ' ' سمجھ ' ' کھینچ ' ' اکڑ ' ' رھایش (رھنا) -

(۴) ' دیوان پن ' مرادف ھے ' دیوانگی ' کا جو فارسی
کا حاصل مصدر ھے -

(۵) ' چالا ' (چلنا) اور ' چل چلاؤ ' (وھی معنی) '
' کس کساؤ ' وغیرہ ان جیسے بہت سے لفظ ھیں [جو
حاصل مصدر کے معنی دیتے ھیں]

(۶) ' گُلاپا ' (گول ھونا) ' ' گھلاوت ' ' ' سجاوت '
بمعنی کسی چیز کا پانی میں مخلوط یا حل ھو جانا
اور محبوب سے اختلاط کا لطف ' زیبا ھونا - اور
' مچ مچاھت ' (دل میں خواھش کا اظہار کرنا) '
' لڑ گت ' (مقابل ھونا) -

(۷) ' سج ' (زیبایش) ' ' دھج ' (انداز زیبائی سے مراد

ھے)، 'ڈھب' بنیاد ڈالنا [کسی کام یا بات کی]، 'کرتب' (کردار)، 'کرتوت' (کردار)، 'نباہ' (پورا کرنا)، یہ سب حاصل مصدر ھیں -

(۸) بعضے مصدر دو لفظوں سے مل کر ایک ھی معنی دیتے ھیں، جیسے 'دوڑ دھپاڑ'، ریل پیل، جھانک تاک، دیکھا داکھی -

(۹) کبھی مبالغہ کے لئے بیچ میں الف اتصال لاکر ایک لفظ کو دوبار بولتے ھیں جیسے دوڑا دوڑ، بھاگا بھاگ - یہ الف مختلف حروف کے الفاظ میں بعضوں کے نزدیک صحیح ھے اور بعضوں کے نزدیک غلط، جیسے 'ریلا پیل' - یہ لفظ راقم کے شعر میں آیا ھے —

— * —

باب پنجم

نحو

— * —

پہلی فصل
اسم کے بیان میں

بول | بک [سنسکرت واکیہ، بولنا، لفظ] کی دو قسمیں ھیں با معنی اور بیمعنی - بیمعنی بحث سے خارج

ہے، مطلب با معنی سے ہے، اور اسے ہم 'بول' سے تعبیر کرتے ہیں ۔

فعل | چونکہ 'بک' با معنی بھی ہے اور بےمعنی بھی اور 'بول' وضع کئے ہوے مفرد لفظ کا نام ہے پس بول، تین زمانوں یعنی ماضی، حال یا استقبال میں سے کسی ایک زمانے میں شامل ہوگا اور اس کو فعل کہیں گے، جیسے آیا ہے، آتا ہے آوے گا۔

اسم | یا ایسا نہیں ہوگا [کسی زمانے پر مشتمل نہیں ہوگا] تو اسے اسم کہیں گے، جیسے، سورج، چاند۔ یہ دونوں معنی میں اپنی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور مستقل ہیں ۔

حرف | بول کی ایک قسم اور ہے جو اپنی ذات میں مستقل نہیں اور غیر کے واسطہ سے معنی پر دلالت کرے، اس کو 'حرف' کہتے ہیں۔ جیسے 'پر' سے۔ مثال، کوٹھے پر ہم سے چڑھا نہیں جاتا۔ حرف ربط کلام کے لئے عبارتوں میں بہت آتا ہے، ممکن ہے کہ کوئی عبارت اس سے خالی بھی ہو جیسے، زید آیا، کوٹھا گرا۔

اسم کی قسمیں | اسم کی یہ قسمیں ہیں :- جامد، مشتق، تام، ناقص، مفرد، مجموع، مونث، مذکر، فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، موصوف،

صفت، بدل، مکرر، مستثنیٰ، تمیز، مضاف، مضاف الیہ، حال، ذوالحال -

فعل کی قسمیں | فعل کی بھی دو قسمیں ہیں تام، ناقص -

حرف کی قسمیں | حرف کی بھی متعدد قسمیں ہیں جو اپنی جگہہ پر آئیں گی -

بات | دو بولوں کے مجموعے کو 'بات' کہتے ہیں عربی میں جس کا نام کلام ہے - اس میں شرط یہ ہے کہ اسے سن کر سامع کو انتظار نہ رہے، اور یہ فعل اور فاعل، مبتدا اور خبر هی سے حاصل ہوتا ہے -

جامد | اسم جامد اُس اسم کو کہتے ہیں جو کسی مصدر سے مشتق نہ ہوا ہو اور نہ اس سے کوئی کلمہ مشتق ہوسکے، جیسے، زید، عمرو، گھوڑا، ھاتھی-

مشتق | وہ بول یا کلمہ ہے جو مصدر سے نکلا ہو، جیسے بھلو، بھگوڑا، ھنسوڑ، کایک، بجوپا - اسی قسم میں اسم فاعل اور اسم مفعول داخل ہیں -

اسم تام و ناقص کا بیان بعد میں آے گا جن کا انحصار علم پر ہے، مثال کل محمد، کلو -

---:*:---

دوسری فصل

مفرد اور جمع

مفرد اور جمع | مثال مفرد :- گھوڑا ' اُونٹ ' گاجر ' مولی۔ جمع کے کئی قاعدے ہیں –

(۱) جب مفرد اسم کے آخر میں الف ہو تو [اور وہ اسم مذکر ہو تو] الف کو یاء مجہول سے بدلتے ہیں ' جیسے پیڑا ' پیڑے کھاے۔ رنگترا ' رنگترے بھیجے - خربوزا ' خربوزے میٹھے نکلے - کیلا ' کیلے بنگالے میں اچھے ہوتے ہیں - چھہارا ' چھہارے اچھے نہیں ہیں - گرم گرم اندرسے کھایا چاہیے - دلی کے کھیرے یاد آتے ہیں - چار نیچے اور پانچ حقے بھائی صاحب نے منگواے ہیں - گھوڑے بھکّر سے آے ہیں ' جناب عالی نے سو چھتّے رمنے میں چھڑ واے ہیں - ممولے بول رہے ہیں ' پپیہے برسات میں غضب کرتے ہیں -

(۲) جب مفرد کے آخر یاء معروف ہو مگر مذکر حیوان کا نام نہ ہو جیسے ہاتھی ' نہ علم ہو جیسے دلّی اور نہ اس میں یاء زاید ہو جیسے جوگی ' بیراگی ' سنیاسی ' پنجابی ' پوربی - مثال :- مُولی ' مُولیاں- پوری ' پوریاں - کچوری ' کچوریاں - کلی ' کلیاں-

جلیبی، جلیبیاں - چارپائی، چارپائیاں - انبرتی انبرتیاں - چوکی، چوکیاں - دری، دریاں - شطرنجی، شطرنجیاں - گولی، گولیاں - بولی، بولیاں - جھولی، جھولیاں - کوڑی، کوڑیاں - کالی، کالیاں -

ہم نے یہ قاعدہ اردو الفاظ سے متعلق بیان کیا ہے اور زبانوں کے الفاظ سے سروکار نہیں - اگر لفظ 'کھتّیا' کی جمع پر وہ قاعدہ جو 'پیرا' (خطوں میں پیرہ لکھدیتے ہیں) کے لئے آگے لکھا ہے عاید نہ ہو تو ہمارا اصول ناقص نہیں تھہرتا کیونکہ یہ لفظ اردو نہیں اور اس کے سوا جو لفظ مذکر نہیں جیسے انگیا (عورتوں کا سینہ بند) اس کی جمع تانیث کی وجہ سے اس قاعدے کے تحت درست نہ ہوگی بلکہ فصحا کے نزدیک یہ لفظ مفرد اور جمع میں یکساں رہے گا، اسی لیے اس بیان کے شروع ہی میں تذکیر کی قید لگادی ہے -

(۳) جس لفظ مونث کے آخر یاء معروف کے سوا کوئی اردو کا حرف ہو اس کی جمع یاء مجہول اور نون غنہ سے بنے گی، جیسے نائکائیں، مائیں، باتیں چیتیں، گھاتیں، میٹھیں، چیلیں، یادیں، کاجریں، پشوازیں، ہوسیں، بلدشیں، وراثیں، رقامیں، مرتافیں، محتاطیں، طماعیں، کمظرفیں، بدطریقیں، نازکیں،

بدرگیں، مصرمیں، ازاریں، کھڑاویں، بے راهیں —

(۴) جس مذکر لفظ کے آخر الف اور یاء معروف نہ هو وہ مفرد اور جمع میں ایک هی رهے گا، جیسے پانچ لڈو، دس کدو، دو پلاؤ، چار سالن، آٹھ تربوز، پندرہ شلغم، سات بیگن، بیس کچالو، بارہ رتالو —

ان کی مثالیں جن کی جمع مونث یاء مجہول اور نون غنہ سے بنتی هے : - آپ کی یادیں بہت رهیں بی گلا نے سات پشوازیں اور نئی سلوائی هیں، یہ بندشیں جو آپ نے باندهی هیں سو هم سب سمجھتے هیں اور رقاصیں جب آویں گی تو سب کے دل مل جاویں گے، مرتاضیں سب آرزو عنایات کی رکھتی هیں منتاطیں کب هندو کی دوکان کی چیز اپنے بچوں کو کھانے دیتی هیں، کمظرفیں دم بدم اپنی دوپٹے کی تمامی هی دکھایا کرتی هیں، بد طریقیں بھلے آدمی کے گھر میں آنے کے لایق نہیں هوتیں، نازکیں موتیوں کو کب خیال میں لاتی هیں، بدرگیں ماباپ کے اختیار سے باهر هوتی هیں - یہ جمع کی شکلیں جو ابھی لکھی گئیں ان کلموں پر بھی عاید هیں جو مفرد اور جمع میں ایک هی رهتے هیں جیسے لڈو، ایسا نہ هو تو واؤ مجہول اور نون غنہ جمع میں آتا هے - اس کے کئی موقعے هیں مثلاً متعدی یا 'کو' علامت مفعول

کی صورت میں یا حرف سے تعلق کی صورت میں، مثال :- مولیوں نے آج ہمیں بہت بیمزہ کیا، مولیوں کو ترشوایا، مولیوں کے پتے ہمیں دیجئے، مولیوں سے معدہ خراب ہوتا ہے - یہی حال گاجر، لڈو وغیرہ الفاظ کا ہے - اور ہاتھی، جوگی اور ان کی مانند اور الفاظ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں مثالیں :- جوگیوں نے آج شہر گھیر لیا ہے، مست ہاتھیوں نے بڑی دھوم مچائی ہے، جوگیوں کو مار کر نکال دو، مست ہاتھیوں کو چرائی پر لے جاؤ، جوگیوں کا یہاں کیا کام ہے، مست ہاتھیوں کا رہنا شہر میں اچھا نہیں، جوگیوں سے خدا پناہ میں رکھے، مست ہاتھیوں سے بھاگا چاہئے —

مفعول علامت (کو) کے بغیر لانا بھی درست ہے، جیسے، مولیاں تراشو، گاجریں لاؤ، لڈو کھاؤ، لیکن ہاتھی، جوگی اور اسی طرح کے اور اسموں کے ساتھ یہ سلوک پسندیدہ اور اردو کا روز مرہ نہیں —

اور جس لفظ کی جمع اردو میں مفرد کے خلاف ہو اس کا مفرد لانا درست نہیں سوائے اس کے کہ وہ کسی فرد واحد کی تمیز کرنے والا ہو، مثال :- ایک گھوڑا، ایک مولی، ایک گاجر، اور دو گھوڑا، تین گھوڑا، دو مولی، تین گاجر کہنا صحیح نہیں، بنگالہ اور پورب

والے اس طرح بولتے ہیں لیکن شاہ جہان آباد میں کوئی اس طرح نہیں کہتا - اس طرح کہنا صحیح ہے :-

دو گھوڑے ' تین گھوڑے ' دو سواریاں ' تین سولیاں ' دو گاجریں ' تین گاجریں —

ایک عزیز مثنوی میں مرزا رفیع (سودا) سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے :-

تم اپنے پیل معنی کو نکالو
مرے ہاتھی سے دو ٹکّر لڑالو

اس شعر میں دو ٹکر' صحیح نہیں ' دو ٹکّریں ' چاہئے - ' ایک ٹکّر' کہتا تو ٹھیک تھا (ایک' میں ' ی ' داخل نہیں تلفظ ' اک ' ہے) ' لیکن اسے تو دو ٹکّروں کی خواہش ہے -

جو لفظ مفرد اور جمع میں یکساں ہو جیسے ہاتھی جوگی ' لڈو ' ان میں تعدّد کا امتیاز فرق نہیں پیدا کرتا جیسے ' ایک ہاتھی ' دو ہاتھی ' تین ہاتھی ' ایک جوگی ' دو جوگی ' تین جوگی ' ایک لڈو ' دو لڈو ' تین لڈو -

— * —

تیسری فصل

تذکیر و تانیث

مذکر اور مونث کی کئی قسمیں ہیں ' حقیقی ' سماعی ' تقدیری —

مونث حقیقی

مونث حقیقی وہ ھے کہ اس کی ٹکر کا جاندار مذکر موجود ھو- انسانوں میں اس کی علامتیں اور القاب ھوتے ھیں جیسے، بیگم، خانم، بی بی، بی جی، بہو، ھمشیرہ، امّا، باجی، پھوپھی، خالا، ممانی، انّا، ددا، چھو چھو وغیرہ - بعضے الفاظ ایک حرف یا حرکت کے بدلنے سے مذکر اور مونث بناتے ھیں، مثال، پیارا، پیاری، پہلا مذکر ھے اور دوسرا مونث- اسی طرح پنجابی، میواتی، بنگالی، مارواڑی، سے پنجابن، میواتن، بنگالن اور مارواڑن مونث بنے - یہ کچھ نہیں ھے بلکہ اکثر ایسا ھوتا ھے کہ مذکر کی یاے معروف کی جگہ نون مونث پر دلالت کرتا ھے، چونکہ پوربی سے پوربن بنانا درست نہیں اس لئے یہاں نون کے بعد یاے معروف اور بڑھاتے ھیں یعنی پوربنی بناتے ھیں۔ اس لفظ میں 'ر' کے سکون کے ساتھہ 'پور' 'خور' کے وزن پر ھے' 'ب' پر پیش ھے نون کے نیچے زیر اور یاے معروف ھے - اس طرح خراسانی، صفاھانی، شیرازی وغیرہ فارسی اور عربی الفاظ میں مونث 'یاء' اور 'نون' سے نہیں بنتا بخلاف مذکر کے الف کو یاء سے تبدیل کرنے سے جو مونث کی علامت ھے جیسے پیارا، پیاری جس کا ذکر آگے آیا اور کھٹا، کھٹی- کڑوا کڑوی - مٹکا، مٹکی وغیرہ - اور شہرازن اور اس جیسے

الفاظ کا نون فصحا کی زبان نہیں اگرچہ پنجابن اور بنگالن کے قیاس پر صحیح ہے بلکہ شیرازی کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر روا ہے - مثال یہ مغل شیرازی ہے ' یہ مغلانی شیرازی ہے* -

کبھی یاء تانیث الف تذکیر کے مقابل ہوتی ہے ' جیسے' پٹھان ' پٹھانی - برہمن ' برہمنی -

کبھی مذکر کے آخر الف ' ن ' اور یائے معروف کی زیادتی سے مونث بناتے ہیں ' جیسے :- مغل ' مغلانی سید ' سیدانی -

کبھی مذکر کے آخر سے یاے معروف اُڑا کر الف ' نون' اور یائے معروف زیادہ کرتے ہیں ' جیسے' کھتّری' کھترانی ت کی تشدید تخفیف میں لا کر جیسے 'سیدانی' میں یاء مشدّد کو مخفف کر دیا اور نون لچھمنی میں خلاف قیاس ہے اور ڈومنی میں مناسب ہے کیونکہ اس کا مذکر ڈوم ہے نہ کہ ڈوما کہ اس کا مونث ڈومی بنتا - اور ماموں کا مونث 'ممانی' بہ نظر چچی اور پھپی کے خلاف قیاس ہے کیونکہ 'ماموں'

---

* یالتو کبوتروں کی ایک قسم شیرازی کہلاتی ہے ' اس کی مادہ کو دھلی میں شیرازن کہتے ہیں ' شاید اس خیال سے مصنف نے انسانوں کے لئے یہ لفظ روا نہ رکھا ہو - (مترجم)-

اصل میں 'ماما' تھا' اہل ہند نے 'عمو' کے نمونے پر 'ماما' کے آخری الف کو واو سے بدلا اور نون غنہ کثرت استعمال سے آگیا - اور اہل ہند سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے والدین مغل ہوں' اور یہ تبدیل پرانی ہے' امیر خسرو کے شعر میں بھی ماموں اور ممانی پایا گیا † -

اگر ایک لفظ واو معروف پر ختم ہو تو مذکر ہوگا اور وہی لفظ واو مجہول پر ختم ہو تو مونث ہوگا جیسے کلّو مذکر ہے اور کلّو (کالی عورت یا عورت کا نام) مونث ہے —

بعضے اسم تذکیر و تانیث میں مشترک ہوتے ہیں - جیسے قطبن' مرادن' جمیعت' کہ ان کی اصل مذکر میں قطب الدین' مراد علی' اور جمیعت تھی اور مونث میں قطبی بیگم' بی مراد بخش اور بی جمیعت ہو گئے - اور امیر بخش' پیر بخش' نور بخش' کریم بخش' حسن

---

† ماما اور چاچا یہ دو رشتوں کے نام پہلے سے رائج تھے - 'ماما' کو ماموں اس لیے بنایا گیا کہ فارسی میں 'ماما' گھر کی خادمہ کو کہتے ہیں' ماں کے بھائی کو خادمہ کا نام دینا مناسب نہ تھا' اسی رعایت سے مامی میں بھی تبدیلی ہوئی' چونکہ شمالی ہند کے لہجے میں آخر کلمہ کے حروف علت کے بعد نون غنہ ناخواندہ مہمان کی طرح آموجود ہوتا ہے اس لئے چاں چاں (غل غپاڑا) سے بچانے کو نصھا چچا کہنے لگے' جس کی تانیث چاچی کی جگہہ سہل قاعدے کے تحت چچی بنی - (مترجم)

بخش ' حسین بخش ' مرتضیٰ بخش وغیرہ مذکر اور مونث میں مشترک ہیں۔ اور ترخیم [کلمہ کا آخری حرف گرادینا] اگر واو مجہول کے ساتھہ ہو تو تانیث پر دال ہوگی جیسے امیرو ' جب کہ بغیر واو کے مذکر ہوگا ' جیسے ' امیر وغیرہ ' پیر بخش کے مذکر اور مونث میں الف بمنزلہ واو مجہول کے ہے (علامت مذکر) ۔ جیسے ' پیرو ' پیرا ' نور بخش بھی پیر بخش کے قاعدے کے نیچے آتا ہے ' لیکن امیر بخش اور نور بخش میں مونث نون سے بھی بدلتا ہے ' جیسے ' امیرن ' نورن ۔ لیکن ' پیرن ' صحیح نہیں اور سننے میں بھی نہیں آیا ، کریم بخش سے کریمو اور کریمن اکثر سننے میں آتا ہے ۔ اور امام بخش سے امامو (واؤ مجہول) اکثر اور امامن کم بولتے ہیں ۔ اور حسن بخش سے حسنو واو معروف کے ساتھہ مشہور ہے اور واو مجہول سے نہیں سنا گیا ۔ اور حسین بخش سے حسینی (یاء معروف) مذکر اور مونث میں مشترک ہے۔ مرتضیٰ بخش کی ترخیم نا معلوم ہے ' یہ نام کسبی عورتوں کے ہیں شریف عورتوں کے نہیں ۔ شرفا کی خواتین کی کنیزوں کے نام ایسے ہوتے ہیں :۔ صنوبر ' یاسمن ' گل اندام ' راے بیل ' موگرا ' چنبیلی ' سیوتی ' موتیا ' نرگس ' سوسن ' ہمیشہ بہار ' صبح دولت —

نام کے سوا لقب غیر معتبر چیز ہے ' جیسے کلو ' چھپیا ' بلّو ' ننھی وغیرہ - کیونکہ شرفا کی عورتیں اور کسبیاں دونوں اپنی لڑکیوں کو اُس لقب سے پکارتی ہیں - شریفوں میں یہ دستور نہیں کہ صاحبزادیوں کے نام تو رکھیں ظہورالنسا ' نورالنسا اور ان کو پکاریں ظہورن اور نورن کے لقب سے —

مونث سماعی * | مصنف کہتا ہے کہ مونث سماعی کی علامت آخر میں یاد معروف ہے اور یہ کُلیہ ہے کہ جس کلمہ کے آخر یاء معروف ہو وہ اصلی مونث ہے ' اس میں مستثنیات یہ ہیں :-

(۱) یاء نسبتی یا بمعنی فاعل جیسے پنجابی ' پوربی ' ساتھی ' روگی ' بھوگی ' جوگی ' مالی ' بمعنی رفاقت کرنے والا ' بیمار ' کھانے والا ' ہنود کا عابد ' اور باغ کا رکھہ رکھاؤ کرنے والا —

* واضح ہوکہ مصنف نے مونثات سماعی کو اپنے بیان کی طرح کتاب میں بے ترتیب اور پراگندہ لکھا تھا چونکہ اردو میں یہ بحث نہایت اہم ہے اس لئے اس کو حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق مرتب کرکے چھاپا گیا تاکہ الفاظ آسانی سے مل سکیں ' اور بعض لفظوں کے معنی بھی لکھہ دئے ہیں - (نوٹ طبع اول مرشد آباد و طبع ثانی انجمن ترقی اردو)

(ب) جب یاء معروف علمّ کا جز ہو ' جیسے ہاتھی۔
(ج) یا انسان کے لقب کا آخر کلمہ ہو ' جیسے چودھری۔
(د) یا صفت ہو ' جیسے - بھاری - چونکہ صفت جنسیت میں موصوف کی تابع ہوتی ہے اس لئے مذکر کے ساتھہ مذکر اور مونث کے ساتھہ مونث استعمال ہونی چاہئے جیسے ' یہ پتھرؔ بہت بھاری تھا ' یہ گٹھری بہت بھاری تھی -

مثال مونث کی جس کے آخر یاء معروف ہو :-
مولی ' بتّی ' مسی ' ترئی ' کنڈوری ' بوتی ' چوکی ' اساوری ' ساڑی ' پوری ' انگلی ' چھلنی ' چلکاری جالی ' بالی ' نالی ' وغیرہ —

' دھی ' پنجاب اور پورب میں مونث بولا جاتا ہے اور اردو میں دونوں طرح —

' موتی ' کی تانیث محض قیاسی ہے ' اس کی تذکیر نرالی طور پر مشہور ہے ' یہی حال ' پانی ' اور گھی کا ہے ' ' گھی ' اصل میں ' گھیو ' تھا ' [گھی دراصل سنسکرت میں ' گھرت ' تھا اور مذکر تھا ' مختلف انقلابات سہتے سہتے گھی بنا ' مگر جنس وہی قایم رہی] -

دوسرے مونثات سماعی بہ کثرت ہیں جو ذیل میں باترتیب درج کئے جاتے ہیں —

الف

آب و تاب ' آبرو ' آتش ' آتشک ' آخور ' آرزو ' آس ' آستین ' آفت ' آگ ' آمد ' آمد آمد ' آمد و رفت ' آنچ ' آنکھہ ' آواز ' آیت (بخلاف آیہ) ' ابتدا ' اجل ' اجواین ' اچکن ' اُچھل کود ' ادا ' ازدحام ' [اب مذکر بولا جاتا ھے] ' آزار [بہ شرح صدر] ' اساس ' اسپک (خور جھن ' مشترک) ' اطلاع ' اطاس (ازروے تحقیق) ' افیون (نیز افیم جو افیون کا دوسرا نام ھے) ' الخالق ' اکڑ ' اکسیر ' انبوہ [اب مذکر بولا جاتا ھے] ' انتہا ' انشا ' انگشتری ' انگلیت (جسامت) ' انگھوتھی ' انکیا ' اوجھل ' اوس -

ب

بات ' باد فرنگ ' باد پاں ' بال (گیہوں اور جو کی) کودوں (ایک قسم کا غلہ) ' باگ ' بانگ ' بانک ' بانھہ ' باؤ [ھوا ' اب متروک] ' باہ ' بحر (کشتیاں ' یہ لفظ قدیم اردو نہیں لیکن اھل دھلی پورب میں استعمال کرتے ھیں) ' بخشش ' بد ' مشہور بیماری ' بدھیا (آختہ بیل) ' برف ' برق ' بڑھیا ' بساط ' بسم اللہ ' بغل ' بکل ' بلا ' بنات (اردو میں بانات کو کہتے ھیں) ' بلدھ ' بندوق ' بنیاد ' بو ' بو باس ' بود و باش ' بوجھہ ' بوند ' بہار '

بھاگڑ ' بھوک ' بھلک (خفیف سی آواز) ' بھلنگ ' بھوکھہ ' بھول چوک ' بھوں ؛ بھوڑ (انبوہ) ' بھیر (فوج کے ھمراھی) بیت (ایک شعر) ' بیٹھک (ایک قسم کی ورزش ' اور عورتوں کی اوھام پرستی جس کی تشریح زنانہ محاوروں کی ذیل میں آچکی ھے) —

پ

پاپوش ' پازیب ' پاکھر (گھوڑے کی زرہ) ' پاکی (طہارت کی) ' پال (ایک قسم کا چھوٹا خیمہ) (مشترک) [اب یقیناً مونث] ' پخت ' پخت و پز ' پشواز ' پکار ' پکڑ ' پکھاوج ' پلٹن (یہ لفظ قدیم اردو نہیں اھل دھلی پورب میں استعمال کرتے ھیں) ' پاگ ' پون (ھوا) ' پونچھہ ' پھبن ' پھکڑ ' پھوٹ (نفاق ' ایک قسم کا گھٹیا خربوزہ) ' پیاز ' پیاس ' پیپ ' پیٹھہ (دونوں معنی میں یعنی پشت اور کانو کا بازار) ' پیچا (اُلو کی ایک قسم اور عورتوں کی اصطلاح میں بمعنی بلا) ' پیزار ' پیشانی ' پیھش قبض (اکثر مونث) ' پیک (پان کی) ' پینس ؛ پیلک ' پیچش —

ت

تاب (طاقت اور چمک) ' تاک (دیکھنا) ' تاکید ' تانت ' تپ ' تپ دق ' تپش ' تحریر ' تدبیر ' ترازو '

تراش ، تربت ، ترہ تیزک [غلط العام تارا تیرا ، اور مذکر] ، تسخیر ، تصویر ، تقدیر ، تقریر ، تقصیر ، تکرار ، تکلّ ، تگ و دو ، تلوار ، تمنا ، تمیز ، تنبیہ ، تواضع ، توپ ، توجہ ، تھاپ [مذھن ساز پر ھاتھہ کی ضرب] ، تھاہ (دریا وغیرہ کے پانی کی تہ) ، تہنیت -

ٹ

ٹکر ، ٹوم ، ٹھلیا ، ٹھوکر ، ٹیس ، ٹھپ (مہاجنوں) ، ٹیپ (آواز) -

ج

جامن ، جاگیر ، جان (اردو میں مونث ، ریختہ گویوں نے مذکر باندھا ھے) ، جائداد ، جبین ، جدول ، جڑ ، جست و خیز ، جستجو ، جگت ، جگمگاھت ، جلا ، جلد ، جملا ، جمیرات ، جلس ، جوت (شعاع) ، جوار ، جوارش جھاڑو ، جھالر ، جھانجھہ ، جھپک ، جھل (عورتوں کا باھم رشک) ، جھلک ، جھول ، جھپ -

چ

چادر ، چارہ سازی ، چال ، چاہ [خواھش] ، چاہ ، چھت (دھول) ، چپکن ، چتون ، چٹ (زخم آتشک وداغ) ، چڑ (نفرت کا موجب) ، چڑیل ، چق ، چُل (هر معنی

میں) ' چلم ' چلمن ' چمکاھٹ ' چلگ (پتنگ کی ایک قسم ' اگرچہ بعضوں کے نزدیک مذکر بھی ھے لیکن فصحا مونث بولتے ھیں) ' چو پڑ ' چوٹ ' چونچ ' چُوک (قصور) ' چوکھٹ ' چھاچھہ ' چھانو ' چھب ' چھت ' چھکڑ ' چھل (مزاح) ' چھوت (نجاست) ' چھوٹ ' چھینٹ (بوند ' ایک قسم کا کپڑا) چھز ' چیستاں —

ح

حکمت ' حمایل ' حنا ' حیا ' حیات —

خ

خاتم ' خارش ' خاک ' خاکستر ' خبر ' خدا ترسی ' خراش ' خرد ' خزاں ' خطا ' خلخال خلق ' خندق ' خواهش ' خیر (عربی) —

د

دارہ ' دانست ' درز ' دریافت ' دستار ' دستک ' دعا ' دکان ' دم (فریب) ' دُم ' دنیا ' دوا ' دواءالمسک ' دوات ' دوبھر ' دوخت ' دون (نون کا اعلان ' سرود کی آواز) ' دھپ ' دھج ' دھرم (تضعیف) ' دھکا پیل ' دھلیز ' دھوپ ' دھول ' دھول (خاک) ' دھوم ' دید ' دیر ' دیوار —

ڈ

ڈاب (کمر بند پر کمر بند)' (ڈاٹ شیشہ کے منھہ بند کرنے کی چیز)' ڈاک (بمعنی چپار)' ڈبیا' ڈاڑھ (آواز سے رونا)' ڈگ (قدم)' ڈھاک (رعب اور نیز شور و غل [اب یہ لفظ اس معنی میں دال ھندی سے نہیں بلکہ دال مہملہ سے مروج ھے]' ڈھال' ڈھیل' ڈینگ (شیخی' لاف' یہ جدید لفظ ھے اور عوام اردو کی زبان ھے)—

ر

راب (کچی کھانڈ)' رات' راس (گھوڑے کی باگ)' راکھہ' رال (نفط اور منھہ کا لعاب)' راہ' رائی' رچ (خواھش)' رسوت (ایک دوا)' رشوت' رغبت' رفتار' رقم' رکاب' رنگت' رونق' ریاست' ریل پیل -

ز

زبان' زرریزی' زرہ' زکوٰۃ' زلف' زمین' زنجبیل' زنجیر' زندگی' زیر بریاں (پلاؤ کی ایک قسم)—

س

ساگون' ساکھہ (اعتبار)' سالگرہ' سانپن' سب [؟] - سبیل (طریقہ' محرم کے دنوں میں خدا کے نام پر

پانی پلانا) ' سپر ' سبج ' سجاوت ' سُدھ (ھوش) ' سرسوں ' سرنگ ' سطر ' سفیل (دراصل فصیل ھے) ' سکت (طاقت) ' سکوڑ ' سلونو ' سمت ' سھلک ' سلجھان ' سلگت ' سوجن ' سوجھہ ' سورت (قرآن کی بخلاف سورہ) ' سوزش ' سوسن ' سوگند ' سوں (واؤ معروف قسم) ' سونتھہ ' سونڈ (ھاتھی کی) ' سونف ' سیدہ (خط کی راستی) ' سیف ' سہم (سہم کے بھج کے خلاف) —

ش

شاخ (ڈالی) ' شام ' شاہ نواز خانی (لباس کی ایک قسم) ' شب ' شبلم (ململ کی ایک قسم اور لغوی معنی میں بھی) ' شبیہہ (تصویر) ' شراب ' شرح ' شرط ' شرم ' شطرنج ' شعاع ' شفا ' شکر ' شلک ' شمشیر ' شمع ' شناخت ' شہرت ' شہر برنج ' شہر مال --

ص

صبا ' صبح ' صف ' صفا ' صلح —

ض

ضریح —

ط

طرف ' طرز ' طرز بیان (بعض مصطلح) —

ظ

ظہور برکات (بمعنی مصطلح حروف تہجی میں) —

ع

عادت، عطا، عقل، عید —

غ

غذا، غزل، غلام گردش، غلیل، غور —

ف

فتوت، فرد (اکیلا ایک شعر)، فکر، فوج، فہمید -

ق

قبا، قبر، قبلہ نما، قتل عام (مشہور مونث ہے لیکن ریختہ کے شاعر مذکر بھی باندھتے ہیں) [اب قتل اور قتل عام مذکر ہی مستعمل ہیں]، قدرت، قدغن [اب مذکر]، قطع پارچہ، قسم (بالکسر)، قسم (بہ فتحتین)، قلم تراش، قنات، قندیل، قوت، قوم، قیمت —

ک

کان (معدن)، کاوش، کپت (نفاق، اُردو میں کم اِستعمال ہوتا ہے)، کتاب، کچنال، کربلا (جہاں تعزیے دفن کرتے ہیں)، کز (جو کبوتروں کو کھلاتے ہیں)-

کساوت، کسوت، کشش، کشمش، کنش، کمر، کمرکھہ، کمک، کوچ (واؤ معروف، پہیا)، کور (جو ہاتھی کی عماری اور دوسری چیزوں کے گرد تانکیں)، کوک (واؤ معروف)، کوکھہ (واؤ مجہول)، کونبھل، کھپریل، کھجلی، کھر (بالکسر)، کھڑاؤں، کھلاوت، کھیر، کھل (لوہے کی چھوٹی میخ)، کیچڑ، کیہیا۔

گ

گاجر، گات (عورتوں کا سینہ)، گانٹھہ، گت، گجگاہ (ہاتھی کی)، گدھیا، گرد، گردن، گرہ، گز گزی، گزک، گفتگو گفتار، گلدھک، گوت، گود، گودی، گور، گوگرد، گولک، گھاس، گھٹا (ابر)، گیند۔

ل

لاکھہ، لاگ، لیک، لت (عادت)، لٹ (بالوں کی)، لٹھیا، لو، لعن، لوٹ، لوٹ مار، لوح، لہر، لہد، لہزم۔

م

مال (چرخے کی)، مانگ، مبارک باد، مثل، مجلس، مچمچاہٹ، محرم (انگیا کا ایک پارچہ)، محبت، محنت، مخمل، مدح، مد، مدد، مرقد * (مشترک)، مسجد، مسرت،

---

* اب صرف مذکر استعمال ہوتا ہے یہ کلیہ ہو گیا ہے کہ عربی کے ظرف مکان جو چو حرفی ہوں اور جن کا پہلا اور تیسرا حرف مفتوح ہو مذکر آتے ہیں جیسے مکتب، محبس، مہبط، مقتل وغیرہ (مترجم)

مسطر [اب مذکر ہے]مشق، مشک (بالضم)، مشک (بالفتحہ، مشکیزہ) ، مصری ، مصیبت ، معاش ، معجون ، مقراض ، مکو، ملک [بالکسر] ، ملل، ملذیر ، ملزول ، ملفی، مہلدی (بالکسر) ،موج،موچ، موچھہ، مور چھناں (گانے کی اصطلاح) ، موت مہار ، مہر (محبت)، مہر (خاتم) ، مہتال ، مہم ، مہل (بالفتحہ، چرک)، مینا، میلق ۔

ن

ناف ، ناک ناؤ ، نبات ، نبض ، نکہہ ، نذر ، نرخ ، نرد، نرگس ، نشست ، نشست و برخاست ، نصیحت ، نظر، نقب ، نکسک ، نگاہ ، نمش، نوبت ، نوش دارو ، نوک ، نہایت ، نہر ، نہار نیت ، نیم ، نیند ۔

واو

وبا ، ورزش ، وضع، وعظ (مشترک) ، وفا ، وفات ۔

ہ

ہانک ، ہجوم [اب مذکر] ، ہڑ ، ہلجان ، ہل چل ، ہمت ، ہوا ، ہوس، ہیکل۔

ی

یاد ، یاس ، یال ، یخ ۔

مونث سماعی کے کلیہ قاعدے

ان سماعی مونثوں کے علاوہ ایک کُلیہ قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ کے آخر یاء ہو وہ ہمیشہ مونث ہوگا' اس کے مستثنیات کا ذکر آگے آچکا ہے۔

اِسی طرح جس لفظ کے آخر 'ت' 'ت' یا 'ک' 'ہو' یا آخر میں 'ش' ہو جس کا ما قبل مکسور یا مفتوح ہو وہ مونث ہوگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ حاصل مصدر کے معنی دیتا ہو۔

باز' باشہ' شکرہ وغیرہ تمام شکاری جانوروں کے نام مادہ ہونے کے باوجود مذکر آتے ہیں۔

'بدھیا' اگرچہ بیل ہے مگر استعمال میں مونث ہے۔

عربی کے تمام مصدر جن کے آخر 'ت' ہو اور تمام مصدر جو باب تفعیل سے ہوں ہندی میں ہیشہ مونث آتے ہیں۔

مونث تقدیری

مونث تقدیری * وہ ہے جس کی تانیث سماعی نہ ہو بلکہ اس میں تانیث کی تقدیر ہو' جیسے عربی میں 'دار' اور 'ارض' جن کی تصغیر 'دویرہ' اور اریضہ آتی ہے' ان کی اصل 'دارہ' اور 'ارضہ' اندازہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان خاص یعنی شاہ جہان آباد میں بعضے لفظوں کی تانیث مترادف لفظوں کے اندازہ اور حروف کی مناسبت کے لحاظ سے ہے' مثال' آنکھ' سے (کہ اس کی اصل انکھوری مادہ ہے) 'کھال' سے (جس کی اصل کھلڑی ہے) اندازہ کرنا۔

* تقدیر کے معنی ہیں اندازہ کرنا (مترجم)۔

تصغیر کی تانیث سماعت کے سوا تصغیر بھی ہندی میں تانیث پر دلالت کرتی ہے - تانیث اور تصغیر دونوں کی علامت 'ڑ' اور 'یاء معروف' ہے لفظ مذکر کے بعد، جیسے، پلنگ، پلنگڑی - لعل، لعلڑی - کبھی کبھی حرکات اور حرفوں کے تغیر سے بھی ایسا ہوتا ہے، جیسے، جھبیا، گڑیا، تھلیا - چونکہ ہندی میں تصغیر کا صیغہ مذکر کو مونث بنا دیتا ہے اور اُس مذکر میں 'ڑ' نہیں پائی جاتی سوا ے 'تَوم' اور 'تومڑا' کے-

مشترک الفاظ مشترک الفاظ بھی بہت ہیں، جیسے، پیکان، جان، پال، وعظ، دھی، اسپک، قرآن، سخن، قلم، اوج، بحر (کشتیاں)، گیہوں وغیرہ - ان کی تحقیق اس طرح ہے کہ 'پیکان' کو 'بھال' کے قیاس پر اردو کے عوام مونث بولتے ہیں جب کہ فصحا ہمیشہ مذکر استعمال کرتے ہیں - 'وعظ' کو بیشتر فصحا مونث اور چند شخص مذکر بولتے ہیں - 'دھی' پنجاب اور پورب میں مونث اور شاہ جہان آباد میں اکثر مذکر اور کمتر مونث ہے - 'اسپک، مثل 'پال' کے غالب‌التذکیر ہے - اسی طرح 'قرآن' جسے کچھ لوگ 'حمایل' کے قیاس پر مونث جانتے ہیں مگر فصیحوں کے استعمال میں مذکر ہے - اور 'سخن' بمعنی 'بات' بعضوں کے

نزدیک مونث ہے - 'قلم' کمتر مونث اور اکثر مذکر بولا جاتا ہے - 'اوج' اور 'بھر' کا بھی یہی حال ہے یعنی بعضے مونث اور بعضے مذکر بولتے ہیں - 'گیہوں' بقالوں کی زبان میں اکثر مونث اور کمتر مذکر ہے لیکن فصحا کی زبان سے مذکر سننے میں آیا -

تانیث معنوی

ان تانیثوں کے سوا ایک اور تانیث ہوتی ہے جس کو تانیث معنوی کہتے ہیں - اس کے مقابل مذکر نہیں ہوتا * -

— * —

چوتھی فصل

اسم فاعل

فاعل کی قسمیں

فاعل کی کئی قسمیں ہیں' 'اصل' ہوگا یا 'غیر اصل' - اصالت اسم جامد کے سوا اور کسی میں نہیں پائی جاتی' جیسے زید آیا' اور جملہ فعلیہ تمام ہوگیا - یا فاعل غیر اصل ہوگا اور وہ اسم فاعل' صفت مشبہ' مبالغہ اور اسم مفعول ہے - مثال' "پارسال مرنے والا بھی کیا خوب اساوری

---

* جیسے چیل' مینا وغیرہ کہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے یہی ایک لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور ہمیشہ صیغۂ تانیث میں - اسی طرح مذکر معنوی ہے - جیسے کوا' اُلو' خرگوش وغیرہ - (مترجم) -

گایا ہے" - یعنی فلاں گویے نے جسے تم جانتے ہو اور جس نے اس سال قضا کی ہے پچھلے سال کیا اچھی اساوری گائی تھی - یہ مثال اسم فاعل کی ہے - صفت مشبہ کی مثال یہ ہے :- "ہمارا مارا ہوا ہم سے پھر کیا مقابلہ کرتا ہے"- یعنی فلاں شخص جس کو ہم نے کئی بار مارا ہے ہم سے مقابلہ کیا کرے گا - یا "بھگوڑا آیا ہے یا بھگو آیا ہے"- یعنی فلاں شخص آیا ہے جس کی عادت تم جانتے ہو بھاگ جانے کی ہے اسی طرح 'ھنسوڑ' بمعنی بہت ھنسنے والا - 'روؤ' بہت رونے والا - 'دبیل' تابع 'مریل' وہ شخص جسے جو چاہے پیٹ دے - 'گایک' گانے والا- 'چکریا' چاکری پیشہ - لڑاک' بہت لڑنے والا - 'سچکر' بمعنی گردش کرنے والا - یہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں ہوسکتا کیونکہ باب تفعیل کے اسم فاعل کے وزن پر اس کا 'کاف' مکسور چاہے لیکن یہ لفظ 'کاف' مفتوح سے مشہور ہے ' اور مفعول کے معنی کی اس میں گنجایش نہیں ' اور اگر اس معنی میں بھی ٹھیک اُترے تو بھی عربی پر ھندی کے قیاس کی کیا ضرورت ہے - 'کھلاڑ' 'کھلنڈرا' دونوں کے معنی کھیلنے والا [کھلاڑ' بالخصوص عورت کے لئے اور دوسرا مرد کے لئے آتا ہے] - نکیلا' رسیلا' رنگیلا' سجیلا' ھٹیلا' روبیں' مرجھوڑا' جھلا'

اُچکا' وغیرہ۔ صرف میں ان صیغوں کے ذکر نہ کرنے کی یہ وجہ ہے کہ یہ ہر لفظ سے نہیں بن سکتے اور صرف کے بیان میں کلیہ قاعدے ہی مد نظر ہوا کرتے ہیں۔ مثال 'مرنے والا' کہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو ہر صیغہ سے بن سکتا ہے۔ جیسے کھنے والا' جانے والا' آنے والا' اٹھنے والا' بیٹھنے والا' رونے والا' ھنسنے والا۔ جن صیغوں کا اوپر ذکر آیا ان میں ایسا نہیں ہو سکتا' چنانچہ 'بھگوڑا' اور 'بھگو' کے قیاس پر 'ھنسو' اور 'ھنسوڑا'۔ 'پوچھو'' 'پھچوڑا' بمعنی ھنسنے والا اور پوچھنے والا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح 'دبیل' کے قیاس پر بھگیل' ھنسیل' پچھیل' بمعنی بھاگنے والا' ھنسنے والا' اور پوچھنے والا' کہنا درست نہ ہوگا۔ اور بھاگک' ھنسک' پوچھک' دبک کہنا 'گاہک' کے قیاس پر صحیح نہیں۔ ایسا ہی حال اور الفاظ کا ہے۔

مفعول کی مثال:۔ ماری گئی آج لڑتی ہے۔ یہاں اصالت کے اعتبار سے وہی اسم ہے' چونکہ اس جملہ کے "بھگوڑا آیا ہے" یہ معنی ہیں کہ زید جس کا دستور بھاگ جانا ہے آیا ہے۔ اور یہ کہ "مرنے والا بھی پارسال کیا خوب اساوری گا گیا" اس کی خبر دیتا ہے کہ عمرو نامی گویا جو اس سال مرا ہے پچھلے سال کیا

اچھی اسٹوری کا کیا تھا - اور " ماری گئی آج لڑتی ہے " کے معنی یہ ہیں کہ وہ کنیز جسے میں نے اب سے پہلے پیٹتا تھا آج لڑتی ہے —

—*—

پانچویں فصل

اسم مصدر اور حاصل بالمصدر

اسم مصدر اور حاصل مصدر بھی اسم جامد میں داخل ہیں ، اس کی دلیل یہ ہے کہ مشتق وہ ہے جو مصدر سے نکلے اور مصدر مصدر سے نہیں نکلتا اور اوزان مزید فیہ جو ثلاثی مجرد سے حاصل ہوتے ہیں عربی سے مخصوص ہیں —

مصدر اور حاصل بالمصدر کی مثال :- کانا تمام ہوا ، مری پڑی ہے —

—*—

چھٹی فصل

فعل لازم و متعدی

فعل لازم | فعل یا لازم ہوگا یا متعدی ، لازم وہ ہے جو مفعول کو نہ چاہے اور صرف فاعل سے مطلب پورا ہو جائے ، جیسے زید آیا ، زید گیا ، زید اٹھا ؛ زید بیٹھا ، زید موا ، خوب ہوا ، عمرو بولا ، بکر چونکا ، خالد بھاگا ، مینھہ برسا ، فوج پھلچی ، تلوار ٹوٹی ، کھیریل

کری ' کلنجوں هنسی ' کلنجڑا رویا ' کھرا پھٹا ' خربوزہ کٹا ' سیاهی کاغذ سے پھوٹی ' کیاری بنی ' کونپل نکلی ' کاغذ بکا ' کلی کھلی ' موم پگھلا —

فعل متعدی

فعل متعدی وہ ھے جو مفعول کو بھی چاھے - اس کی علامت فاعل کے بعد نون اور یاء مجہول (نے) ھے - اور بعضوں کے نزدیک نون ' یا ء اور نون علہ (نھں) ھے لیکن آخری نون کے بغیر بہتر ھے ' مثال ' زید نے مارا عمرو کو ' بکر نے کاٹا خربوزہ کو ' عمرو نے بھیجا کاغذ کو ' اور توڑا ' پھاڑا ' چیرا ' پٹکا ' پچھاڑا ' رکھا ' دیکھا ' کھایا ' چکھا ' پڑھا ' لکھا ' اُکھاڑا ' بویا ' پھینکا ' جھاڑا ' چھانا ' پکایا ' پکارا ' ملایا ' اور بلایا ' یہ سب فعل متعدی ھیں - مارا زید عمرو کو ' غلط ھے ' مارا زید نے عمرو کو صحیح ھے - توڑا زید هانڈی کو ' غلط ھے ' توڑا زید نے هانڈی کو صحیح ھے - اور هم کہا ' تم کہا ' هم کہا ' تم کیا ' هم دیا تم دیا ' غلط ھے ' اور هم نے کہا ' تم نے کہا ' هم نے دیا ' تم نے دیا اصل اردو ھے —

افعال لازم میں 'نے' کا استعمال غلط ھے - ' زید آیا ' صحیح ' ' زید نے آیا ' غلط - ' زید موا ' صحیح ' ' زید نے موا ' غلط - اور میں نے کہا ' کے بدلے ' میں

کہا ' فصحا نہیں بولتے ' پرانے شہر کے رہنے والے دقیانوسی بوڑھے ایسا بولتے ہیں -

" نے " جو فعل متعدی پر دلالت کرتا ہے تمام فعلوں میں صیغہ ماضی سے مخصوص ہے مگر ' لایا ' مستثنیٰ ہے - ' لایا ' ظاہر میں متعدی ہے لیکن اصل میں لازم - کہتے ہیں زید لایا عمر کو - یہ جملہ اصل میں ہے زید لے آیا عمرو کو ' اور ' بولنا ' میں خلاف قیاس ہے -

حال اور مستقبل لازم اور متعدی دونوں کے حال اور استقبال کی ایک ہی صورت ہوتی ہے ' مثال ' زید آتا ہے (لازم) ' زید توڑتا ہے ' زید چھانتا ہے (متعدی) - اور زید جاوے گا ' عمرو آوے گا (لازم) - زید پکڑوے گا ' زید کہے گا (متعدی) -

مبتدا ' خبر ایک اور اسم فاعل کے مشابہ ہے جسے مبتدا کہتے ہیں اور ایک چیز فعل کے مشابہ ہے جسے خبر کہتے ہیں ' مبتدا اکثر معرفہ ہوتا ہے اور خبر اکثر نکرہ - معرفہ ایک معین چیز کو کہتے ہیں جیسے زید ' عمرو ' اور نکرہ غیر معین کو جیسے آدمی وغیرہ - مبتدا اور خبر کی مثال :- زید ھلسوڑ ہے ' اس میں ' زید ' مبتدا ہے اور ' ھلسوڑ ہے ' خبر ' یہ صحیح ہے - اور یہ کہنا کہ ' آدمی ھلسوڑ ہے ' اس میں سوال

کی جگہ باقی رہتی ہے اور کلام تمام نہیں ہوتا [کیونکہ یہ بدیہی صداقت ہے کہ ہر آدمی ھلسور نہیں ہوتا] - مبتدا اور خبر میں فعل اور فاعل کی طرح بات کا تمام ہونا شرط ہے - اور یہ بھی جاننا چاہئیے کہ خبر اکثر مشتقات سے ہوتی ہے اور کمتر غیر مشتقات سے ' جیسے علی ہمارے امام ہیں ' آدم ہمارا باپ ہے - یہاں کہنے والے کو اختیار ہے کہ جسے چاہے مبتدا بنادے - اگر یوں کہے ہمارے امام علی ہیں ' تو ہمارے ' امام ' مبتدا ہوگا اور ' علی ہیں ' خبر اور اسی طرح ہمارا باپ آدم ہے ' میں ' ہمارا باپ ' مبتدا اور ' آدم ہے ' خبر -

ناچار ' بیمقدور ' بے کس ' بے سامان ' بے حیا ' بے غیرت ' نا آشنا ' بھی مشتق کلمے ہیں کیونکہ ان کے معنی حسب ذیل ہیں ' مجبور ' نادار ' جس کا کوئی نہ ہو ' جس کے پاس کچھہ نہ ہو ' حیا نہ رکھنے والا ' غیرت نہ رکھنے والا ' آشنائی نہ رکھنے والا - اور نکرہ بھی جب موصوف ہو یا خصوصیت رکھتا ہو معرفہ ہوجاتا ہے ' مثال :- " نماز گزار غلام بے نماز میاں سے بہتر ہے " ' صفت نماز گزار نے غلام کو جو نکرہ تھا خاص یعنی معرفہ کر دیا - یا ' کوئی شخص تجھہ سے بہتر نہیں ' اس عبارت میں کوئی شخص عام تھا لفظ ' نہیں ' نے اسے مخصص کر

دیا یعنی جو دنیا میں ہے تجھ سے بہتر نہیں -

معرفہ | معرفہ کی کئی قسمیں ہیں (۱) ' علم جیسے زید ' عمرو ' (۲) ضمیر ' جیسے میں ' ہم ' تو ' تم ' وہ - میں مجبور ہوں ' اس میں ' میں ' مبتدا ' مجبور ہوں ' خبر - اسی طرح تو مجبور ہے ' وہ مجبور ہے وغیرہ - (۳) ' مبہمات ' اس کی دو قسمیں ہیں ' ' اسم اشارہ ' اور ' موصولات ' اسم اشارہ ' جیسے ' یہ بہت قابل ہے ' یہ ' مبتدا قابل ' ہے ' خبر - موصولات جیسے ' جو ' جو کوئی ' جونسا ' جو کچھہ - مثالیں ' جو ہمارا یار ہے وہ سب سے اچھا ہے ' جو کوئی ہمارا یار ہے وہ سب سے بہتر ہے ' جونسا ہمارا یار ہے وہ سب سے اچھا ہے جو کچھہ تم کہو وہی ٹھیک ہے —

بعضے بجاے جو کچھہ ' سو جو کچھہ بولتے ہیں ' یہ اُن لوگوں کی زبان ہے جو چالیس برس کے ہوکر بھی انا جان سے شفقت مادری کے طالب ہیں [پہلے بولتے تھے اب متروک ہے] ' مثال ' سو کچھہ تم کہو وہی ٹھیک ہے ' سو تم کہو مبتدا ' وہی ٹھیک ہے خبر ' اور ان کے کلام میں ' وہی ' کی جگہ ' سوئی ' اور ' سوہی ' بھی آتا ہے اور ' جو کُچھہ ' کی جگہ ' جو ' بھی بولتے ہیں ' اور ' سو کچھہ ' بولنے والے حضرات

اس کو بھی ' سو ' بنادیتے ھیں - مثال ' سو تم کہو وھی تھیک ھے - اور یہی اصحاب ' جونسا ' کو ' کونسا ' ' جہاں ' کو ' کہاں ' اور ' جب کو ' کب ' بول جاتے ھیں - مثال ' کونسا ھمارا یار ھے وھی سب سے اچھا ھے ' کب تم کہو تب ھم چلیں ' کہاں شرف جہاں کی مسجد ھے وھیں ھماری حویلی ھے - اور ' جیسا ' کو ' کیسا ' کہہ دیتے ھیں جیسے ' بڑے بول کو ایسا اتھالیتے ھیں کیسے کوئی چوھے کی دم پکڑ کے اتھالیتا ھے ' یعنی جیسے کوئی ... —

(۴) منادی ' مثال ' او بھائی ' او جانے والے ' بھیا ھوت ' جانے والے ھوت —

(۵) جب کئی میں سے ایک کو مضاف بنالیا جاے ' مثال ' زید کا غلام عمرو کے غلام سے اچھا ھے ' میرا غلام تیرے غلام سے اچھا ھے ' اُس شخص کا بیتا زید کے باپ سے بہتر ھے ' جو ھمارا یار ھے اس کا غلام بھی سب سے بہتر ھے - ' جو ' کی جگہ ' جو کوئی ' بھی استعمال کرتے ھیں —

— * —

ساتویں فصل ' اسم مفعول

اسم مفعول تین قسموں پر منقسم ھے - مفعول مطلق '

مفعول بہ ' مفعول لہ ـــ

مفعول بہ | مفعول بہ وہ ھے جس پر فعل واقع ھو ' مفعول بہ کی علامت 'کو' (واؤ مجہول) ھے جو اس کے بعد ھی مذکور ھوتی ھے - مثال :-زید نے عمرو کو مارا ' اور 'نے' علامت فاعل بھی آتی ھے - مثال :- زید نے پہلوان کشتی میں پچھاڑا - لیکن فعل کے دو مفعول ھوں تو ایک علامت مفعول کا حذف کر دینا فصیح ھوتا ھے - مگر جب ایک ھی مفعول ھو تو علامت قایم رکھنی چاھئے ' مثلاً - 'زید نے گھوڑا دیا عمرو کو' یہ کہنا اس سے بہتر ھے کہ کہیں " زید نے عمرو مارا " -

مفعول مطلق | مفعول مطلق وہ ھے کہ ھر فعل کے بعد اس کا مصدر مذکور ھو - اس کی کئی قسم میں ھیں - (۱) اسی فعل کا مصدر آئے جو مذکور ھوا (۲) اس مصدر کا مترادف کوئی مصدر (۳) تشبیہہ کی رو سے کسی چیز کی طرف مضاف ھو- (۴) تعدد فعل پر دال ھو- (۵) اس معنی میں مصدر کا آنا کہ کسی شخص کو ایسے فعل کا حکم دیا جاے جو اس مصدر سے نکلا ھو- جیسے 'گانا گایا ' مفعول بہ کی علامت کے بغیر اور 'گانے کو گایا ' مفعول بہ کی علامت کے ساتھہ - اب باالترتیب مثالیں دی جاتی ھیں- مثال (۱) 'بولنا بکی ' - مثال

(۲) 'بولنے کو بکی' - لیکن یہ ترکیبیں یعنی بولنا بکی یا بولنے کو بکی فصحا استعمال نہیں کرتے - مثال (۳) آج میں بھی قاری صاحب کا بیٹھنا بیٹھا - اس میں علامت مفعول کا حذف بہتر ہے - 'قاری صاحب کے بیٹھنے کو بیٹھا' اچھا نہیں معلوم ہوتا - مثال (۴) بیٹھا میں دو بیٹھک یا تین بیٹھک - حاصل مصدر بھی مصدر کے کلموں میں سے ہے یعنی اس مقام پر بیٹھک بہ معنی بیٹھنا اُردو میں مروج ہے - مثال (۵) میاں شکر کچھہ کا نا' میاں شکر کچھہ کا نا کاڑ —

مفعول بہ اور صیغہ ماضی | مفعول بہ اگر علامت مفعولی کے ساتھہ آے تو اس کا فعل ماضی ہمیشہ مذکر ہوگا - خواہ فاعل مذکر ہو یا مونث مثال' زید نے سپاری کو کھایا - بی بنو نے الایچی کو کھایا - اگر علامت کو اُڑا دیں تو فعل مفعول بہ کا تابع ہوگا - اس لئے مفعول بہ کی جنس پر غور کرنا چاہئے اگر وہ مونث ہوگا تو فعل ماضی بھی مونث ہوگا اور اگر مذکر ہوگا تو وہ بھی مونث ہوگا فاعل کی جنس خواہ کچھہ ہی ہو- مثال :- زید نے پیڑا کھایا' زید نے برفی کھائی' بی گنا نے لڈو کھایا' بی گنا نے کالپی کی مصری کھائی اسی طرح — رباب بجایا' بین بجائی' مہر منور نے پتنگ اُڑایا اور تکل اُڑائی - اور بی فجا نے پتنگ ہاتھہ میں لیا اور تکل ہاتھہ میں لی —

مفعول لہ | مفعول لہ وہ ہے جس میں مفعول پر فعل کے واقع ہونے کا سبب بتایا جائے، مثال' تیرے بھلے کو میں کہتا ہوں' یعنی تیرے بھلے کے واسطے میں کہتا ہوں - میں تیرے پڑھنے کو تجھے مارتا ہوں - اور کہیں فعل کی تحریص ہوتی ہے ' جس کا ذکر پیچھے آچکا - اور کہیں فعل کے ترک کا حکم لگایا جاتا ہے ' مثال ' تیرے بیجا پھرنے کو میں روکتا ہوں ' یعنی تیری برائی تیرے بیجا پھرنے کی وجہ سے کرتا ہوں بہتر ہے کہ تو اس سے باز آئے —

— * —

آٹھویں فصل

مضاف مضاف الیہ

اردو میں مضاف مضاف الیہ کے بعد آیا کرتا ہے' اس کے برعکس صحیح نہیں نہ فصیح ہے - اضافت کی علامت مذکر کی صورت میں ' کا ' اور مونث کی صورت میں ' کی ' (یاء معروف) ہے جو مضاف الیہ کے بعد آتی ہے [علامت مذکور کی جنس مضاف کی جنس کے تابع ہوتی ہے] ' مثال' زید کا بیٹا ' بیٹا زید کا ' زید کی بیٹی ' بیٹی زید کی —

ضمیر متکلم اور ضمیر حاضر میں اضافت ' کا ' اور ' کی ' کی محتاج نہیں' ان کی عوض ' را ' ' ری ' آتا ہے'

جیسے ' میرا بیٹا ' میری بیٹی ' ھمارا بیٹا ' ھماری بیٹی ' تیرا بیٹا ' تیری بیٹی ' تمھارا بیٹا ' تمھاری بیٹی —

میرا ' میری ' تیرا ' تیری ' کو بغیر حرف دوم (ے) کے اور محض اول حرف کے کسرہ سے بھی لاتے ھیں ' جیسے ' مری ' ' تری ' یہ بھی فصیح ھے - ضمیر واحد غائب میں ' کا ' ' کی ' لانا چاھئیے ' جیسے اس کا ' ان کا ' اور اُنھوں کا بیٹا اگرچہ لاھور کی زبان ھے لیکن اردو میں بھی مروج ھے - اسی طرح اس کی بیٹی ' ان کی بیٹی - ' انھوں کی ' بھی ' انھوں کا ' کی طرح اردو میں رائج ھے لیکن اردو نہیں —

ٹکسالی اردو

اور کسی لفظ کے اردو نہ ھونے سے یہ مراد ھے کہ اردو میں حروف کی کمی بیشی سے وہ خراد پر نہیں چڑھا خواہ دوسری جگہ مروج ھو - بعضے الفاظ شہر میں اور دوسری جگہ بھی مشترک ھیں لیکن شاذ و نادر ' جیسے سورج ' تارا ' ساگ ' پان وغیرہ - مختصر یہ کہ ان لفظوں کے سوا جنھیں شہر کے فصیح اور غیر فصیح اور دوسری جگہ کے باشندے استعمال کریں ایسا ھر لفظ جس کو اھل شہر دو تلفظوں میں ادا کریں ان دونوں لفظوں میں جو لفظ کہ دوسری جگہ تعلیم کے سوا مروج نہ ھو زبان اردو ھے —

اضافت کا فایدہ اور اضافت کا فایدہ معرفہ میں عرفیت پیدا کرنا ہے یعنی کسی چیز کو کسی کے ساتھہ نامزد کرنا ' مثال ' غلام زید کا عمرو کے بیٹے سے بہتر ہے - اس عبارت میں ' غلام زید کا ' مبتدا ہے اور ' عمرو کے بیٹے سے بہتر ہے ' خبر - اور نکرہ میں اضافت کا فایدہ تخصیص ہے یعنی عام چیز کو خاص کرنا تاکہ معرفہ کے قریب پہنچ جاے - مثال مرد کا غلام رنڈی کے غلام سے بہتر ہے - مرد کا غلام مبتدا ' رنڈی کے غلام سے بہتر ہے ' خبر - اور تعریف اور تخصیص میں فرق یہ ہے کہ تعریف معین ذات پر دلالت کرتی ہے جیسے ' غلام زید کا ' معلوم ہوا کہ زید جسے ہم جانتے ہیں اُس کا غلام عمرو کے بیٹے سے بہتر ہے کہ ہم اسے بھی جانتے ہیں ' یا زید ایک معین شخص ہے اس کا غلام ایک شخص کے بیٹے سے جس کا نام عمرو ہے بہتر ہے - اور تخصیص معین ذات پر دلالت نہیں کرتی - مثال ' ' مرد کا غلام ' سے ہر مرد کا غلام مراد لیں گے کیوں کہ اس عبارت میں کہ مرد رنڈی پر ہر صورت میں غالب ہے ' ہر مرد اور ہر رنڈی مراد ہے - اور اگر ایسا نہ ہو تو ' مرد ' جو نکرہ ہے مبتدا کیونکر ہوسکے گا —

' کا ' جو اضافت میں مذکر کی علامت ہے - بعض

جگہ اس کا 'الف' یاء مجہول سے بدلتا ھے - اور کئی جگہ مضاف کا الف بھی یاء مجہول ھو جاتا ھے - لیکن 'کی' میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ھوتی جو اضافت میں مونث کی علامت ھے —

کبھی مضاف کے بعد 'نے' لاتے ھیں اور کبھی 'سے' کہیں 'میں' (حرف ظرف) اور کہیں 'پر' کبھی مفعول بہ کی حالت میں اور کبھی جمع ھونے کی حالت میں دو اضافتیں یعنی مضاف الیہ کا کسی اور چیز سے مضاف ھونے کی صورت میں - مثال اول ' زید کے بیٹے نے آج اپنے باپ پر تلوار کھینچی - مثال دوم ' زید کے بیٹے سے خدا پناہ میں رکھے - مثال سوم ' زید کے بیٹے میں کیا وصف ھے - مثال چہارم ' زید کے بیٹے پر کیوں بہتان باندھتے ھو - مثال پنجم 'زید کے بیٹے کو چھوڑ دو - مثال ششم ' زید کے بیٹے کے گھر میں آگ لگی -

اضافت معنوی اور لفظی اضافت دو قسم کی ھے معنوی یا لفظی' معنوی وہ کہ مضاف اور مضاف الیہ تعریف خواہ تخصیص سے ملکر مبتدا ھونے کی لیاقت پیدا کرے جیسے زید کا غلام ' مرد کا غلام - اور دوسرے یہ کہ معنوی میں اضافت در اضافت کی گنجایش ھے ' مثال:-

"زید کے ماموں کے بھتیجے کے بھانجے کے سالے کا سالا بڑا

حرامزادہ ھے" —

اضافت لفظی وہ ھے کہ اس کا مضاف اور مضاف الیہ خبر سے کچھ متعلق ہوں۔ مثال :- زید صورت کا اچھا ھے، عمرو اپنے کام کا پکا ھے، بکر قول کا پورا ھے، خالد بات کا سچا ھے۔ اسی طرح، تلوار کا دھنی ھے، میدان کا مرد ھے، رن کا ساونت ھے، سبھا کا اندر ھے، وقت کا کنھیا ھے، لاتھ کا پلا، منہ کا بھونڈا —

جب مضاف مضاف الیہ میں یہ منظور ہو کہ دونوں کلموں کو ترکیب دے کر کسی کا نام بنالیں تو یہ کرتے ہیں کہ اضافت کی علامت دور کرکے مضاف کو مضاف الیہ سے پہلے لاتے ہیں اور تذکیر و تانیث کی علامت مضاف سے چھین کر مضاف الیہ کو دیتے ہیں۔ مثال :- بڑمنہا (سور)، بڑمنہی (سورنی)۔ اور پھلّۃ قدما بمعنی نحس قدم مرد، پھلۃ قدمی بمعنی نحس قدم عورت۔ تھوڑجیا بمعنی کم حوصلہ مرد، تھوڑجئی بمعنی کم حوصلہ عورت۔ بڑمنہا کی اصل ھے منہہ بڑ، اور بڑمنہی کی منہہ کی بڑی۔

اضافت کی اقسام فعل منصبی کے لحاظ سے

اور الفاظ کو بھی اسی پر قیاس کیا جاے۔ خلاصہ یہ کہ اضافت یا

(۱) دو آپس میں ملتی جلتی چیزوں کے درمیان واقع ہوتی ھے جیسے گل رخسار، سنبل زلف، خورشید دولت، ستارۂ

اقبال ، مطلع جبیں ، سرو قامت - هندی میں ، تیرے اقبال کا ستارا چمکتا هے، یعنی تیرا اقبال ستارے کی طرح چمکتا هے ، یا تیرے قد کا سرو بہت بلند هے یعنی تیرا قد سرو جیسا بلند هے - یا (۲) اضافت دو چیزوں کے درمیان آتی هے جن میں ایک دوسرے کا مادہ هو، جیسے مٹی کا گھڑا ، لکڑی کا تخت، ظاهر هے کہ گھڑے کا مادہ مٹی هے اور تخت کا لکڑی - اسی طرح، چاندی کا گھڑا ، سونے کی چوکی - یا (۳) مالک اور مملوک کے درمیان آتی هے جیسے زید کا غلام، عمرو کا گھوڑا - یا (۴) محتاج اور محتاج الیہ کے درمیان جیسے گھوڑے کا زین ، هاتھی کی جھول - یا (۵) میں ، [ظرف مکان] کے واسطہ کے معنی میں ، جیسے آج باغ کی سیر کی ، بمعنی باغ میں سیر کی - یا (۶) ادنیٰ علاقہ کے اظہار کے لئے اس کو عربی میں ، بہ ادنیٰ ملابست ، کہتے هیں یعنی بہت کم مناسبت سے مضاف مضاف الیہ کی ملک ظاهر هو، مثال - هماری دلی تمہارے لکھنؤ سے بہتر هے ، آغا باقر کے ایران سے خواجہ غلام نقشبند کا توران بہتر هے - ظاهر هے متکلم نمبر ایک کا گھر دهلی کے محلوں میں سے کسی ایک محلہ میں هے اور یہی حال مخاطب کا لکھنؤ میں هے - اس تھوڑی سی مناسبت سے جو ان دو شخصوں کو ان دو شہروں سے هے ایک خود بہ خود دهلی کا

مالک بن بیٹھا اور دوسرا لکھنؤ کا - اسی نسبت سے آغا باقر کی نسبت ایران سے اور خواجہ غلام نقشبند کی توران سے سمجھ لینی چاہیے - یا (۷) اضافت جو یاء نسبتی کا جواب ہو ' جیسے ' خراسان کی تلوار ' بجاے شمشیر خراسانی یا ' حجاز کا ' بجاے حجاری '' دلی کا ' بجاے دہلوی - حجاز کا بمعنی حجاز کا رہنے والا '' دلی کا ' بمعنی دلی کا رہنے والا —

[نکتہ] فارسی کے طرز پر مضاف کے نیچے کسرۂ اضافت دینا جب کہ دونوں لفظ ہندی ہوں یا ان میں سے ایک ہندی ہو غلط ہے جیسے ' اوسِ برسات ' شبنمِ بھادوں ' یا اوسِ صبح —

—— * ——

نویں فصل ' حال

اگر کوئی کہیے کہ نحو کے قاعدے کے موافق ' حال ' ' مستثنیٰ ' اور ' تمیز ' کا ذکر مفاعیل کے بعد بہتر ہے ' تو اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں ان کا ذکر منسوب ہونے کے سبب سے ایک فصل میں قرار پایا ہے لیکن اردو میں ایک ہی جگہ ان کے ذکر کرنے کا کون سا قاعدہ ہے ؟ —

حال کی تعریف مختصر یہ کہ حال ایک لفظ ہے جو فاعل یا مفعول کی حالت پر دلالت

کرتا ہے' صاحب حال کو عربی میں 'ذو الحال' کہتے ہیں اور یہی اصطلاح اردو میں اختیار کرلی گئی ہے۔ مثال' آج زید حیران چلا جاتا تھا' یعنی زید حیرانی کی حالت میں جا رہا تھا۔ یا' عمرو روتا ہوا جا رہا تھا۔ اول جملہ میں 'حیران' حال ہے اور زید ذوالحال' دوسرے میں' روتا ہوا حال ہے اور عمرو ذوالحال۔ مثال مفعول بہ' زید کو آج میں نے روتا دیکھا' یا' عمرو کو آج میں نے ہنستا دیکھا۔ ان جملوں میں زید اور عمرو دونوں مفعول بہ ذوالحال ہیں' اور' روتا' 'ہنستا' حال —

—— * ——

دسویں فصل' تمیز

' تمیز' اس لفظ سے مراد ہے جو ابہام [شبہ] کو دور کرے' مثال' لیجا چار کوڑی پو سیرا (پوسیری نہیں) یا' لیجا آدھی کی پاؤ سیر * - ان آوازوں کو سن کر

---

* آج کل رواج نہیں لیکن چالیس برس پہلے کوڑیاں سکہ کی طرح چلتی تھیں' ان کا پیمانہ یہ تھا :-

۴ کوڑی کا ایک گنڈا
۲ گنڈوں کی ایک ادھی
۲ آدھی کی ایک دمڑی
۲ دمڑی کا ایک دھیلا
۲ دھیلوں کا ایک پیسہ (مترجم)

معلوم نہیں ہوا کہ کون سی چیز بکتی ہے ' یعنی کس
چیز کا یہ بھاؤ پکارا جا رہا ہے ' ابہام دور نہیں ہوتا
جب تک کہ ' گاجریں ' یا ' شاہ مرداں کی لالڑیاں '
نہ کہا جاے - اس لیے بیچنے والے کو چاہئے کہ دو
دفعہ تو مبہم آواز لگاے اور ایک دفعہ تمیز کے استعمال
کے ساتھہ ' یعنی یہ پکارے :- لیجا چار کوڑی پوسیرا
شاہ مرداں کی لالڑیاں ' یا ' گاجریں ہیں ادھی کی پاؤ سیر '
اسی طرح یہ پکار ہے ' کوڑی کوڑی لیجا ' یعنی کھٹے کی
پھانک - دمڑی کے دو لیجا ' یعنی تربوز کے دو ٹکڑے -
اور ' لیجالب دریاؤ کی ' (یعنی ککڑیاں) ' لب دریاؤ کی '
اشباع اضافت دریا کے ' واؤ ' کے بعد غلط ہے ' اور ' لب '
کی ' ب ' کو اتنا لمبا کسرۂ اضافت دیتے ہیں کہ پورا
' لبے ' بن جاتا ہے - اور کوڑی کوڑی کنگن منگن ' اس
میں سبز ' کوڑی کوڑی ' ہے - اور دھیلے دھیلے لگا دیا
ہے ' یعنی اروی کا ڈھیر - ادھیلے ادھیلے کہنا غلط اور
دھیلے دھیلے صحیح ہے ' اگرچہ شرفا آدھے پیسے کو ادھیلا
کہتے ہیں لیکن سودا بیچنے والوں کی زبان سے یہی بھلا
معلوم ہوتا ہے —

گیارھویں فصل

مستثنیٰ

مستثنیٰ متصل بھی ہوتا ہے اور منقطع بھی - متصل مستثنیٰ مِنہ میں داخل ہوتا ہے اور منقطع نہیں ہوتا - مستثنیٰ کے معنی ہے جو کسی چیز سے جدا ہوا ہو، پس جو چیز جدا ہوئی ہو وہ 'مستثنیٰ' ہے اور جو اس کو اُس سے جدا کرے وہ 'مستثنیٰ منہ' ہے - مثال : ساری برادری کے لوگ ہمارے گھر آے الا (یا مگر) حیدر علی —

استثنا کے الفاظ اردو میں یہ ہیں :- الا، مگر، سواے، غیراز، بجز، وراے، نہیں تو - مثال، ساری برادری کے لوگ ہمارے گھر آے سواے مرزا مغل، یا غیراز مرزا مغل، یا بجز مرزا جعفر، یا وراے مرزا عبداللہ، یا نہیں تو مرزا ھادی [آج کل کہیں گے، نہیں آیا تو مرزا ھادی] - منقطع کی مثال، ساری برادری ہمارے گھر آئی الا موتی کتا، ظاہر ہے کہ کتا برادری میں داخل نہیں ہو سکتا، کہنے والے کی غرض یہ ہے کہ جتنی برادری تھی سب کی سب آئی -

*

بارھویں فصل

منادیٰ

حروف ندا یہ ہیں :- او، ارے، اری، ابے، اوبے،

ھوت ' اجی ' اوجی ' اے ' اورے ' اوری (مونث کے لئے یاء معروف کے ساتھہ) - [اورے = او + رے]-

' اجی' معرفه کے لئے آتا ھے- مثال ' اجی مرزا محمد علی ' اجی بی بندو - باقی سب نکرہ کے لئے یا غیر معلوم معرفه کے لئے - معرفه غیر معلوم سے میری مراد یہ ھے که کسی شخص کو ایک صفت سے متصف کرنا یا کسی شخص کو دوسروں کا ایک قرار دیے ھوے نشان سے ممتاز کرنا - مثال نکرہ ' او بھیا ' او میاں ' ارے آدمی ' اری لڑکی ' اورے چھوکرے ' اے لڑکے ھوت ' اوجی میاں ' اوبے لونڈے ' یہ مذکر کے لئے - او رنڈي ' اری رنڈی ' اوری رنڈی ' اے رنڈی ' اجی بی صاحب ' مونث کے لئے —

منادی کی تحقیر اور اس کے ذلیل کرنے کے وقت یا اس کی قدر گھٹانے کے لئے حروف مذکورہ معرفه کے ساتھہ بھی استعمال کرتے ھیں ' جیسے ' او راے بیل ' اری راے بیل ' راے بیل ھوت ' یا ' اوجی بی مکھو (واؤ مجہول) ' اے چنبیلی ' اوری یاسمن ' مونث کے لئے - اسی طرح مذکر کے لئے :- اومترو ا ' اورے کلوا ' ابے ٹھکھو [واؤ معروف] ' اوبے شمشیر قلی ھوت ' اوجی میاں نورا ' اے نورا ' اورے بختیار - مثال معرفه غیر معلوم:- او جانے والے ' او لال پگڑی والے ' ارے انا کے

لڑکے' ککڑیوں والے ہوت' انا جی ہوت' اجی سرخ دوپٹے والے ذرا ادھر تو دیکھو۔ جانے والے' میں اسم فاعل نے' اور لال پگڑی والے ہوت' میں لال پگڑی نے' اور 'ککڑی والے' میں ککڑی نے نکرہ کو علم کے مرتبہ پر پہنچا دیا ۔ اسی طرح انا جی نے اور سرخ دوپٹہ نے کام دیا ہے کیونکہ لقب' صفت' پھبتی' حاصل تحقیر اور ترخیم بھی بمنزلہ علم ہیں' بیشک شخص متعلق کو دوسروں سے ممتاز کردیتے ہیں' مثال :- میاں بھچو' میاں کلو' میاں مترو' میاں فنجو' میاں کھو' میاں جھبو' میاں نتھو' میاں چھجو' میاں ممو' میاں شمو' میاں کبو' میاں گبو' میاں سلو' میاں شبن' میاں بھیکھا' میاں چھٹو' میاں متھو وغیرہ' ان کے اعلام کچھ اور ہیں لیکن ان القاب سے مشہور ہیں —

شاعروں کے تخلص بھی اسی ذیل میں آتے ہیں' ایسے تھوڑے شاعر ہوں گے جو اپنے تخلص کے سوا نام سے مشہور ہوں —

بعضوں کے نزدیک بھجو' مترو' چھبو' چھٹو' متھو' القاب میں داخل ہیں' باقی سب ترخیم سے بلکے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ کلو کی اصل کالے خان' کلب علی خاں یا مہر کلاں یا کچھ اور ہے ۔ اور بعضوں کی راے میں

کالے رنگ کی وجہ سے بچپن میں یہ نام پڑ جاتا ہے اور اکثر تحقیق ہوا ہے کہ میر کلو، مرزا کلو، شیخ کلو اور کلو خاں اصل میں میر زین العابدین، مرزا عنایت اللہ، شیخ احمد علی، شہاب الدین اور محمد خاں تھے۔ اس صورت میں ترخیم کی گنجایش نہیں رہتی، یعنی ان کے رنگ کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔ اور اسی طرح فجو کی اصل فضل علی خاں اور فیض علی ہے، لیکن بعض اسے نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ کبھی میر فجو کی اصل میر غلام حیدر بھی ثابت ہوتی ہے۔ کمو کی اصل کمال الدین، کرم علی اور قمر الدین ہے، بعضے کہتے ہیں کہ کمو لقب مراد علی کا بھی ہے۔ نتھو کی اصل نتھے خاں بتائی جاتی ہے۔ بعضے یہ کہتے ہیں کہ لڑکوں کی ناک میں جو بالی پہناتے ہیں اس سے یہ لقب پیدا ہوا۔ اور سمو کی اصل سلام اللہ، عبدالصمد، صمصام قلی اور سلیمان بیگ ہے، جب کہ بعضے اس کو واجب نہیں قرار دیتے بلکہ مرزا لطف علی بیگ کا لقب سمو قیاس سے بعید نہیں۔ اور شمو کی اصل شاہم قلی بیگ یا شمس الدین بتاتے ہیں، اور بعضے میر مرتضیٰ کو میر شمو کہہ کر پکارتے ہیں اور گبو کی اصل گلاب خاں اور کبو کی کلب علی خاں خیال کرتے ہیں۔ بعضے میر علیم الدین اور میر عتیق اللہ

کو گبو اور کبو سمجھتے ہیں - اور سلو کی اصل سلام اللہ اور سلیم بیگ اور سلامت علی اور سالم علی بتاتے ہیں - بعضے شیخ محمد حیات وغیرہ نام لیتے ہیں - شمن کی اصل شہاب الدین اور شب براتی ثابت کی جاتی ہے - اور بعضے میر مظفر کو میر شبن سے ملقب کرتے ہیں - بھیکھا کی اصل بھیکن خاں اور بعضے اسے درازی عمر کے لئے قطب الدین خاں کا لقب قرار دیتے ہیں - حسو کی اصل حسن علی بتاتے ہیں، اور بعضے یہ لقب اس کا اس لئے دیتے ہیں بچپن میں بہت ہنسلے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں - 'صاد' اور 'سین' حاء حطی اور ہاء ہوز کی حقیقت بعض مقامات میں اہل اردو کے نزدیک ایک ہی ہے لیکن ریختہ کے شاعر قافیہ کی رعایت سے اس کی تحقیق کو نظر میں رکھتے ہیں —

اور روشن الدولہ کو' روشن دولا ' اور کمال خان کو ' کملو ' اور کرم علی کو ' کرمو ' اور کلب علی کو ' کلبو ' اور فضل علی کو ' فضلو ' اور فیض علی کو فیضو ' اور قادربخش کو ' قدرو ' کہنا ترخیم [لغوی معنی کلمہ کا آخری حرف گرا دینا ' مجازی ' کلمہ کا اختصار] کی رو سے قطعاً درست ہے —

اور نان بائی ' عطار ' گندھی ' کونجڑا [اب دھلی

میں واؤ کے بغیر بولتے ہیں] ' بساطی ' حلوائی ' حکاک '
تنبولی 'دھوبی او ر قصائی وغیرہ جیسے او میاں نان بائی اور
اوکونجڑے ' یہ سب صفات میں داخل ہیں - اور گھڑ
منہا ' اونٹ ' گدھا ' گینڈا ' ارنا ' ہرن ' خانم صاحب '
کتا ' کپا ' لکڑی ' بڑ ملہا ' پکھاوج وغیرہ جیسے —
اوگھڑ منہے ' اوگدھے ' او اونٹ ' او بڑ ملہے - یہ
سب پھبتیاں ہیں —

تحقیر مذکر میں اکثر 'الف' سے کم 'ی' سے ' اور
مونث میں اکثر 'ی' سے اور کم 'الف' سے پیدا کی
جاتی ہے ' مثال ' نورا ' بھیکھا ' جھما ' رجبی ' قطبی
مذکر میں اور رحمانی ' رجبی ' قطبی ' سبحانی '
حنیطا ' پریا ' منیا ' مدھیا ' ملدھیا ' سدھیا مونث
میں - بعضے رحمانی ' رجبی ' قطبی ' سبحانی (مونث)
میں تحقیر کے قایل نہیں اور کہتے ہیں کہ رجبی بیگم
میں کسی احتمال کا دخل نہیں - اور ایسا ہی حال
دوسرے لفظوں کا ہے یعنی رجبی رجب النسا سے نہیں
بلا مگر قطبی قطب النسا سے تاویل کیا جا سکتا ہے -
رحمانی کو رحمان بخش سے تاویل کرنے میں تکلف
ہے - حفیظا کی اصل حفیظہ بتائی جاتی ہے ' کیونکہ
ہندی میں آخر کلمہ کی 'ہ' (ہاء) کو الف سے تبدیل

کرنا تحقیر کا موجب نہیں - 'پریا' پیربخش کی تحقیر ہے ' اور متّھیا کو متّھو کا ' مدھیا کو مادھو کا ' منڈیا کو مینڈو کا اور سڈھیا کو سیڈھو کا مخفف کہنا صحیح ہے - اور اس مخفف میں ' یاء ' سے تحقیر کو معتبر جانتے ہیں ورنہ گلو اور گلا مخفف استعمال ہوتے نہ کہ گلیا ' اور سیڈھو سے سیڈھا بنتا نہ کہ سڈھیا ' شاید اہل تحقیق کے نزدیک سڈھیا کی اصل سیڈھی ہے اور منڈیا کی اصل میلڈی ہے اور اس کے آخر ' الف ' فصاحت کے لئے زیادہ کر دیا - اور گلو (واؤ معروف) کی ترخیم گل محمد سے پائی جاتی ہے اور لقب کلو اور کلوا رنگ کے اعتبار سے سمجھنا بہتر ہے —

منادیٰ کی علامت کبھی محذوف بھی ہوتی ہے جیسے مرزا محمد علی ادھر آو ' دائی خیرن بات سنو —

' لقب ' ' ترخیم ' اور ' عام ' شاہ جہان آباد میں ہر فرقہ سے جداگانہ مخصوص ہیں ' لیکن فجو ' بھجو ' کبو ' میاں جان ' جھبو ' شبن ' ابو ' منچھو ' لبو ' منو ' مڈرو ' ڈڈرو ' عظمو ' عصمو ' نصرو ' کمو ' حفظو ' کلو ' اچھن ' یہ بیشتر کشمیری بچوں کے لقب اور ترخیم ہیں - لیکن اچھن بھچو ' جھبو ' کلو ' حفظو شاید غیر کشمیری بچوں کے بھی نام ہیں - مگر رلڈو ' جیون ' سوندھا ' کلو ' بھاگو '

چھنگا ، للو ، دوستی ، کرمو ، رحمو ، دھنو ، سمو ، شمو ، پدو ، چلو ، دھنا ، شکرو ، سوندھی ، گاماں ، جھنڈو ، بھلا ، صلا ، لدھا ، ملکو ، جملو ، حبا ، بولا ، کھما ، ھینگا ، بھلو ، رانجھا ، شبو ، صوبا وغیرہ اکثر لقب اور ترخیم پنجابیوں کی اولاد کی ہے - ان القاب اور ترخیم میں جیون ، کلو ، حمظو ، بولا ، جملو ، گاماں ، شکرو ، دھنا ، دوسری جگہ بھی ملتے ہیں - اور سمو اور چنو اور جس جگہ ہیں پنجابیوں کی نقل میں کیونکہ باگڑی بچوں کا لقب بھی سمو سنا جاتا ہے —

اور چھدئی ، منڈئی ، بچئی ، بھکھئی ، قدرت ، نصرت ، اطہر ، برکت ، مہدن ، وصلن ، مکرما مکا ، الفت ، بھگن ، چھگن وغیرہ پوربیوں کی اولاد کے لقب اور ترخیم ہیں —

چلو ، ننھو ، نتھو ، مکھو ، گلو ، کمو ، فضلو ، ذہضو ، فخرو ، الفو ، عزو ، حسو ، حسنو ، جما ، خیرو ، خیرا ، چھبا ، بندو ، کلو (واؤ معروف) ، تنو ، چھلگا ، جیون ، شب براتی ، منگلی ، عیدو ، رمضو ، سدو ، نجو ، پنو ، بھچو ، جھمو ، پھازو ، نوراً ، فتو وغیرہ اردو دانوں کے فرزندوں کے لقب اور ترخیم ہیں - اِن میں فخرو ، فضلو ، بھچو ، جھبو ، مکھو ، اور جھمو مشترک ہیں باقی دہلویوں سے

مخصوص ھیں - یہ اور بات ھے کہ دوسرے لوگ اپنی
اولاد کو دلی والوں کے مخصوص لقبوں سے پکاریں —

پنجابیوں کے لڑکوں کے اعلام [نام] یہ ھیں :- نور محمد، عبدالحفیظ، محمد اعظم، محمد حنیف، عصمت اللہ، نعمت اللہ، فیض اللہ، عبدالحق، عبدالکریم، محمد جمال۔ اور کبھی پیر محمد، نورالعین، امانت اللہ، قل احمد، عبدالحکیم، عبدالصمد، عبدالاحد، عبدالقادر، محمد غوث، غلام محی الدین، نیار محی الدین، قل محمد، نظر محمد، محمد مطہر، عبدالقدوس، یونس محمد، محمد افضل - اھل پنجاب کے بعض ناموں میں پورب والوں کے ناموں کا شمول اور عکس بھی پایا جاتا ھے —

اھل پورب کے لڑکوں کے نام :- غلام قطب الدین، علم الھدیٰ، نورالبقا، نجدت ارتقا، شیخ مزمل، الم ترکیف، مہر طہٰ، شیخ یسین، غلام فاروق کرم صفی، غلام سادات، عبدالجامع، عبدالواسع، غلام ولایت، وصف اللہ، من اللہ، میر کرم قلی امانت حسین، برکات اللہ، ابن علی، کرم الرحمن، حمید اشرف، مرید اشرف، شمیم اللہ، صبغت اللہ، واحد علی، ورد علی، غلام مخدوم، غلام زکریا، غلام عثمان، مولا بخش، پیر بخش ۔

اھل توران کے مخصوص اعلام —

بارانی بیگ، ہانی بیگ، جانی بیگ، نوری بیگ تلگری قلی بیگ، خواجہ خوانم قل، خواجہ غلام نقشبند، میلقا بیگ نیاز، خواجہ نثار، خواجہ نقشبند تلگری وردی بیگ، میر چالش، خواجہ فضایل، میر بلاق لالا بیگ، توتا بیگ، پیرا بیگ، بچاق بیگ، توخمش خاں، اشکر بیگ، تراب بیگ، ابدال بیگ، میر بدل، میر ساقی، اغر بیگ، چامر بیگ، قرا خاں۔ ان ناموں میں سے ایک دو نام اور فرقوں میں بھی سنے جاتے ہیں۔ یہ ان کی تقلید میں ہونگے یا اصل مسمی اسی جماعت سے ہوگا۔ اور ان صاحبوں کے ہاں بڑے بھائی کو 'آکا' اور بزرگ کو 'ایشان' ولی کو 'حضرت ایشان' کہتے ہیں اور عالی قدر مخاطب کو حضرت سے خطاب کرتے ہیں' اور ہر بات کے شروع میں تقصیر کا لفظ زبان پر لاتے ہیں جیسا کہ سرنگ پٹن اور مندراج (مدراس) میں کرتے ہیں۔

اعلام جو اہل ایران سے مخصوص ہیں:—

جعفر قلی بیگ، رضا قلی بیگ، حسن قلی بیگ، زین العابدین بیگ، عسکری بیگ، مہدی قلی بیگ، عباس قلی بیگ، آغائی بیگ مرزائی بیگ، مرزا محسن۔ ان ناموں میں سے مرزائی بیگ تورانیوں میں بھی پایا جاتا ہے،

اور جدّی بل [کشمیر میں؟] کے رهنے والے بھی اپنے لڑکوں کے یہ نام اکثر رکھتے هیں اهل ایران کی طرف سے اجازت ہے۔

اعلام جو اولاد کشمیر سے مخصوص هیں :—

محمد اکبر ' محمد اکرم ' محمد ضیا ' محمد کاظم محمد عابد ' محمد باقر ' محمد صادق' محمد جعفر ' محمد عسکری ۔ ذیل کے نام مشترک هیں :- محمد علی محمد حسین ' محمد حسن ' محمد رضا ' محمد تقی ' علی نقی — اور کشمیری نام یہ هیں ' محمد صابر' محمد صبور ' عبدالشکور عبدالغفور ۔ ان کے هاں اکثر اور دوسروں کے هاں کم مستعمل هیں۔ اور یہ نام هیں :— 'محمد مقیم' محمد سخی اور فرقوں میں شاذ ملتے هیں' سوائے محمد لیث اور محمد صبور کے — اور دوسرے اعلام جن کے اول ' محمد ' آتا هے اهل خطہ سے مخصوص هیں۔ رواج تو ان کا اور جگہ بھی هے لیکن نام کا اول جزو میرزا ' یا ' میر ' هوتا هے نہ کہ ' محمد ' جیسے مرزا کاظم مرزا جعفر ' مرزا علی اکبر ' آغا علی اکبر ' یہ نام ایران میں بہت ملتے هیں لیکن؟ محمد اکبر حضرت کشمیر سے خصوصیت رکھتا هے —

تیرهویں فصل

بدل مبدل منہ

ایک اسم دوسرے اسم کے تابع اور متبوع کے بعد

مذکور ہوتا ہے، ان میں سے ایک علم شخص ہوتا ہے جو اوصاف کے بعد مذکور ہوتا ہے - ان اوصاف کو مبدل منہ کہتے اور علم کو بدل ـ مثال، آج ہمارے گھر داناؤں کا تاج اور فصیحوں کا سر آمد میر محمد علی آویگا - 'داناؤں کا تاج سر' صفت اول، فصیحوں کا سر آمد صفت دوم، یہ دونوں مبدل منہ ہوے' میر محمد علی علم اور بدل ہوا —

— * —

چودھویں فصل

صفت موصوف

صفت امور ذیل میں موصوف کے تابع ہوتی ہے - تعدد، جنس، فاعلیت و مفعولیت، اور حروف مغیرہ کے اثر میں - مثال، بری رنڈی، برا مرد، بری رنڈیوں نے بڑی دھوم مچائی ہے، برے آدمیوں نے شہر گھیر لیا ہے، بری رنڈیوں کو شہر سے نکال دو، برے آدمیوں سے ڈریے، بری رنڈیوں سے ڈریے، برے آدمی سے ڈریے، بری رنڈی سے ڈریے —

کسرۂ اضافت کا جواز اور عدم جواز | موصوف کے آخر کا کسرۂ اضافت ہندی میں جایز نہیں، وہ فارسی سے خصوصیت رکھتا ہے - 'اوسِ بسیار' 'پھولِ خوب' کہنا غلط ہے -

لیکن کسرۂ اضافت ایسے لفظ کے آخر استعمال کر سکتے ہیں جس کے لئے فارسی میں کوئی لفظ نہ ہو۔ مثل ' پھلکاریِ نادر ' ' چھینٹِ بوٹہ دار ' ایسا لفظ عطف اور اضافت دونوں میں فارسی کا حکم رکھتا ہے۔

تکرار تاکید کے لئے | تاکید کے لئے کبھی ایک لفظ کبھی دو لفظ کو مکرر لاتے ہیں اور کبھی اسم کبھی فعل کو ' مثال ' کون آیا ؟ جواب ' ' زید زید - مثال ' زید کیا آیا ؟ جواب ' ' آیا آیا ' یا ' سرور کی حالت میں آیا ' یا ' ' زید آیا زید ' —

' بہت سی ' وغیرہ | ' بہت سی ' اور ' بہت سیاں ' مونث میں ' ' بہت سا ' ' بہت سے ' مذکر میں ' ' اکٹھا ' ' اکٹھے ' (یاء مجہول) مذکر میں اور ' اکٹھی ' ' اکٹھیاں ' مونث میں بھی تکرار کا حکم رکھتے ہیں اور ' سارا ' ' سارے ' ' ساری ' ' ساریاں ' بھی اسی قبیل سے ہیں۔ مثال ' نورن خفا ہوئی بہت سی ' امیر بخش اور ظہورن اور حسینی آج ہم سے خفا ہوئیں بہت سی ۔ ' بہت سیاں ' بھی صحیح ہے لیکن بعضے فصحا کے نزدیک مفرد اور جمع دونوں میں ایک ہی لفظ ' بہت سی ' لانا چاہئے ' جیسے : آج ہم سے ' بہت سی ' رنڈیاں خفا ہوگئیں - لیکن مذکر و جمع میں الگ الگ

آتے ہیں۔ مثال' آج فلانا ہم سے 'بہت سا' خفا ہوا، عمرو اور زید اور بکر آج ہم سے 'بہت سے' خفا ہوے۔ 'اکٹھا' اور 'اکٹھے' [یاء مجہول] جمع مذکر کے لئے دونوں کا استعمال درست ہے، لیکن 'اکٹھے' زیادہ فصیح ہے۔ 'اکٹھی' (یاء معروف) جمع مؤنث کے لئے اور نیز 'اکٹھیاں' درست ہے لیکن اول لفظ زیادہ فصیح ہے۔ مثالیں' کئی اکٹھے ہوے' یہ فصیح ہے۔ کئی مرد اکٹھا ہوے۔ یہ صحیح ہے مگر فصیح نہیں۔ کئی رنڈیاں اکٹھی ہوئیں، فصیح۔ کئی رنڈیاں اکٹھیاں ہوئیں یا' کئی رنڈیاں اکٹھا ہوئیں' یہ دونوں غیر فصیح —

بعضے مفرد کے لئے بھی 'اکٹھا' اور 'اکٹوی' تجویز کرتے ہیں' اور اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ زید چوتوں کے ساتھہ اکٹھا ہوگیا' ہندہ سینگی والیوں کے ساتھہ اکٹھی ہوگئی۔ لیکن یہ عبارتیں فصحا کی زبان نہیں۔ اور' زید پانی سے تر ہوگیا سارا' عمرو تالاب میں ڈوب گیا سارا' لوگ دریا میں ڈوب گئے سارے۔ لیکن 'دریا' کو اردو میں اکثر 'دریاؤ' بولتے ہیں اگرچہ بغیر 'واؤ' کے بھی بعضوں کی زبان سے سنئے میں آتا ہے۔ اور ہندہ پانی سے تر ہوگئی ساری' یا ہندہ دریا میں ڈوب گئی ساری' یا'

رنڈیاں دریاؤ میں ڈوب گئیں ساری (یا ساریاں)، 'ساری' فصیح ہے —

*

پندرھویں فصل

عطف

'عطف' کی علامت 'اور' (بروزن مور) ہے - بعض موقعوں پر 'واؤ' 'الف' میں غایب ہوجاتا ہے اور الف کا فتحہ قایم رهتا ہے اور اس حرف کا اردو کے داخل نہ کرنا اصالت کا ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہے' اس لئے کہ بعض اوقات ہی اس کا استعمال معتبر نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ' بخلاف گهر و بهر' بلدرابن و پلنڈول وغیرہ کے جو ہر موقع پر دو حرفوں کے ساتھہ بمنزلہ ایک حرف کے استعمال ہوتے ہیں- مثال زید آیا اور عمرو' یعنی دونوں آے- 'زید آیا اور عمرو آیا' بھی صحیح ہے- اور اگر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فعل یا اسم فاعل یا ایسے اور کلمے فاصلہ ڈال دیں تو فعل میں جمع کے صیغے کا استعمال ضروری ہے- مثال' زید اور عمرو آے اور نورن اور ظہورن آئیں (یا آئیاں)، اور زید آیا اور عمرو' عمرو معطوف ہے اور زید معطوف علیہ' یہ مثال فاعل کی ہے- مثال مفعول' زید و عمرو

کو دس اشرفیاں دو' یا زید اور عمرو کو دس اشرفیاں اور دس روپئے دو- زید اور عمرو مفعول اول اور دس اشرفیاں اور دس روپئے مفعول دوم اور معطوف و معطوف علیہ مبنی فعل کا فاعل معطوف کا تابع ہوتا ہے - جیسے زید کے دس روپئے اور پانچ اشرفیاں جاتی رہیں' یا' پانچ اشرفیاں اور دس روپے جاتے رہے - اور پانچ عورتیں اور چار مرد آے' یا' چار مرد اور پانچ عورتیں آئیں- مثال حرف کی' یہاں معطوف کے علاوہ معطوف علیہ کی بھی جمع آتی ہے' جیسے تین رنڈیاں اور دو ڈومنیوں کا آج مجرا ہوا' اور یہی قاعدہ مفعول میں بھی جاری ہے' مثال' تین رنڈیاں اور دو ڈومنیوں کو آج زید نے اشرفیاں دیں - اور بعضوں کے نزدیک موافقت لازمی ہے* جیسے تین رنڈیوں اور دو ڈومنیوں کا آج مجرا ہوا - لیکن عدم موافقت زیادہ فصیح ہے- مثال مفعول :- تین رنڈیوں اور چار ڈومنیوں کو آج دیکھا' یہ پہلی مثال سے بہتر ہے - اور معطوف علیہ میں صیغۂ جمع کا ذکر نہ کرنا بھی جایز ہے' مثال' تین دھوبن اور چار مالنوں کو تنخواہ دی- یا' دو مزدور اور چار معماروں سے آج

---

* آج کل یہی کلیہ قاعدہ ہے' اس ذکر میں حرف سے مراد حرف مغیرہ ہے - (مترجم)

کام لیا ۔ باقی قاعدے فاعل، مذکر و مونث، مفعول علامت کے ساتھہ اور اس کے بغیر اسی پر قیاس کیے جائیں —

تنبیہ :- دو ہندی لفظوں میں یا ایک ہندی اور ایک فارسی کے درمیان واؤ عاطفہ کا لانا اچھا نہیں، جیسے یہ کہنا، جھاڑو و ٹوکرا، یا، جاروب و ٹوکرا —

— * —

سولھویں فصل
عطف بیان

ایک چیز کے علم کو جو کسی چیز کے بعد آئے جو علم کی مانند کنیت وغیرہ کی قسم سے ہو عطف بیان کہتے ہیں ۔ مثال، ابوالحسن، ابوالقاسم محمد عربی میں، پد مرزا محسن فارسی میں اور مینڈو کا باپ نور خاں ہندی میں —

عطف بیان اور بدل کا فرق عطف بیان اور بدل میں بہت نازک فرق ہے کیونکہ دونوں ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً، میں رستم کی ناک مروڑنے والا حسن بیگ ہوں، یا، میں حسن بیگ کا بیٹا محمد بیگ ہوں، یہ تو ہوا عطف بیان ۔ اور، زید بھائی تمہارا آیا، یا، بھائی تمہارا زید آیا، اور، تمہارے بھائی زید نے عمرو کو مارا یہ بدل ہے ۔ ان عبارتوں میں غور کے بعد جاننا چاہئے

که فرق کیا ہے - راقم کے گمان میں فرق یہ ہے کہ عطف بیان میں علمیت کی قید لازمی ہوتی ہے جیسے ابوالحسن علی، اور بدل میں ایسا نہیں ہوتا - کیونکہ تیرا بھائی زید آیا، اور، زید بھائی تیرا آیا، دونوں برابر ہیں- اول جملہ میں زید بدل ہے اور، تیرا بھائی، مبدل منہ، دوسرے جملہ میں زید مبدل منہ ہے اور، بھائی تیرا، بدل - لیکن اس قدر فرق طلبہ کی تشفی کا موجب نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس عبارت میں، میں رستم کی ناک مروڑنے والا حسن بیگ ہوں، حسن بیگ کو کہ عطف بیان آکے پڑا ہے بدل بھی کہہ سکتے ہیں

— • —

سترھویں فصل

تمیز

تمیز کی علامتیں یہ ہیں، کتنا، کتنے، کے، کتی، عدد، اور کتنی (یاء معروف) مفرد مونث کے لیے اور جمع مونث کے لیے کتنیاں اور مفرد مونث کی جمع - کتنا اکثر، بڑائی چھٹائی [یا قلت و کثرت]، وزن اور کمی کے لیے سوال کی طور پر آتا ہے - مثال، یہ ڈھیر کتنا ہے، یہ ٹکڑا کتنا ہے- اور کبھی سوال پر متضمن نہیں ہوتا - مثال، تو بھی کتنا بے حیا ہے - کتنے (یاء مجہول) عدد دریافت

کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے، کتنے آدمی تمھارے ساتھ گئے تھے - کبھی ایسا نہیں ہوتا، جیسے، تم لوگ بھی کتنے بے مروت ہو - ایک آدمی کے لیے بھی تعظیماً آتا ہے - اور کے (ک مفتوح) ہمیشہ سوال ہی میں آتا ہے، مثال، کے آدمی تمھارے ساتھ گئے تھے - کئی ہمیشہ سوال کی قید سے بری ہے، مثال، کئی آدمی ان کے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں —

واحد کے عدد [یعنی جب ایک متنفس سے مراد ہو] مذکر اور مونث کی تمیز نہیں، جیسے، ایک عورت، ایک مرد - ایک سے زاید کی صورت میں عورت کے لیے جمع کا صیغہ درکار ہے اور مرد کے لیے مفرد کا - مثال، دو عورتیں، دو مرد، تین رنڈیاں اور تین مرد —

اور بعضے جو یہ کہتے ہیں کہ مرد فارسی لفظ ہے اور ان لفظوں میں سے ہے جن کے مفرد اور جمع یکساں حیثیت رکھتے ہیں مثلاً لڈو، ہاتھی، انار، سیب، اس صورت میں مرد اور عورت میں وہی فرق باقی رہتا ہے، ورنہ چاہیئے کہ لفظ جو عورت کے معنی میں مفرد کے سوا ہو اس کی جمع استعمال ہو اور جو مرد کے معنی دے اس کی نہیں لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ مردوا بھی مرد کے معنی رکھتا ہے [یعنی مذکر ہے]، دو مردوا، تین

مردوا کہنا صحیح نہیں بلکہ دو مردوے اور تین مردوے کہنا صحیح ہے - معترض کا کمزور جواب یہ ہے کہ لفظ سے مراد وہ لفظ ہے جو فصیح مردوں میں رائج ہو نہ وہ جو عورتوں کے استعمال سے مخصوص ہو- پس اُس قاعدے کے موافق جس کا ذکر اُوپر آیا مردوں کی زبان میں عورت کے لئے ہندی میں یہ لفظ ہیں :- رنڈی، عورت ، کسبی، خانگی ، کنچنی ، ڈومنی ، رام جنی ، نیک بخت وغیرہ ، اور مرد کے معنی میں :- مرد ، آدمی ، اور شخص —

حصر | ایک کے سوا اور اعداد کے آخر 'واؤ' اور 'نون غنہ' حصر کے لیے آتا ہے ، جیسے ، تینوں روپے زید کو دیے ، چاروں تربوز عمرو نے کھائے - صدھا اور ہزارھا میں 'واو' اور 'نون' عدد کی کثرت پر دلالت کرتا ہے ، جیسے سیکڑوں اشرفیاں عمرو کو بخشیں ، ہزاروں روپے زید سے لیے - لاکھ اور کروڑ بھی سو اور ہزار کی طرح مسلوک ہوتے ہیں —

--- * ---

اٹھارھویں فصل

معرب *

معرب اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے آخر میں کسی

* معرب کے معنی ہیں اعراب دیا ہوا یعنی زیر، زبر، پیش دیا ہوا ، یہاں اس سے مراد ہے جس میں اعراب کا تغیر کسی نحوی سبب سے واقع ہو یا کسی حرف کی ایزادی کی وجہ سے - (مترجم)

وجہ سے تغیر واقع ہو ' جیسے (۱) بیحس و حرکت چیزوں کی جمع میں جب آخر میں الف ہو اور فاعل ' مفعول ' اضافت یا تعلق کی حالت ہو ' یا (۲) بیجس و حرکت مفرد چیزوں میں فاعل ' مفعول ' مضاف ' اور حرف سے متعلق ہونے کی صورت میں اس صورت میں کہ فعل متعدی ہو اور جمع مذکور ہو ' اور (۳) جمع میں مبتدا ہونے کے وقت بھی یہی قاعدہ عاید ہوگا - مثالیں ' پیڑا ' جب اس کی جمع کو فاعل استعمال کریں تو الف کو یائے مجہول سے بدلیں گے - جیسے پانچ پیڑے میرے ھاتھ سے گرے - اور اگر مفعول استعمال ھو مع علامت مفعول کے تو مفرد 'کے' کو جمع میں ' واؤ ' اور ' نون ' سے بدلیں گے' جیسے ' آج سات پیڑوں کو میں نے کھایا - جب مفعول کی علامت استعمال نہ ہو تو وہی ' الف ' کو یاء مجہول بدلنا کافی ہوگا ' جیسے ' چار پیڑے آج میں نے کھائے - اضافت اور حروف [حروف سے مراد حروف مغیرہ ھے جنھیں حروف معنوی بھی کہتے ھیں] کے ساتھہ تعلق ہونے کی صورت میں بھی ' الف ' کی جگہ واؤ اور نون لانا صحیح ہوگا ورنہ غلط - مثال پیڑوں کا مزا کچھہ اور ھے ' پیڑوں سے ھرگز جلیبیاں بہتر نہیں - مبتدا کی مثال' دو پیڑے ٹوکری میں اور ھیں ' تین پیڑے ٹوکری میں

اور باقی ہیں —

مفرد کی مثال | جب وہ فعل متعدی کا فاعل ہو اور اس کے ساتھہ ہی علامت تعدیہ (نے)

فاصلہ کے بغیر مذکور ہو تو 'الف' کو 'ی' سے بدلیں گے' جیسے' ایک پیڑے نے میرا معدہ خراب کیا - اور فعل لازم کی صورت میں کوئی تغیر نہیں ہوگا' جیسے' ایک پیڑا ٹوکری سے گر پڑا - مفعول کی حالت میں بھی الف کو یاء مجہول سے بدلتے ہیں' جیسے' ایک پیڑے کو میں نہیں کھاتا چار پانچ ہوں تو کھاؤں - اگر علامت مفعول مذکور نہ ہو تو الف قایم رہے گا' مثال' ایک پیڑا میں نہیں کھاتا —

مضاف کی مثال - ایک پیڑے کا ٹکڑا میں نہیں کھاتا - مثال حرف سے متعلق کی' ایک پیڑے سے اپنا پیٹ کب بھرتا ہے —

جمع کا 'الف اور نون غنہ' اور 'یاء اور نون غنہ' فاعل یا مبتدا ہونے کی حالت میں فاعل یا مبتدا ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے' گاجریں چلیں' گاجریں ٹوکری میں ہیں' مُولیاں بازار میں آئیں' مولیاں کڑوی ہیں -

مفعول' مضاف اور حرف سے متعلق ہونے کی صورت میں 'الف' 'نون' اور 'یاء' 'نون' اور علامت مفعول

کے ساتھہ 'واؤ' 'نون' مستعمل ھوتا ھے 'جیسے' کاجروں کو مول لو' مولیوں کو بیچ ڈالو- بغیر علامت کے اپنی حالت پر قایم رھے گا' جیسے' کاجریں مول لاؤ' مولیاں بیچ ڈالو —

دوسری صورت میں ھمیشہ 'واؤ' 'نون' مذکور ھوگا- مثال' کاجروں کا مول' مولیوں کا مزا' کاجروں سے پیٹ دکھتا ھے' مولیوں سے طبیعت سیر ھوگئی —

مضاف بھی مفرد چیز کی طرح بےحس و حرکت ھوتا ھے' مثال' زید کا بیٹا گھوڑے سے گر پڑا- یہ فعل لازم تھا اس لئے تغیر کا عمل نہ ھوا' فعل متعدی کی مثال زید کے بیٹے نے آج گھوڑا دوڑایا' زید کے بیٹے نے عمرو کے بھانجے کو مار ڈالا' زید کے بیٹے سے مجھے نفرت ھے- مفعول کی حالت میں جب کہ علامت مفعولی مذکور نہ ھو کوئی تغیر نہیں ھوتا' جیسے- زید نے عمرو کا بیٹا مار ڈالا-

[بعد کے صرفیوں نے ان تفصیلوں کے بغیر جو اوپر درج ھوئیں ان تمام تغیرات کو حروف مغیرہ کے اثر اور نتیجے کے کلیہ کی ذیل میں لے لیا ھے' حروف مغیرہ یہ ھیں :- میں' سے' کو' تک' تلک' پر' کا' کی' کے' نے' والا- مترجم] —

مبنی

مبنی وہ ھے جس میں ھرگز کوئی تغیر واقع نہ ھو جیسے فارسی میں مضاف الیہ کے مضاف کی

جگھہ پر لانے کے وقت اضافت کا فک کسرہ اسی طرح اردو میں مثل ، هندوستان کا والی ، زید کا غلام ، ان کا الٹ ، غلام زید کا ، والی هندوستان کا ، ان فقروں میں ' غلام ' یا ' والی ' کے آخر کسرہ لگانا اس خیال سے کہ اصل غلام زید اور والئی هندوستان تھا غلط ہے —

صفت موصوف | صفت موصوف سے پہلے آتی ہے ، جیسے ' برا آدمی ' بھلا آدمی - صفت کا الف ' مفعول اور جمع وغیرہ کی حالت میں یاء مجہول سے بدل جاتا ہے ، جیسے ' برے آدمیوں سے خدا پناہ میں رکھے ' برے آدمیوں کو خدا غارت کرے ' برے آدمیوں نے گھر خراب کئے ہیں ' بروں سے ڈریے ' برے سب زمانے میں کامیاب ہوتے ہیں - عدم تغیر سے ہماری غرض صفت سے پہلے موصوف کا لانا ہے —

وہ الفاظ جو جمع اور مفرد میں ایک ہی ہیں ۔ جیسے ' لڈو ' کدو ' شلغم ' هاتھی وغیرہ —

اور وہ حاصل مصدر جو ' پن ' سے بنایا جاے ' جیسے شہدپن ' لڑکپن ' دیوانپن ' بچپن کہ اصل میں شہداپن لڑکا پن ' دیوانہ پن (یا دیوانا پن) اور بچہ پن (یا بچا پن) تھے - یعنی لازم ہے حروف محذوف کا ماقبل سکون پر مبنی ہو —

اور مرکب اعلام یعنی نام جو کئی کلموں سے مرکب ہوں ان میں اول کلمہ کے آخر کا حرف ہمیشہ ساکن ہوگا ' جیسے احمد علی ' حیدر علی ' محمد حسن ' احمد حسین ' محمد جعفر ' مرتضیٰ حسین - اسی طرح مبدل منہ کی صورت میں جیسے ' مرزا کلو بیگ ' میر ملو ' شیخ مکھو ' وغیرہ ' مرزا ' میر اور شیخ اور اسی قسم کے اور کلمے جیسے امام جعفر صادق میں ' امام ' اور شاہ کلو میں ' شاہ ' بابا فغانی میں ' بابا ' اور لالا بہاری میں ' لالا ' مسر کرپارام میں ' مسر ' پنڈت منسارام میں ' پنڈت ' کاکا سندر داس میں ' کاکا ' نواب نظام الملک میں نواب وغیرہ وغیرہ یہ سب ' سکون ' پر مبنی ہیں - اس صورت میں خواجۂ نقشبند (مع ہمزۂ مکسور) اور شاہِ کلو (مع کسرۂ ہاء) اور بابائے فغانی (مع یاء مسکور) غلط ہے محض ہے - ایسا ہی حال باقی کے الفاظ کا ہے - مختصر یہ کہ نحویوں نے ' مبنی ' کی آٹھ قسمیں قرار دی ہیں ' ان میں سے ایک مرکب ہے جس کی مثالیں ابھی دی گئیں - [اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ علم یعنی نام میں کسرۂ اضافت متروک نہیں ممنوع ہے ' حال کی قواعد کی کتابوں میں بھی یہ ممانعت قایم ہے] —

—— * ——

انیسویں فصل ، ضمیریں

اب ضمیروں کا ذکر کرتے ہیں ، یہ عربی میں بہتّر اور ہندی میں پینتیس ہیں —

ضمیروں کی تفصیل

پانچ منفصل فاعل کے لئے ، 'وہ ' یا ' وو ' مفرد غایب مذکر و مونث کے لئے ، اور بعضوں کے نزدیک جمع کے لئے ' وے ' (یاء مجہول) ' لیکن ' وے ' کو فصحا استعمال نہیں کرتے اور اسے مکتب کے مُلاؤں کی زبان سمجھتے ہیں - مذکر اور مونث مفرد حاضر کے لئے ' تو ' فصیح ہے اور اردو متقدمین کی زبان میں ' تیں ' ہے - اور تم مذکر و مونث جمع حاضر کے لئے - متکلم مفرد مذکر و مونث کے لئے ' میں ' اور دونوں کی جمع میں ' ہم ' ہے۔

مفعول کی منفصل ضمیریں

چھہ منفصل ضمیریں مفعول کے لئے ہیں (۱) مذکر و مونث واحد حاضر کے لئے ' جیسے ' تجھے میں ماروں گا (۲) مذکر و مونث جمع حاضر کے لئے ' جیسے ' تمہیں میں ماروں گا (۳) واحد متکلم مذکر و مونث کے لئے ' جیسے ' مجھے تو مارے گا (۴) جمع متکلم مذکر و مونث کے لئے ' جیسے ' ہمیں تو مارے گا (۵) واحد غایب مذکر و مونث کے لئے ' جیسے ' اُسے تو مارے گا (۶) جمع غایب مذکر و مونث

کے لیے ' جیسے ' انہیں تو مارے گا —

فاعل کی متصل ضمیریں چھہ متصل ضمیریں فاعل کی ہیں (۱) کیا 'اُس نے ' اور 'اُنّے ' اُنّے (نون مشدد) بھی صحیح ہے ' یہ مثال مفرد غایب کی ہے (۲) جمع غایب ' کیا انہوں نے (۳) واحد حاضر ' کیا تو نے (۴) جمع حاضر ' کیا تم نے (۵) واحد متکلم ' کیا میں نے (۶) جمع متکلم ' کیا ہم نے - ان ضمیروں میں تذکیر و تانیث کا امتیاز نہیں -

' میں ے کیا ' یا ' کیا میں نے ' کی جگہ ' میں کیا ' یا ' کیا میں ' [علامت فاعل کے اظہار کے بغیر] وغیرہ شہر کے غیر فصیحوں کی زبان ہے —

مفعول کی متصل ضمیریں چھہ ضمیریں متصل مفعول کی ہیں ' اور یہ وہی منفصل ضمیریں ہیں جن کا ذکر آگے آیا ' اور ' مجھے ' کی جگہ ' مجھکو ' ' ہمیں ' کی جگہ ' ہم کو ' ' اسے ' کی جگہ ' اُس کو ' ' انہیں ' کی جگہ ' ان کو ' ' تجھے ' کی جگہ ' تجھکو ' ' ہمیں ' کی جگہ ' ہم کو ' بھی ٹھیک ہے - خواہ یہ کہو مجھے مارا ' یا ' مجھکو مارا ' دونوں برابر ہیں —

حرف کے متعلق متصل ضمیریں چھہ اور متصل ضمیریں حرف کے متعلق ہیں ' مثال مفرد غایب مذکر

و مونث ''اُس سے' اور اُن کی جمع 'اُن سے' - مفرد حاضر هر دو جنس' 'تجهه سے' اور اُن کی جمع 'تم سے' - مفرد متکلم هر دو جنس' 'مجهه سے' اور جمع هم سے —

اضافت کی متصل ضمیریں

اضافت کے لئے بهی چهه متصل ضمیریں هیں - مفرد متکلم دونوں جنس' غلام میرا' اس کی جمع ''غلام همارا' - مفرد حاضر دونوں جنس کے لئے ''غلام تیرا'' غلام تمهارا' - مفرد و جمع غایب هر دو جنس' غلام اُس کا 'غلام اُن کا —

ضمیروں کی تعداد

فصحا کے نزیک ضمایر کی میزان پینتیس هے اور غیر فصیح چهتیس بتاتے هیں کیونکه یه جماعت ضمیر منفصل غایب فاعل کے لئے جمع میں 'وے' (واؤ' یاء مجهول) قرار دیتے هیں - یه میزان ایک اور حساب سے غیر فصیحوں کے نزدیک تیس تهرتی هے اور فصیحوں کے نزدیک انتیس' اور اس صورت میں کهضمیر متصل مفعول کو شمار میں نه لیا جاے اور ضمیر منفصل مفعول هی کو کافی سمجها جاے — 'تیں' (تو) کو حساب میں داخل نهیں کر سکتے' اس کی دو وجه هیں' ایک تو یه که یه فصحا کی زبان نهیں اور دوسرے یه دو مترادف الفاظ ایک لفظ کے مساوی هوتے هیں —

اور 'واسطے' 'لئے' اور 'خاطر' کے ساتھ جو ضمیریں آتی ہیں باوجود اس کے کہ اُن میں 'الف' یاء 'مجہول سے تبدیل ہوتا ہے وہ اضافت کی ضمیروں میں داخل ہیں' جیسے' تیرے واسطے' تیرے لیے' (یاء مجہول سے الف بدلا گیا) اور تیری خاطر' (یہاں یاء معروف سے تبدیل ہوا)- اسی طرح تمہارے واسطے' تمہارے لئے' تمہاری خاطر' اور' اس کے واسطے' اُس کے لئے' اُس کی خاطر' اور اُن کے واسطے' اُن کے لیے' اُن کی خاطر' اور میرے واسطے' میرے لئے میری خاطر' اور' ہمارے واسطے' ہمارے لئے' ہماری خاطر —

'انھوں کے واسطے' یا 'لئے' اور 'انھوں کی خاطر' غیر فصیحوں کی زبان ہے جب کہ 'اُن کے واسطے' یا 'لئے' اور 'اُن کی خاطر' فصیح ہے —

'کنے' (یاء مجہول) بمعنی نزدیک بھی 'واسطے' اور 'لئے' کے طریق پر مستعمل ہے' جیسے میرے کنے- اور' واسطے' اور 'لئے' اردو اور فارسی میں مضاف شمار ہوتے ہیں اور عربی میں حروف جار —

'انھیں سے' اصل میں 'اُن ہی سے' ہے' لیکن اب نقل کا استعمال اصل سے بہتر سمجھا جاتا ہے —

'میرا' 'تیرا' کا جو 'میرے تیرے' بنتا ہے متغیرات میں

داخل نہیں سمجھا جا سکتا کیونکو متغیر وہ ہے جس میں کسی مغیر کے سبب تغیر واقع ہوا ہو اور یہ اول دن ہی سے ایسا واقع ہوا ہے کسی کے تاثر کا اس میں دخل نہیں جیسے 'نے' 'پیڑا' کو 'پیڑے' بدلا دیتا ہے اور یہ جمع نہیں بلکہ مفرد ہونے کی حالت میں ' مثال: ایک پیڑے نے میرا معدہ خراب کیا ہے' یا 'کو' جو مفعولیت کی حالت میں مفعول کے بعد آتا ہے ' مثال' ایک پیڑے کو بھی کھا نہیں سکتا ہوں - یا 'سے' مثال' ایک پیڑے سے ہمارا پیٹ کب بھرتا ہے - یا 'کا' (اضافت کے لئے) ایک پیڑے کا بھی پچانا تو مجھے دوبھر ہے —

— • —

بیسویں فصل اسم اشارہ

اسماء اشارہ مبتدا کے لئے مفرد میں 'یہ' اور 'یے' مقرر ہیں اور جمع کے لئے 'یہ لوگ' اور 'یے لوگ - مثال' یہ برا ہے (مفرد مذکر کے لئے) ' یہ بری ہے (مفرد مونث کے لئے) - مثال جمع مذکر ' یہ لوگ سب اچھے ہیں ' مثال جمع مونث ' یہ سب اچھی ہیں - فعل لازم کے فاعل کے لئے بھی اسی طرح 'یہ' 'یے' 'یہ لوگ' 'یے لوگ' آتے ہیں' مثال' یہ موا ' یے جیا ' یہ موئی ' یے اچھی ہوئی ' یہ لوگ سب مرگئے ' یہ سب مرگئیں - کبھی 'یہ

یہ لوگ، کی جگہ صرف ' یہ ' استعمال ہوتا ہے ' جیسے ' یہ سب مرگئے - متعدی کے فاعل ' یا چیز متعلق حرف کے ساتھہ اگر مفرد ہو تو ' اُس ' مقرر ہے اور مفعول کے لئے بھی وہی ' اُس ' آتا ہے - مثال فاعل ' اس نے مجھے بہت ستایا ہے - مثال مفعول ' اُس کو میں بہت چاہتا ہوں - مثال متعلق حرف کے ساتھہ ' اس سے مجھے کچھہ غرض نہیں ' اور اگر جمع ہو تو فاعل کے لئے ' انھوں نے ' مفعول کے لئے ' انھوں کو ' ' اُن کو ' (دوسرا فصیح) متعلق مع حرف کے لئے ' انھوں سے ' ' اُن سے ' (اُن سے زیادہ فصیح ہے) - مثالیں ' انھوں نے ہمیں بہت عاجز کیا ہے ' ان کو خوب سا میں بھی خراب کرونگا ' اُن سے خدا پناہ میں رکھے - ' اس نے ' فصحا کے روز مرہ میں ' اُنے ' بن جاتا ہے جو کچھہ فاعل، مفعول ارو متعلق مع حرف کے بارے میں ابھی کہا گیا اس میں مذکر اور مونث کی تمیز نہیں -

— * —

اکیسوین فصل

موصولات

موصول جملہ کا ایک جز بمنزلۂ مبتدا کے ہوتا ہے اگرچہ ٹھیک مبتدا نہیں ہوتا ' کیونکہ مبتدا تو اصلی جز ہوتا ہے مگر موصول غیر اصلی جز ہوتا ہے اور اصلی جز کی طرف راجع ہوتا ہے - موصول مفرد مذکر کے لئے ' جونسا '

اور 'جو' اور جمع مذکر کے لئے 'جونسے' (یاء مجہول) اور 'جو' آتا ہے - اور مفرد مونث کے لئے جونسی (یاء معروف) اور 'جو' اور جمع میں 'جونسیاں' اور 'جو' - فصحا جمع میں بھی 'جونسی' استعمال کرتے ہیں '' جونسیاں' محتاط فصیحوں کے استعمال سے خارج ہے بلکہ اس کی جگہ 'جو' ان زبان پر ہے ' لیکن اردو کے خلاف نہیں - اور اسمائے موصول 'جس نے' 'جنّے' 'جنھوں نے' 'جس کو' 'جن کو' 'جس سے' 'جن سے' مذکر اور مونث کے لئے یکساں آتے ہیں - اور بعض عورتیں اور زنان مقتری [زن سیرت مرد] ہرجگہ 'جیم' کے بدلے 'کاف' بولتے ہیں ' اگرچہ یہ لوگ اہل اردو میں داخل ہیں مگر ایسا کرنا غلط ہے - یہاں تک جو ذکر موصول کا ہوا وہ سب صرف ذوی العقول سے متعلق ہے —

'جس' کی جگہ 'جس کسی' بھی صحیح ہے [بلکہ کسی قدر عمومیت کا رنگ تیز کردیتا ہے] ' مثال ' ہم قایل اس رئیس کے ہیں جونسا رعیت پرور ہے ' ہم قایل اُس سردار کے ہیں جو رعیت پرور ہے - یہ مثال مفرد مذکر مبتدا کی ہے - مثال مونث مفرد مبتدا کی :- ہم قایل اس بیوی کے ہیں جونسی مفلس شوہر کی چاہنے والی ہے ' ہم قایل اس بیوی کے ہیں جو مفلوک شوہر کی چاہنے

والی ہے - مثال جمع مذکر مبتدا کی :- ہم قایل ان لوگوں کے ہیں جونسے مفلس آشنا پر فدا ہیں ' یا جو مفلس آشنا پر فدا ہیں - مثال جمع مونث مبتدا کی :- میں قایل ان بیبیوں کا ہوں جونسی (یا جونسیاں ' یا جو) اپنے فقیر شوہر کی بادشاہ سے زیادہ چاہنے والی ہوں - فعل لازم کے مونث فاعل کی مثال (کیونکہ فعل لازم بمنزلہ خبر کے ہے) :- میں قایل اس رنڈی کا ہوں جو کل فیض آباد سے آئی ہے یا دلی کو گئی ہے - مذکر کی مثال :- میں قایل اس گوئیے کا ہوں جو کل قدم شریف میں آیا تھا —

اگر کوئی کہے کہ فعل لازم میں اس خصوصیت کا حصر کیوں رکھا گیا فعل متعدی بھی بمنزلہ خبر کے ہوسکتا ہے ' جیسے '' میں قایل اس کلاونت کا ہوں جو مظفر خاں کے سامنے بیٹھا کل گاتا تھا دھرپت کو ' اس کا جواب یہ ہے کہ فعل متعدی کا عمل صیغۂ ماضی میں (جیسے مارا ' لایا) زیادہ قوی ہے بمقابلہ ایسے صیغۂ ماضی میں جیسے ' لاتا ' اور ' لاتا تھا ' ہے ' اور حال و مستقبل تو داخل حساب ہی نہیں جس کی بحث صرف میں گزر چکی ہے - اور ہماری مراد بھی فعل متعدی سے وہ صیغۂ ماضی ہے جس کے ساتھ ' نے ' آے —

حاصل کلام ' جس نے ' فاعل مذکر و مونث مفرد کے

لئے ('جس نے' کی بجاے 'جنّے' بھی صحیح ھے) 'اور جنھوں نے' جمع میں آتا ھے' مثال' قربان ان دوستوں کے ھوجیئے جنھوں نے دوستوں کے واسطے جان دی ھو- مونث کی بھی یہی مثال ھے- 'جس کو' اور 'جن کو' مفعولیت کے لئے بلا تمیز تذکیر و تانیث' پہلا مفرد اور دوسرا جمع کے لئے آتا ھے' مثال' آج خلعت دیا جناب عالی نے جس کو کل میاں آفریں اور میاں تحسین حضور میں لاے تھے' اور' آج میاں تحسین اور میاں آفرین حضور میں لاے اُن دونوں غریبوں کو کہ جن کو 'پرسوں جناب عالی نے برج پر سے دیکھہ کر فرمایا تھا کہ یہ دو شخص نئے اس شہر میں نظر آے ھیں- مثال مونث :- آج دس ھزار روپے کا جواھر حضور سے اس رنڈی کو ملا جس کو پرسوں سونے کے کڑے عنایت ھوے تھے' اور' آج حکم حضور سے مہر میلڈھا کو یوں پہنچا کہ چار گھڑی دن رھے ان رنڈیوں کو لے کر آؤ جن کو وارث علی مراد آباد سے ساتھہ لے کر آیا تھا- 'جسے' اور 'جن سے' حرف سے متعلق ھوتا ھے' اس میں بھی مذکر اور مونث برابر ھیں' مثال مفرد مونث کی :- وہ رنڈی آج حضور میں خوب گائی جس سے پرسوں کلو خوب لڑی تھی- جمع مونث کی مثال :-

دو رنڈیاں آج حضور میں میر مینڈھا کی نالش لائی تھیں جن سے قلندر و منیا کو لاگ ہے - مفرد مذکر کی مثال :- آج وہ گوئیا حضور میں آیا ہے جس سے شکر مکھن ہمیشہ برسر حساب تھے - جمع مذکر کی مثال :- آج دو گویے حضور میں حاضر ہیں کہ جن سے میر بولا قوال کے بیٹے دلی میں کبھی مقابلہ نہ کرسکتے تھے —

انہیں موقعوں پر 'جس' کی جگہ 'جس کسی' ٹھیک استعمال ہوتا ہے لیکن یہ صرف فاعل کی حالت میں اور 'جن کنھی' بھی - مثال، جن کنھی نے ہمیں دو روپے دیے ہم نے اسے دس روپے دیے - اور یہ اردو کے فصیحوں کی بھی زبان ہے [اب کوئی نہیں بولتا] —

الفاظ مذکور عربی کے الذی، انتی، اللذان، الذین، اللذین، اللتان، اللتین اور اللاتی کے مقابل ہیں —

'جو کوئی'، 'جو صاحب'، 'جو لوگ'، فاعل کے لئے آتے ہیں، اور بہتر یہ ہے کہ تذکیر و تانیث اور مفرد و جمع کی حالت میں فعل میں ضمیر مذکر ہو، مثال مفرد :- جو کوئی ہمارے پاس آوے گا ہم بھی اس کے پاس جائیں گے خواہ چلگیو خاں خواہ بلو ڈومنی ہو - 'جو ہمارے پاس آوے گا' کے ساتھ بھی جملہ یونہی رہے گا' اور 'جو لوگ یا جو صاحب ہمارے پاس بیٹھیں گے خواہ ہفت ہزاری

امہر اور ساہوکار ہوں خواہ مُثنا اور سہتاب ' -

اور اگر فعل میں ضمیر مونث لانا ضرور ہو تو مونث میں ' جو ' یا ' کوئی ' کے بعد اسم مونث کا اظہار ہونا چاہیئے (جو 'کوئی ' سے ' جو ' بہتر ہے) مثال ' جو عورت ہمیں چاہے گی ہم بھی اوسے چاہیں گے - اور یہ کہنا :- " جو ہمیں چاہے گی ہم بھی اُسے چاہیں گے " بلاغت سے دور ہے - اور جمع جو ' عورتیں ' کہنا چاہیئے ' یہ ذوی العقل کے لئے ہے اور مفعولیت اور حرف کے تعلق میں بھی مستعمل ہے ' جس ' اور ' جس کسی ' بھی اس جگہہ مناسب ہے - مثال مفعول ' مفرد مذکر ہو یا مونث :- جس کو ہم کچھہ بیجا کہیں گے وہ بھی ہمیں کہیگا ' جس کسی کو ہم کچھہ بیجا کہیں گے وہ بھی ہمیں بیجا کہیگا- حرف کے ساتھہ متعلق کی مثال مفرد مذکر خواہ مونث' جس (یا جس کسی) سے ہم بیزار ہیں وہ بھی ہم سے بیزار ہے - مثال مفعول جمع مذکر یا مونث :- جنھوں کو ہم ذلیل جانیں گے وہ بھی ہمیں ذلیل جانیں گے ' 'جنھوں' کی جگہہ 'جن لوگوں' یا 'جن صاحبوں' کہنا بھی درست ہے - مثال متعلق حرف جمع مذکر یا مونث :- جنھوں سے ہم الفت رکھتے ہیں وہ بھی ہم سے الفت رکھتے ہیں- بعض شخص ان لفظوں میں ' ہ ' کو حذف کر دیتے ہیں یعنی جنھوں ' انھوں ' جنھیں ' تمھیں ' تمھارا ' ہاتھہ ' ساتھہ ' ہونٹھہ

کے بدلے' جنوں' انوں' جنھیں' اُنھیں' تمھیں' تمارا' ھات' ساتھ' ھونٹ کہتے ھیں [اول الذکر الفاظ میں سے 'ھونٹھ' اب نہیں بولا جاتا' 'ھونٹ' ھی اس کا فصیح تلفظ ھے]' بعد کے سلسلے میں شروع کے چار پنجابیوں سے مخصوص بتاتے ھیں اور آخر کے پانچ خاص اُردو خیال کرتے ھیں' بعض شاعروں نے بھی ان کی پیروی اختیار کی ھے اور بعضوں نے 'انھوں' کو بھی ان الفاظ میں داخل کیا ھے - اور کوئی 'ہ' کو مسلم جانتا ھے' کوئی نہیں - 'سبھوں' بھی 'انھوں' کی طرح 'ہ' کے ساتھ اور اس کے بغیر بھی بتاتے ھیں - یہ لفظ 'ہ' بغیر اگرچہ بعض اھل اردو کے نزدیک درست نہیں لیکن 'انھوں' سے زیادہ فصیح اور دلچسپ ھے - عربی میں ان سب لفظوں کے مقابل 'من' موصولہ ھی مستعمل ھے - زناخی اور دوگانا جان [عورتیں' ھمجولیاں] 'جو کوئی' اور 'جو' میں 'جیم' کو 'سین' سے بدلے بغیر نہیں رہ سکتیں' مثال' سو کوئی چاھے ھمیں کہہ لے ھم کچھ کہتے نہیں' یا' سو بات تم نے کہی سو میں نے سنی' یا' سو چا ھے سو یہاں کا مالک ھو-

'جو کچھ' اور' جو' فارسی کے 'ھر چہ' اور' آنچہ' کا اورعربی کے 'ما' کا قایم مقام ھے' مثال' جوکچھ تم چاھو سو فرماو' جو تم چاھتے ھو سو کرتے ھو' یہ مثالیں ذوی العقول کی ھیں'

زناخیاں ان میں بھی 'جیم' کو سین' سے بدل ڈالتی ہیں -

'کوئی سا' مفرد مذکر اور 'کوئی سی' مفرد مونث اور دونوں ذوی العقول کے لئے آتے ہیں 'جیسے' دونوں گھوڑوں میں سے کوئی سا پسند کرو سو لو' شبنموں میں سے کوئی سی پسند کرو سو لو - ان جملوں میں 'سو' کے بدلے 'تو' بھی کہہ سکتے ہیں —

— * —

بائیسویں فصل
کنایے

کنایہ عدد یعنی 'کتنے' 'کئی' 'کَے' کے لئے ہوتا ہے' اس کی تفصیل آگے آچکی ہے - بعضے 'کتنے' کا نون اڑا کر اور 'ت' کو مشدد کرکے 'کِتّے' بھی بولتے ہیں - 'کئی' اور 'کَے' جمع پر دلالت کرتا ہے - 'کتنے' فرع ہے اور 'کتنا' اصل' اور اسی طرح 'کتنی' (یاء معروف)' کیوں کہ 'کتنے' جمع کے لئے آتا ہے اور جمع مفرد کی فرع ہے - 'کس قدر' بھی 'کتنے' 'کتنی' یا 'کتنا' کا مرادف ہے —

— * —

تیئسویں فصل
اسم بہ معنی فعل

چند لفظ ایسے ہیں جو ہیں تو اسم مگر معنی فعل

کے دیتے هیں - جیسے ' 'هاں جی' یعنی جلدی کرو- مثلاً زید کو باندھ کر عمرو کے سامنے لاے' عمرو اپنے نوکروں سے کہتا ہے 'هاں جی' یعنی دیر کیوں کرتے هو' جلدی اس کو پیٹو- اور "بیتا بیتا" سائیسوں کے الفاظ هیں جو وہ گھوڑے کی شوخی کے وقت کہتے هیں (جن سے مراد هوتی ہے) "شوخی نه کر"- بعضوں کے نزدیک یه الفاظ اسماء افعال میں داخل نہیں بلکه اس جگه وہ حذف یا تقدیر کی صورت بتاتے هیں اور کہتے هیں که "بیتا بیتا" میں 'شوخی نه کر' محذوف هے یا مقدر- اسی طرح "بهائی میرا" میں "اپنا کام کر" مقدر یا محذوف هے- اسی طرح "هاں جی" میں "جلدی کرو"—

اور اسماء افعال مرد کی زبان سے صادر هوتے هیں' اور 'اوئی' [اُوئی ؟] عورتوں کی زبان سے جس کے معنی هوتے هیں "تهرو" اور 'آیں' 'هیں' خواہ مرد کہے خواہ عورت' بمعنی "چپ رهو یه کیا اختلاط هے" یا "بس کرو یه کیا حرکت هے"- اور 'بهلا' بمعنی 'سمجھونگا' اور 'بهت خوب (اُسی معنی میں)' اور 'کہاں' بمعنی 'یہاں نه آنا' اور 'هوں' بمعنی چپ رهو-

— * —

چوبیسویں فصل

اسم صوت

صوت محض آواز کو کہتے ہیں جیسے 'تو' پودنہ کے لئے تاکہ وہ ہوشیار ہوجاے' کوے کی جورو' کویل کو بولنے کی تحریک ہے' بچے کویل کو یہ کہہ کر اُکساتے ہیں۔ 'آیں آیں' ماں باپ کو اپنے حال سے خبردار کرنے کے لئے بچوں کی آواز ہے۔ 'میں میاں' 'بری بری' 'دھت دھت' مہاوتوں کی آواز ہے —

[نوٹ' اس کے بعد مصنف نے ظرف کا ذکر کیا ہے' جیسے آگے (پہلے)' پیچھے (بعد میں)' جب' جوں (یہ اب متروک ہے)' جوہیں (جونہی یا جونہیں)' جبھی' جس وقت' جس گھڑی۔ یہ سب ظرف زماں ہیں]۔

— * —

پچیسویں فصل

اسماء تعظیمی

اسماء تعظیمی یہ ہیں' 'جان' عورتوں کے القاب کے ساتھ آتا ہے اعلام [ناموں] کے ساتھ نہیں کیونکہ "بیگمی جان آئی" کہتے ہیں [یہاں جان علم کے ساتھ مربوط ہوا ہے] اور اگر کوئی تعظیماً 'آئیں' کہے تو یہ اس کی تواضع ہے ورنہ فصحا کے روزمرہ کے خلاف ہے' جب

کہ 'اماں جان' 'انا جان' 'باجی جان' 'خالا جان'
'چچی جان' 'ممانی جان' 'پھپھی جان' میں تعظیماً
"آئیں" کہنا فصیح ہے اور "آئی" سے بہتر ہے - 'بی'
'یا' 'بی بی' جب تمام کے پہلے آے تو فعل جمع لانا
چاھئے جیسے 'بی بلّو آئیں' بی بی گلّا آئیں —

'جان' اور 'جی' مذکر میں بھی تعظیم کا فائدہ
دیتا ہے' جیسے' باوا جان' چچا جان' عمو جان' خالو جان'
پھپھا جان' بھائی جان' اور باوا جی' اخون جی'
استاد جی' میاں جی - "باوا جان" دوسرے مرکبوں کے
ساتھہ "آیا" وغیرہ فعل مفرد کا استعمال معیوب ہے'
بلکہ "آے" وغیرہ استعمال کرنا چاھئے —

اور 'صاحب' کا لفظ مذکر اور مونث دونوں میں
تعظیم کا فایدہ دیتا ہے اور اس کے ساتھہ فعل وغیرہ
سب جمع آتے ہیں مثلاً' باوا صاحب' بھائی صاحب'
اما صاحب' خالا صاحب' پھپھی صاحب' بیگم صاحب'
خانم صاحب آے' کہنا چاھئے' 'آیا' نہیں - اسی طرح
'بیگم صاحب آئی' کہنا درست نہیں 'آئیں' کہنا
چاھئے جو اُردو کا روز مرہ ہے —

میاں' قبلہ' سائیں؛ یہ فقیروں کے لقب ہیں- ان
کے ساتھہ بھی فعل جمع آتا ہے —

'اجی' مرد اور عورت کے لئے مشترک ہے - 'اجی اٹھو' کہنا صحیح ہے' اور 'اجی اُٹھہ' غلط - کیوں کہ اس میں تحقیر پائی جاتی ہے —

مذکر ہو یا مونث جب اس کے ساتھہ 'جان' یا 'جی' نہ ہو تو فعل تعظیمی جمع کے صیغہ میں نہ ہوگا' جیسے' اس کا باوا آیا' زید کا باپ آیا' عمرو کی ماں آئی' فلانے کی بہن آئی-[آج کل اُردو کا یہ روز مرہ نہیں' اب کہتے ہیں' زید کے والد جنت کو سدھارے' عمرو کے چچا اب اچھے ہیں' کہو بھئی اب بھابی کیسی ہیں' خالد کی ماں دھلی سے آگئیں' بھائی ابھی لکھنؤ نہیں گئے] —

لالہ' چچا' بھیا' بھائی فعل میں مشترک ہیں' 'لالہ آیا' اور 'لالہ آئے' دونوں یکساں ہیں -

باقی القاب 'لالہ' کے سے مثل میر' مرزا' شیخ' نواب' مولوی' ملا' میاں (لقب کی طور پر نہ بمعنی' 'والد' جیسا کہ بعض بیرونی استعمال کرتے ہیں) ' میراں مہاراج' رائے وغیرہ تعظیمی جمع فعل میں چاہتے ہیں' جیسے' شیخ ولی محمد آئے' نواب احترام الدولہ آئے - لیکن ولی محمد آیا' احترام الدولہ آیا' نہ کہ آئے * اور مولوی مبین آئے' میراں سید بڑے آئے - مہاراج

* آج کل کہیں گے' احترام الدولہ آئے' آسماں جاہ گئے -
(باقی بر صفحہ آئندہ)

آئے، رائے گمانی مل آئے —

دہقانی میر گھسیٹا اور میر مسیٹا کو میر گھسیٹے اور میر مسیٹے کہتے ہیں —

— * —

باب ششم

فعل

پہلی فصل

فعل ناقص

فعل لازم و متعدی فعل کی کئی قسمیں ہیں، ایک وہ جو صرف فاعل کو چاہے، اسے فعل لازم کہتے ہیں، جیسے، آیا زید - دوسرا وہ جو فاعل اور مفعول کو چاہے، اسے فعل متعدی کہتے ہیں، جیسے، مارا زید نے عمرو کو - ان کی تفصیل آگے آ چکی ہے —

فعل ناقص فعل ناقص وہ فعل ہے جس کا فاعل مبتدا سے وابستہ ہو اور اس کی خبر اسم فاعل

(بہ سلسلۂ گذشتہ)

یعنی السلطنہ حیدر آباد میں ہیں - آج کل بڑوں کی تعظیم کا احساس سید انشا کے زمانے کے مقابلہ میں شاید زیادہ ہو گیا ہے، مگر شکایت تو یہ سنی جاتی ہے کہ اب بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم وہ نہیں رہی جو پہلے تھی - یہ کچھ ہی ہو عہد حاضر کا روز مرہ یہی ہے - (مترجم)

یا مفعول یا اس کے مشابہ مثلاً صفت مشبہ وغیرہ ہو اور شاذ و نادر اسم جامد ہو ' افعال تام کا ذکر اور مثالیں پہلے کافی آ چکی ہیں جن کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں - لہذا افعال ناقص کا ذکر کیا جاتا ہے —

اردو میں چند لفظ ہیں جیسے ' تھا ' ہوا ' ہو گیا ' بنا ' واقع ہوا ' ٹھہرا ' مقرر ہوا ' ٹھہر گیا ' بن گیا ' مقرر ہو گیا ' نکلا ' اور نکل پڑا ' یہ افعال ناقصہ ہیں - مثال :— تھا زید بیٹھا ' ہوا زید ذلیل ' ہو گیا زید تباہ ' بنا زید سانگ ہولی کا ' واقع ہوا زید مسخرا ' ٹھہرا زید لڑکوں کا کھلونا ' مقرر ہوا زید یاروں کا بھڑوا ' ٹھہر گیا زید گانے سے ڈومڑا ' بن گیا زید بھانڈ ' مقرر ہو گیا زید بھانمتا ' نکلا زید شہدا ' نکل پڑا زید لچا - جامد کی مثال ' ہوا زید عمرو - یہ ہندی میں عربی کے لفظی ترجمے ہیں ورنہ ہندی میں فعل ناقص مبتدا اور خبر کے بعد آتا ہے ' مثال :- زید بیٹھا ہوا تھا ' زید ذلیل ہوا ' زید تباہ ہو گیا ' زید ہولی کا سانگ بنا ' زید مسخرا واقع ہوا ' زید لڑکوں کا کھلونا ٹھہرا ' زید یاروں کا بھڑوا مقرر ہوا ' زید گانے سے ڈومڑا ٹھہر گیا ' زید بھانڈ بن گیا ' زید بھانمتا مقرر ہوا ' زید شہدا نکلا ' زید لچا نکل پڑا —

ان کے سوا بھی افعال ناقصہ کا استعمال درست ہے لیکن طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا گیا - عرب کے نحویوں کی اصطلاح سے مجبوری ہے ورنہ راقم آثم کے نزدیک فعل متعدی اور جس کو 'حال' کی احتیاج ہو وہ بھی ناقص ہے کیونکہ تمام افعال متعدی مفعول بہ کے ذکر کے بغیر اور جملہ جو حال کا محتاج ہو حال کے ذکر کے بغیر تمام نہیں ہوتے —

فعل تام | فعل تام وہ ہے جس کا جملہ کسی چیز کا محتاج نہ ہو، جیسے 'آیا زید' جو فعل لازم ہے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ جب 'مارا زید نے' کہا جائے گا تو جب 'عمرو کو' نہ کہیں جملہ پورا نہ ہوگا، اس لیے 'مارا زید نے' فعل ناقص ہوا - اور 'اٹھا زید روتا ہوا' دیکھا میں نے زید کو ہنستا ہوا - پہلا جملہ بغیر 'روتا ہوا' کے اور دوسرا 'ہنستا ہوا' کے ناتمام رہتا ہے - جملہ ہندی میں 'بات' اور عربی میں 'کلام' ہے -

افعال مقاربت | افعال مقاربت امید وغیرہ کے اظہار کے لیے آتے ہیں، جیسے 'ایسا ہووے' یوں ہووے' اس طرح ہووے' دیکھیے' خدا جانے' کون جانتا ہے - شرط یہ ہے کہ اس جملہ فعلیہ میں جو ان فعلوں کے بعد مذکور ہوتا ہے' کان بیانیہ' ضرور آئے' مثال'

ایسا ہووے کہ زید آج آوے، یوں ہووے کہ عمرو کل گھر جاوے، اس طرح ہووے کہ بکر کو تپ دق ہو جاوے، دیکھیے کہ آج فیض آباد سے بہلیں آتی ہیں یا نہیں، خدا جانے کہ آج فیض آباد سے چھکڑے روپے کے آتے ہیں یا نہیں کون جانے کہ فیض آباد سے روپے کے چھکڑے کل آویں گے یا نہیں، کون جانتا ہے (کیا جانیے) کہ میوہ ولایت کا دلی میں آچکا یا نہیں - بعضے باہر والے 'کیا جانیے' کی جگہ 'کیا جانے' بولتے ہیں —

حرف نفی جو حرف تردید یعنی 'یا' کے بعد آتا ہے اردو کے روز مرہ کی رعایت سے ہے یا نسبت کے ثبوت کا کام دیتا ہے اور وہ حرف تردید یا حرف نفی کے بغیر بھی حاصل ہے —

افعال مدح و ذم افعال مدح و ذم یہ ہیں :- پڑھا، کھلا، کُھلا، مُوا، توتا، پھٹا، لٹا، چھکا، دھوا، چمکا، بکرا، کِھلا - یہ سب ماضی کے صیغے ہیں، ان میں سے بعضے مدح اور بعضے ذم کے مقام میں آتے ہیں - یہ چھہ مدح کے لئے ہیں :- پڑھا، کھلا، کُھلا، کِھلا، ہوا، چمکا - مثال، پڑھا آدمی ہے زید، کھلا آدمی ہے زید، کُھلا مکان ہے صحرا، دھوا [اب دھویا کہیں گے] کپڑا ہے بدن زید کا، چمکا ستارا ہے مکھڑا گُلنا کا، کھلا پھول ہے دھانا

بلو کا - ذم کے افعال بھی چھہ ھیں یعنی ' مُوا ' توتا ' پھٹا ' لتا ' چھکا ' بکرا - مثال :- مُوئی جوں ھے زید ' توتا حقہ ھے سر زید کا ' پھٹا دود ھے بدن عمرو کا ' لتا مغل ھے زید ' چھکا اونت ھے زید ' بکرا ھاتھی ھے زید —

ایسے ھی اور بہت سے الفاظ مدح اور ذم کے لئے ھیں ' جیسے ' پھلا پھولا ' مدح کے لئے اور ' سوجا پھولا ' ذم کے لئے ' مثال ' بھلا پھولا درخت زید ھے ' سوجا پھولا بیل عمرو ھے ' علیٰ ھذا القیاس —

بحث | بعضے اس قول کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ھیں کہ اس قسم کے الفاظ جو شکل میں ماضی جیسے دکھائی دیتے ھیں مدح اور ذم کے الفاظ نہیں کہے جا سکتے کیونکہ وہ اصل میں صفت مشبہ ھیں اور صفت مشبہ کو فعل نہیں کہتے بلکہ وہ اسم کی ایک قسم ھے ' اور اس طرح کے الفاظ ھر مادہ سے ' ھوا ' کے حذف کے بعد جو فعل ماضی میں صفت مشبہ کی علامت ھے پیدا ھو سکتے ھیں ' اس وجہ سے کہ ' چھکا ' کے معنی ھیں چھکا ھوا اور ' پڑھا ' کے معنی ھیں پڑھا ھوا ' ' کھلا ' کے معنی ھیں کھلا ھوا ' علیٰ ھذا القیاس - پس مدح اور ذم کے الفاظ سے وہ چند الفاظ مراد ھیں جو اوپر لکھے گئے نہ یہ کہ وہ صفت مشبہ کے صیغوں کی طرح جو فعل کے مشابہ ھے

بے شمار ھیں —

مختصر یہ کہ اس فرقہ کے نزدیک مدح اور ذم کے فعل چار سے زیادہ نہیں اور یہ ھیں' اچھا ' اور ' بھلا ' مدح کے لئے جیسے اچھا آدمی ھے زید' بھلا آدمی ھے زید- اور دو ذم کے لئے' 'برا' اور ' بھونڈا ' جیسے برا آدمی ھے زید ' بھونڈا آدمی ھے زید - جو اور لفظ ان لفظوں کے معنی اور آخر میں ان سے شباھت رکھتے ھوں وہ بھی ان میں داخل ھیں ' جیسے ' کھوٹا آدمی ھے زید - اس فرقہ کی راے فرقۂ اول الذکر کی نسبت صحت کے زیادہ قریب ھے کیونکہ ایسے الفاظ بے شمار نہیں بلکہ کم ھیں' چنانچہ عربی میں چار سے زیادہ نہیں یعنی' نعم' حبّذا ' بِئس' ساء - شاید لغت یا کتابوں میں ان کے سوا بھی الفاظ ملیں لیکن وہ ماضی کے صیغوں سے نکلے ھوے صفت مشبہ نہیں ھوں گے —

لیکن فرقۂ اول جو ان الفاظ پر معترض ھے اپنے دعوے کے ثبوت میں کہتا ھے کہ صفت مشبہ' ھوا ' کے بغیر ثابت نہیں ھوتی جیسے ' چوکا ھوا ' بغیر ' ھوا ' کے ماضی کا صیغہ ھے ' اور فعل میں حذف کے قاعدہ کا بیان اس مقام میں ضرور نہیں - اردو میں ان لفظوں کی کثرت کو عربی میں ان کی قلت سے مقابل کرنا بھی بیجا بحث ھے اور اچھا ' بھلا ' برا ' بھونڈا ' کو جو مدح اور ذم

کے لئے اسماے موضوعہ ھیں افعال قرار دینا محض تکلف ھے - 'بھلا' کب ماضی کا صیغہ تھا اور کون اردو داں اس کو ماضی سمجھتا ھے' یہی حال 'اچھا' 'برا' اور 'بھونڈا' کا ھے' جب کہ 'چمکا' 'کھلا' دونوں ماضی کے صیغے ھیں' مثال' آج اور ھی ستارا چمکا' آج نیا پھول کِھلا - اگرچہ بادی‌النظر میں یہ اعتراض مضبوط معلوم ھوتا ھے لیکن اھل تحقیق کے نزدیک بہت کمزور ھے کیونکہ 'نعم' 'حبذا' 'بِئس' اور 'ساء' بھی اسم سے جداگانہ جو مدح اور ذم سے مخصوص ھو استعمال میں نہیں آتے جیسے نعم‌الرجل زید' 'نعم فعل 'رجل' فاعل زید مخصوص بالمدح' اسی طرح باقی کے الفاظ - اور مدح یا ذم سے مخصوص اسم کے بغیر ان کا استعمال ماضی ھونے کی قید سے ان الفاظ کو آزاد نہیں کرتا - اور جب کہ یہ چاروں لفظ عربی میں ھرگز ماضی کے صیغے میں یا اس کی مثل مستعمل نہیں ھیں اور اگر فعل ماضی قبول کرلیا جاے تو 'بھلا' 'اچھا' 'برا' 'بھونڈا' نے کیا قصور کیا ھے کہ ان کو اردو میں صیغہ ماضی نہ کہیں کیونکہ 'الف' جو ان کلموں کے آخر میں ھے صیغہ ماضی کی علامت ھے بلکہ یہ الفاظ عربی کے مذکورہ چار الفاظ کی نسبت ماضی کہلانے کے زیادہ مستحق ھیں اس وجہ

سے کہ عربی میں ابواب ثلاثی مجرد میں صیغۂ ماضی معروف کا اول حرف مفتوح ہوا کرتا ہے اور 'نعم' میں اس کے خلاف ہے اگرچہ یہ لفظ اصل نعم (نون مفتوح اور عین مکسور) تھا، لیکن استدلال مشہور اور مستعمل سے ہوا کرتا ہے۔ اور اردو میں یہ قیدیں عاید نہیں ہوتیں۔ اور اردو میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماضی کا اول حرف مفتوح ہو یا مضموم یا مکسور ہو، اس لئے 'ہوا' کے وزن کے برابر ماضی کا صیغہ بغیر نقل کے ہے اور 'نعم' نقل ہے، اور اصیل لفظ کی ترجیح غیر اصیل لفظ پر جو نقل سے حاصل ہوا ہو ظاہر ہے بحث کی محتاج نہیں —

افعال قلوب دوسرے افعال قلوب ہیں یہ ہمیشہ دو مفعول کو چاہتے ہیں، جیسے 'جانا میں نے زید کو فاضل، پہچانا میں نے زید کو غنی (یا عاقل)' سمجھا میں نے زید کو احمق، دریافت کیا میں نے زید کو چھچھورا، معلوم کیا میں نے زید کو بیوقوف، پایا میں نے زید کو ناآشنا۔ اور دوسرے افعال جن سے یہ معنی پیدا ہوں —

دوسری فصل

اُن حروف کا بیان جن کے بغیر اکثر موضوعوں میں کلام کا ربط ناممکن ہے

اردو کے طالبوں پر واضح ہو کہ حرف اصل میں وہی حرف ہیں جن کا ذکر کتاب کے شروع میں آ چکا ہے ' لیکن نحویوں کی اصطلاح میں اس چیز سے عبارت ہے جس سے کلام کا ربط درست ہو - بعض کلام اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے ' زید آیا ' عمرو گیا '- لیکن متکلم کو ان کی ضرورت اکثر ہوا کرتی ہے-

سے | اُن میں سے ایک حرف 'سے' (یاء مجہول) ہے ' مثال' ہم سے آپ کیوں خفا ہیں - یہ لفظ تو فصحا بولتے ہیں ' غیر فصیح اس کو کئی شکلیں دیتے ہیں :-

ہندو 'سیں' (سین مفتوح نون غنہ) بولتے ہیں اور سیں (سین مکسور نون غنہ) وہ لوگ بھی اور بعضے مسلمان بھی بولتے ہیں —

'سوں' (وزن چوں) سادات بارھہ کی اولاد وغیرہ کی زبان ہے —

'ستی' (سین مکسور یاء معروف اور 'سیتی' (یاء اول مجہول) اردو کے متقدمین کی زبان ہے —

میں | میں (یاء مجہول نون غنہ) فصحا کی زبان ہے —

'میں' (میم مفتوح) اسی ظرفیت کے معنی میں ہندو بولتے ہیں —

'موں' (واو مجہول) شہر کے قدیموں کی زبان ہے -

پر | 'پر' جیسے 'میں گھوڑے پر خوب چڑھتا ہوں' بعض فصحا اس پر الف اور واؤ معروف بڑھا کر اُوپر بولتے ہیں بعضے واو کو الف میں غایب کر کے 'اُپر' (وزن ہنر) تلفظ کرتے ہیں اور شعر میں باندھتے ہیں 'ان کی گردن پر فصاحت کا خون ثابت ہے —

'پر' لیکن کے معنی میں بھی آتا ہے . مثال میں آپ کے گھر چلتا ہوں پر ایک شرط سے کہ بتکلف پیش نہ آؤ - مُل (میم مضموم) بھی یہی معنی دیتا ہے - [مُل اس معنی میں مدت ہوئی اردو سے خارج ہے] -

تک | ' تک ' (بالفتحہ) انتہا کے لئے آتا ہے ' 'تلک' (لام کی زیادتی سے) بھی اسی معنی میں آتا ہے-

یہ دونوں لفظ فصحا کی زبان پر جاری ہیں —

' لگ' غیر فصیح ہے' ' تلگ ' بھی بعضے بولتے ہیں جو غیر فصیح ہے-

حروف ایجاب | حروف ایجاب یہ ہیں :- ہاں ' کیوں ' ہوں ' کیا ہے ' نہیں کیوں ' کیوں نہیں ' کس واسطے نہیں' ٹھیک' ہاں جی' جی' جی صاحب 'جی ہاں-

'ہاں' ندا کے جواب میں کہا جاتا ہے اگر ندا کرنے

والا منادی کا همسر اور هم رتبه هو —

' هوں ' ' هاں ' کی مثل هے –

' کیوں ' ' کیا هے ' بهی منادی کا جواب هے اگر وہ رتبه میں کم هو —

' نهیں کیوں ' ' کیوں نهیں ' عربی کے ' بلے ' کے قایم مقام هیں ' اگر کوئی کسی سے کہے :— کیا میں تمهارا دوست اور غمخوار نهیں هوں تو جواب میں کہنا چاهئے " کیوں نهیں " یا " نهیں کیوں " یعنی ' تم هو ' اگر اُس کی جگه اس شخص کے دل میں هو —

' کسواسطے نهیں ' ' نهیں کس واسطے ' ' کس لئے نهیں ' ' نهیں کس لئے ' ' کیونکر نهیں ' ' نهیں کیونکر ' ' کس طرح نهیں ' ' نهیں کس طرح ' ' کس طرح سے نهیں ' ' نهیں کس طرح سے ' اور جواں کے مرادف هوں یا وهی مطلب رکهتے هوں جیسے ' یه کیا بات هے ' یه سب " نهیں کیوں " کی طرح طرف ثانی کے کلام سے نفی کا رد کرتے هیں - اور ' کس واسطے ' بغیر ' نهیں ' کے بهی حرف نفی هے اور ' کس واسطے نهیں " کا قایم مقام هے —

' ٹهیک ' دوسرے موضوع کی تصدیق کرتا هے ' مثال ' " جو نجیب زادہ هوگا وہ ماں باپ کا ادب کرے گا " یه قایل کا کلام هے ' سامع اس کا جواب دیتا هے " ٹهیک " -

یعنی تم سچ کہتے ہو —

' ہاں جی ' ندا کرنے والے کو جواب ہے جو منادی سے رتبہ میں بڑا ہے —

' ہاں جی ہاں '' ہاں ہاں ' ' ہوں ہوں '' آں ' ' اُوں ' (یہ سب نون غنہ کے ساتھہ) ' آرے ' اور ' بلے ' کے معنی رکھتے ہیں - اور فقط ' ہاں ' ہوں ' ہاں جی ' بھی اسی معنی میں بولتے ہیں —

' جی ' ' جی صاحب ' بھی سامع کی طرف سے اس سے بڑے رتبہ والے کو جواب ہے —

' جی ہاں ' تصدیق کے لئے نہایت مجبوری کی حالت میں تکلف کے ساتھہ آتا ہے —

' بیچ ' ظرفیت کے لئے آتا ہے ' لیکن فصحا اس سے پہلے ' کے ' (یاء مجہول) ضرور لاتے ہیں ' جیسے ' چمن کے بیچ - اگرچہ " چمن بیچ " بھی شہر کی زبان ہے لیکن زیادہ فصیح وہی ہے - اور '' چمن میں ' دونوں سے بہتر ہے - اور شہر کے بعض رہنے والے " چمن کے بیچ میں " بھی بول جاتے ہیں ' یہ بہت ہی قبیح ہے - " گھر بیچ میں " بھی دہلی کے ہندؤں کی زبان ہے —

' کاہے کو ' ' کیوں ' ' کس سبب سے ' ' کس جہت سے ' ' کسواسطے ' ' کسلئے ' فارسی کے ' چوں ' و ' ' چرا ' کے معنی

دیتے ھیں - ان میں سے ' کیوں ' اور ' کس واسطے ' زیادہ فصیح ھیں - ' کاھیکو ' اور دوسرے الفاظ بھی فصیح ھیں - ' جوں ' (واؤ مجہول نون غنہ) اس معنی میں اکثر آبادی ھندؤں اور شہر کے بعض پاجیوں کی زبان ھے —

' سا ' حرف تشبیہہ ھے ' مثال ' چنار سا بڑا درخت ھندوستان میں کوئی نہیں - مفرد کے لئے ' سا ' جمع کے لئے ' سے ' (یاء مجہول) آتا ھے ' مثال ' چنار سے درخت ھندوستان میں ھزاروں ھیں - مونث کے لئے ' سی ' (یاء معروف) آتا ھے ' مثال ' گلناسی پری اندر کے اکھاڑے میں ایک بھی نہیں - جمع مونث کے لئے بھی ' سی ' زیادہ فصیح ھے ' ' سیاں ' بھی بولتے ھیں ' مثال ' بلو یا مغلو سی ' یا ' بلو یا مغلو سیاں پریاں اندر کے اکھاڑے میں کسی نے دیکھی ھیں - ' سا ' غیر ذوی العقول کے آخر کے الف کو یاء مجہول سے بدل دیتا ھے ' مثال ' خربوزے سا لذیذ میوہ میرے نزدیک دوسرا نہیں - خربوزہ ھندی کے قاعدے کے موافق خربوزا ھوا ' جب حرف تشبیہہ اُس سے آکر ملا تو ' الف ' یاء مجہول سے بدل گیا - اور جس جگہ الف ' قایم رھتا ھے وھاں مشبہ اور مشبہ بہ کی صورت ھوگی ' مثال ' وہ بوٹا سا قد کیا جانے کہ کیا قیامت برپا کرے گا - یعنی وہ قد کہ ایک بوٹا ھے کیا

جانے کہ کیا قیامت برپا کریگا ' قد مشبہ یعنی جس کو تشبیہہ دی گئی ' بوتا مشبہ بہ یعنی جس سے تشبیہ دی گئی - مشبہ اور مشبہ بہ کی بحث فن بیان میں مفصل آئیگی ' یہاں بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ شعرا جو یار کے رخسارے کو سورج ' چاند ' پھول ' آئینہ اور مصحف کے برابر کہتے ھیں ' اس میں رخسارہ مشبہ ھے اور سورج وغیرہ مشبہ بہ ھیں —

یہ بھی قاعدہ ھے کہ مشبہ سے مشبہ بہ کئی درجہ اعلیٰ اور بہتر تلاش کیا جاتا ھے ' اس صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ کا تقابل مشبہ کے کہ علوئے مرتبہ کا باعث ھوتا ھے اس سبب سے اردو کے بلیغ اصحاب کے نزدیک حرف تشبیہہ کا عمل یعنی آخر لفظ کے ' الف کو یاء مجہول سے بدلنا واھیات ھے کیونکہ ' سا ' اس کی اجازت نہیں دیتا اس وجہ سے کہ وہ حرف تشبیہہ ھے اور وہ دونوں لفظوں [بوتا اور قد] کے درمیاں حرف تشبیہہ واقع ھوا ھے ' بلکہ ایک دوسرے کی مانند سمجھا جاتا ھے —

' جیسا ' مفرد مذکر کے لئے ' ' دیسے ' ' جمع مذکر کے لئے - ' جیسی ' (یاء معروف) مفرد مونث کے لئے اور ' جیسیاں ' جمع مونث کے لئے ' سا ' حرف تشبیہہ کی مثل آتے ھیں - مثال ' تیرے قد جیسا ایک بوتا باغ میں نہیں ' باقی

کو بھی اس پر قیاس کرلیا جائے -

'ایسا'، 'ویسا'، 'کیسا' - مغل پورہ والے 'ایسا' کو 'اس سا'، اور 'اس جیسا'، کہتے ہیں یہ بھی اُردو دانوں کے نزدیک فصیح اور صحیح ہے - 'ویسا' کو 'اوس سا' بولتے ہیں یہ اُردو نہیں پنجاب کا لفظ ہے —

'گویا'، 'کاش'، 'شاید' 'اگر' - یہ بالترتیب حروف تشبیہہ وتمنی و ترجی [امید، توقع رکھنا] و شرط ہیں - اور فارسی ہیں - 'اگر' - کا یہ حال ہے کہ کبھی تو وہ استعمال کیا جاتاہے اور 'کبھی جو' مثال جو' (یا' اگر) تم ہمیں دوست رکھوگے تو ہم بھی تمہیں دوست رکھیں گے - باقی کے تینوں حرف اردو میں اسی طرح اور اسی محل پر استعمال ہوتے ہیں جس طرح فارسی میں - ان کے مقابل حروف اُردو میں نہیں ہیں - مگر اہل دارالخلافہ نے 'شاید' کی جگہ 'چاہئے' تراشا ہے - مثال بڑے بھائی بھی چاہئے کہ شام تک آویں - لیکن 'شاید' اکثر استعمال ہوتا ہے -

'گویا' اور 'کاش' اردو میں مثل فارسی کے استعمال ہوتے ہیں 'کہے دو' - اور 'تو کہے' جو 'تو گوئی' اور 'گوئی'، تو کا ترجمہ ہے میر محمد تقی میر کی ایجاد ہے' یہ اُردو لفظ نہیں' شعر میں میر [صاحب] کی تقلید اور تتبع میں باندھ سکتے ہیں' روز مرہ

میں داخل نہیں —

' چوں ' (واؤ مجہول) حرف تشبیہہ ہے - بمعنی گویا ہو سکتا ہے لیکن ' گویا ' کی جگہ اس کا استعمال صاحبان اردو کے نزدیک ثابت نہیں بلکہ حرف تشبیہہ کے معنی میں بھی شاہ جہان آباد میں مستعمل نہیں ' ریختہ گویوں نے زبر دستی اس کو اردو بنا لیا ہے - لیکن بولتا اس کو کوئی نہیں ' ممکن ہے اردو ہو —

اور بعضوں کے نزدیک ' جیسے ' ' گویا ' کا مرادف ہے ' مثال ' فلانا ایسا غراتا ہے جیسے شیر — لیکن سمجھدار اس کو بھی ایک حرف تشبیہہ جانتے ہیں - اگرچہ ' گویا ' بھی اسی قبیل سے ہے لیکن استعمال کے موقع جدا جدا ہیں — فارسی میں جہاں ' چوں ' استعمال ہوگا وہاں ' گویا ' نہیں کھپ سکیگا - اور جو [اردو کا لفظ] ' چوں ' کا مرادف ہو وہ 'چوں' کا قایم مقام ہے-مثلاً یہ جو جملہ ہے- فلانے چوں شیر ژیاں می غرد ' اس میں ' بسان شیر ژیاں ' برنگ شیر ژیاں ' مثل شیر ژیاں ' شیر ژیاں آسا ' شیر ژیاں وار ' بھی بجاے ' چوں ' شیر ژیاں آسکتا ہے ' بخلاف اس کے کہ ' فلانے گویا شیر ژیاں می غرد ' یا ' فلانے پنداری شیر ژیاں می غرد — اور اس عبارت میں :— " از پردہ بر انداختن فلانے خانۂ تاریک جگر سوختگاں روشن می

شود گویا رویش شمع فروزاں است " 'گویا' 'گویا' کو حرف تشبیہہ بتانا بیجا ہے - 'اگر گویا' کی جگہ 'چوں' رکھدیں اور کہیں - رویش چوں شمع فروزان است' تو مطلب خبط ہو جائے گا - دوسرا فقرہ [جس میں چوں داخل ہے] شروع میں 'کاف بیانی مانگتا ہے تاکہ مطلب پورا ہو - پس اس سے ثابت ہے کہ 'گویا کے استعمال کا محل تشبیہہ کا مقام نہیں - اور بعضے فصیح گویا کے بدلے کوئی جانے کہتے ہیں اور بعضے کوئی کہے - مثال آپ تو ہم سے اس قدر اکڑتے ہیں کہ جس کا ٹھکانا نہیں کوئی جانے ہم تمہارے زرخرید غلام ہیں - یا کوئی کہے ہم تمہارے زرخرید غلام ہیں - اس عبارت میں کوئی جانے کی جگہ حرف تشبیہہ کا استعمال مفسد عبارت ہے' تم بھی مجھ سے اتنا اکڑتے ہو کہ جس کا حساب نہیں تمہارے باپ کا غلام جیسا (یا 'غلام سا) ہوں - اور بعض جاہل لوگ کوئی جانے کی جگہ 'جانو اور جانئیے بولتے ہیں - مختصر یہ کہ کوئی جانے شہر کے فصحا کی زبان ہے اور اہل اردو کی زبان پر جاری ہے* - لیکن چونکہ فارسی

* گویا' گوئیا - توگوئی فارسی کلموں کا مرادف ہندی کا ایک چھوٹا اور سہانا لفظ 'مانو (واؤ مجہول) ہے جو ہمیں اسی محل پر بولتے ہیں 'جہاں 'گویا استعمال ہوتا ہے' کیوں نہ اسے اردو میں لیا جاے مانتا اور جانتا میں جو فرق ہے ظاہر ہے - نفس معنی کے اعتبار سے بلا تمام اردو کلموں کے 'مانو گویا کے قریب ترین ہے (مترجم)-

میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے "کسے پنداردی" بعضے ہندوستان زایوں نے جو ایک حرف کو نہیں جانتے اسی 'گویا' 'ہو بہو' اور 'بعینہ' کو گفتگو میں داخل کر لیا ہے —

'گویا' بیان کی مشابہت کے لیے آتا ہے ' جیسے ' زید ایسا غصہ سے چلا آتا ہے گویا کہ شیر چلا آتا ہے ' یعنی سر ' کلہ ' ہاتھ ' بازو ' گردن ' شانہ ' زور اور شجاعت میں شیر سے بہت ملتا ہے لیکن آدمی ہے شیر نہیں ہے —

'ہو بہو' دو چیزوں کے بالکل یکساں ہونے پر دلالت کرتا ہے ' مثال ' زید بھی ہو بہو شیر ہے ' یعنی آدمی نہیں شیر ہے نہ یہ کہ شیر کی مانند ہے —

'بعینہ' ہو بہو کا مترادف ہے ' اس پر بعضوں کا یہ اعتراض ہے کہ لفظ میں ترکیب معتبر نہیں ' کیونکہ جب لفظ کا جزو معنی کے جزو پر دلالت کرے اور وہ ترکیبی معنی ایک معنی میں منتقل نہ ہوں تو لفظ اور معنی میں ترکیب معتبر ہے ' اور جب ایسا نہ ہو بلکہ ترکیبی معنی بہ هئیت مجموعی ایک معنی کے قایم مقام ہوں تو ترکیب لفظی و معنوی دونوں غیر معتبر ہو جائیں گی ' جیسے '' کوئی جانے ' بمعنی ' گویا ' اور اگر ترکیب لفظی باوجود اس علت کے بھی فصیح

اور بلیغ لوگوں کے نزدیک مستند ہے تو لفظ 'ہو بہو' جو دو اسموں یعنی منفصل غایب کی دو ضمیروں سے مرکب ہے حروف میں داخل نہیں ہو سکتا - یہی حال 'بعینہٖ' کا ہے —

اوپر طرفین کی بحث تمام ہوئی ' اب میں کہتا ہوں کہ 'ہو بہو' اور 'بعینہٖ' اپنے موقعوں پر استعمال ہوتے ہیں اور 'گویا' کے مترادف نہیں ہیں - یہ دونوں لفظ وہ لوگ بولتے ہیں جو عربی سے خوب واقف ہیں یا علما کی صحبت میں بیٹھتے اٹھتے ہیں ' ورنہ اردو میں 'ھُوَ ھُوَ' کی جگہ 'ہو بہو' ہو بر ہو' ہر شخص کی زبان پر ہے ' اور 'گویا' اردو کے فصیحوں کا لفظ ہے ' اور 'گویا' کی جگہ 'کوئی جانے' استعمال میں نسبتاً کم آتا ہے ' اس کے استعمال کرنے والے بھی فصیح آدمی ہیں —

'کاش' کی جگہ کوئی لفظ اردو میں سننے میں نہیں آیا مگر بندیل کھنڈ میں اس مقام پر ایک لفظ 'کجات' مستعمل ہے ' لیکن ہم کو بندیل کھنڈ کے لغت سے کیا واسطہ ؟ یہ دھلی والوں کا لفظ نہیں ہے ' ان کے ہاں 'کاش' ہی مشہور ہے ' مثال ' لکھنؤ کی رنڈیاں جوانوں پر غش کرتی ہیں کیا ہوتا جو ہم بھی جوان ہوتے - یعنی کاش ہم بھی جوان ہوتے —

'کون' 'کس' 'کی' 'کنھوں' 'کونسا' یہ پانچ لفظ استفہام کے لیے آتے ھیں، لیکن 'کون' ذوی العقول مفرد کے سوال کے لیے حرف ربط 'ھے' کے ساتھہ آتا ھے اور جمع میں 'ھیں' کے ساتھہ، مثال یہ عزیز کون ھے؟ یا ' یہ تینوں صاحب کون ھیں؟ یہ کہنا کہ ' یہ خربوزہ کون ھے ' غلط ھے - فعل لازم کے فاعل کی حالت میں فعل کے بعد 'ھے' اور 'ھیں' لاتے ھیں' مثال کون آیا ھے؟ اور ' کون آئے ھیں؟ اور اسی طرح مضارع میں مثال 'کون آتا ھے' کون آے ھیں' - مستقبل میں 'گا' 'گے' بجائے 'ھے' اور 'ھیں' کے آتا ھے' جیسے' کون آوے گا' کون آویں گے - جب سوال فعل متعدی کے فاعل سے ھو تو ماضی کے خلاف حال اور مستقبل میں یہ لفظ آتا ھے۔ مثال حال' اس لڑکے کو کون مارتا ھے' یا ' اس لڑکے کو کون (یا کون لوگ) مارتے ھیں' - مثال مستقبل' اس لڑکے کو کون مارے گا' اس لڑکے کو کون (یا کون لوگ) ماریں گے' - جمع میں 'کون' سے ' کون لوگ' زیادہ فصیح ھے —

ماضی میں یہ کہنا کہ اس لڑکے کو کون مارا ھے' غلط ھے - اور کون نے مارا ھے' بھی غلط ھے - اول لفظ کی غلطی اس وجہ سے ثابت ھے کہ فعل متعدی کی

ماضی میں 'نے' فاعل کی علامت ہے جو فوراً ہی فاعل کے بعد آتی ہے، جیسے 'زید نے مارا عمرو کو - پس 'کون مارا ہے' غلط ہے - اور 'کون نے مارا ہے' اس لیے غلط ہے کہ یہ اردو کا محاورہ نہیں - اس مقام پر 'کس نے مارا ہے' بولتے ہیں - اگر کوئی غیر ذوی العقول کے لیے 'کون' کے استعمال کے حق میں حجت کرے اور کہے "یہ کتاب کون کتاب ہے" - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زبان اُن گنواروں کی ہے جنھوں نے ابھی اردو شروع کی ہے * --

'کس' بھی سوال کے لیے آتا ہے جب کہ ذوی العقول مفرد سے مراد ہو لیکن شرط یہ ہے کہ فعل ماضی متعدی کے فاعل کی نسبت سوال ہو، مثال، اس لڑکے کو کس نے مارا ہے - اور ظاہر ہے کہ فعل لازم میں 'کس' مستعمل نہیں ہوتا، کیونکہ یوں کہنا کہ 'کس آیا ہے، کس آتا ہے، کس آویگا' یہ کسی کی زبان نہیں - اور اسی طرح فعل متعدی یا حال یا مستقبل میں بھی اس کا عدم استعمال دلیل کا محتاج نہیں، کیونکہ 'کس مارتا ہے، کس مارے گا، کس نے مارتا ہے'

---

* دهلی میں غیر ذوالعقول کے لیے 'کون' کے بعد 'سا' اور 'سی' بڑھا دیتے ہیں، مثال 'یہ کونسا رسالہ ہے' یہ کون سی کتاب ہے - (مترجم)

کس نے مارے گا' کبھی کسی کی زبان سے سنا نہیں گیا - اگر سوال مفعول کی ذات سے ہو تو 'کس' کا استعمال تینوں فعلوں میں درست ہے کیونکہ فاعل دوسرا شخص ہے جیسے' زید نے کس کو مارا' زید کس کو مارتا ہے' زید کس کو مارے گا - مضاف الیہ کی نسبت سوال ہو تو بھی 'کس' کا استعمال صحیح ہے' مثال' زید کس کا بیٹا ہے - اور حرف کے ساتھ 'کس' سوال میں درست ہے جب فعل ماضی یا مضارع ہو' مثال' زید کس سے لڑا ہے' زید کس سے لڑتا ہے' زید کس سے لڑے گا -

الفاظ مذکورہ میں موںث کا حال بھی مذکر کا سا ہے' یعنی جس جگہہ مذکر آیا ہے اگر اس کے صیغہ کی رعایت کے ساتھہ مونث لائیں تو بھی صحیح ہوگا -

اکیلا 'کس' غیر ذوی العقول کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں' اور اگر ایک اور لفظ اس کے بعد ہی لے آئیں تو پھر وہی صورت ہوجاے گی جو ذوی العقول کی حالت میں تھی' مثال' کس 'لکڑی' سے میں اس لڑکے کو ماروں' کس 'چیز' سے میں اسے ڈراؤں' کس 'مصیبت' سے میں نے اسے پرورش کیا ہے' کس 'ڈھب' سے میں نے اس وحشی کو رام کیا ہے -

'کن' 'کس' کے معنی میں اس وقت بولتے ھیں جب سوال میں فعل متعدی کی ماضی کے فاعل کا سوال ہو' مثال' عمرو کو کن نے مارا ھے' یعنی کس نے مارا ھے- [یہ 'کن نے' اور 'اُفنے' (بجاے 'اس نے') اب متروک ھیں] —

'کن' ('کس' کی جمع) جمع کے لئے آتا ھے جب سوال کا مطلب مفعول یا اضافت سے ھو یا لفظ حرف سے وابستہ ھو' مثال' جناب عالی نے آج کن کو خلعت دیے' یعنی کن لوگوں کو' کوئی کیا جانے یہ کن کا باعث ھے کہ ھم یہ تیری باتیں سنتے ھیں اور دم نہیں مارتے (یعنی کن صاحبوں یا لوگوں کا) ' کن سے شکوہ کیجئے زمانے کا بخدا کہ جو اپنے دوست جانی ھوں وہ بھی ان دنوں ھمارے لہو کے پیاسے ھیں —

'کن' ذوی العقول اور غیر ذوی العقول میں مشترک ھے' اور 'کس' محض ذوی العقول کے لئے آتا ھے لیکن ایک ضمیمہ کے لفظ کے ساتھہ اور مکرر مذکور ھوکر' مثال' کن کن چیزوں سے دنیا میں وہ کے پرھیز کیجئے' تیری کن کن باتوں کا گلا لے بیٹھیے- [یہی صورت 'کس کی ھے مثال' کس کس بات کا رونا روئیں وہ تو مارے اور رونے نہ دے] —

'کنھوں'، ذوی العقول کی جمع سے مخصوص ہے، فاعل کی مثال، مغلوں کی جو آپ ہجو کرتے ہیں یہ فرمائیے ہندوستان کو ان کے سوا کنھوں نے سر کیا ہے، شیخوں نے تلوار ماری ہے یا اور قوم نے۔ حرف کی مثال، تم مغلوں سے توقع کس بات کی نہیں رکھتے ہو تو کنھوں سے رکھتے ہو۔ دراصل یہ لفظ پنجابی ہے اردو کے اکثر فصحا اس سے پرہیز کرتے ہیں اور اس کی جگہہ 'کن' اور 'کس' استعمال کرتے ہیں، مثال فاعل، مغلوں کی جو آپ اس قدر ہجو کرتے ہیں یہ فرمائیے کہ ہندوستان کو ان کے سوا کن نے سر کیا ہے (یا 'کس نے سر کیا ہے)۔

'کون سا' یہ لفظ غیر ذوی العقول سے خصوصیت رکھتا ہے مگر ایک اور لفظ اس کے ساتھہ ملایا جائے تو ذوی العقول کے لئے بھی آتا ہے، مثال، کونسا شخص (یا، آدمی) ہے کہ آپ کی ذات سے کامیاب نہیں، کونسی چیز روے زمین پر ہے کہ نواب یمین الدولہ کی سرکار عالی میں موجود نہیں حق تعالی ہمیشہ تا قیام قیامت اس گھر کی دولت کو روز افزوں رکھے۔ دوسرے لفظ کے پیوند کے بغیر ذوی العقول کے لئے اس کا استعمال درست نہیں، اور غیر ذوی العقول کے لئے اس کا اس طرح استعمال ٹھیک ہے، جیسے، یہ کونسا مینڈھا ہے، یہ کونسا مرقع تصاویر

ہے - 'ہے' حرف رابط ہے' اور اس کی جمع 'ہیں' یہ مذکر اور مونث دونوں کے لئے آتے ہیں —

'ہیگا' یہ لفظ بھی 'ہے' کا مرادف ہے اور اردو ہے لیکن فصحا اسے استعمال نہیں کرتے، اس کی جمع 'ہینگے' اور مونث کے لئے مفرد و جمع 'ہیگی' (یاء معروف) اور 'ہینگی' (یاء معروف) - بعضے 'ہینگیاں' بھی فرماتے ہیں مگر یہ مغل پورہ کے حضرات کی زبان ہے —

'کوئی' بمعنی تنکیر چیز اور انسان دونوں کے لئے آتا ہے' مثال' گھر میں کوئی نہیں' ٹوکری میں تو کوئی نہیں' یعنی کوئی خربوزہ نہیں * اسم جنس، کی صورت میں صیغۂ واحد میں بھی مستعمل ہے' جیسے' کوئی خربوزہ یا کوئی تربوز ہمیں بھی دو - اور 'ہرگز' کے معنی میں بھی آتا ہے' مثال' میں کوئی نہ جاؤں گا (یعنی ہرگز نہ جاؤں گا)' لیکن یہ فصیحوں کی زبان نہیں —

حرف عطف | حروف عطف بہت ہیں —
'اور' عور کے وزن پر ہے لیکن کبھی

---

* یہ دونوں مثالیں جو فاضل مصنف نے دیں آپس میں امتیاز رکھتی ہیں' پہلی میں جملہ تام ہے' دوسرا جملہ محض اس امر کا جواب ہے :- ٹوکری میں سے دو خربوزے اٹھالاؤ - چنانچہ مصنف کو خود تشریح کرنی پڑی " یعنی کوئی خربوزہ نہیں " - مختصر یہ کہ اس کا حال بھی 'کس' کا سا ہے - (مترجم) -

'واؤ' 'الف' میں غایب ہو جاتا ہے [اُر - رہ جاتا ہے]
مثال :- مصرع ' تم اور ہم بہم یار جانی ہیں دونوں۔
اس کا حذف کر دینا بھی درست ہے ' مثال :—

سیر کو کرتھی کی بی بی پور روانہ ہو گئیں
دامڑی سلدری الٰہی بخش رتھہ میں بیٹھہ کر

یعنی دامڑی اور سلدری اور الٰہی بخش - یہاں حرف عطف کا حذف اور ضرورت شعری کی بنا پر نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ نثر میں بھی جائز ہے' مثال' گنا' بنو' مغلو' چبلا' چاروں حضور میں مجرا کرنے گئیں ہیں - یعنی گنا اور بنو اور مغلو اور چبلا —

'کیا' جو حرف استفہام اور غیر ذوی العقول کے لئے مخصوص ہے 'اور' کی جگہ استعمال ہوتا ہے' مثال' گنا کیا مغلو کیا بنو کیا چبلا کیا حسینی کیا الفو سب حضور میں گئیں ہیں [ایک 'کیا' کتابت میں رہ گیا۔ اب بولتے ہیں 'گئی ہیں'] —

'ہوا' 'ہوے' (مفرد اور جمع مذکر)' 'ہوئی' 'ہوئیں' (مفرد اور جمع مونث) بھی 'اور' کے قایم مقام آتے ہیں' مثال مفرد مونث' گنا ہوئی بنو ہوئی مغلو ہوئی یہ سب رنڈیاں حضور میں ہیں' یعنی گنا اور بنو وغیرہ - مثال جمع مونث ' ڈومنیاں ہوئیں

کلچھیاں ہوئیں رام جنھاں ہوئیں سب آپس میں ایک ہیں گھونگھرو کی باندھنے والیاں وہ بھی یہ بھی- یعنی ڈومنیاں اور کلچنیاں اور رام جنیاں- مذکر کو مونث پر قیاس کیا جاے —

'یا' تردید کے لئے آتا ہے' مثال' یہاں تم بیٹھو یا میں بیٹھوں - یعنی اگر تم بیٹھو تو میں چلا جاؤں' اور اگر میں بیٹھوں تو تم چلے جاؤ' نہ دونوں چلے جائیں نہ دونوں بیٹھیں —

'کہ' بھی 'یا' کے معنی دیتا ہے' مثال' تم کل آؤگے کہ پرسوں' یہاں تم بیٹھو کہ میں - [متقدمین 'یا' اور 'کہ' کی جگہ ان دونوں کو ملا کر 'یا کہ' باندھ جاتے تھے' یہ مرکب اب متروک ہے]—

'نہیں تو' یہ بھی تردید کے معنی دیتا ہے' مثال' فلانا میر جعفر کا بیٹا نہیں تو میر بدیع الزماں کا بیٹا ہے' یعنی یا میر جعفر کا بیٹا ہے یا میر بدیع الزماں کا * —

* یہ اصل میں ایک جملہ شرطیہ سے ماخوذ ہے' ایک جملہ شرطیہ ہے' اگر محنت' نہیں' کروگے' تو' امتحان میں فیل ہو جاوگے- اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں' محنت کرو' نہیں تو' امتحان میں فیل ہو جاوگے' نہیں تو' فارسی کے' ورنہ' کا مترادف ہے — (مترجم)

'ذیا' یہ بھی اسی معنی میں آتا ہے ' مثال ' کیا میں جاوں کہا تم جاؤ - یہ ان لوگوں کی زبان ہے جو 'جہاں' کو 'کہاں' 'جیسا' کو 'کیسا' 'جب' کو 'کب' اور 'جو' کو 'سو' بولتے ہیں - میری راے میں استفہام اور غیر استفہام دونوں موقعوں پر 'یا' کا استعمال مناسب ہے ' مثال استفہامی ' آج صبح تم دریا گئے تھے یا کسی آشنا کی ملاقات کو - مثال غیر استفہامی ' آج زید سے دو ہزار روپے نقد لیتا ہوں یا سبزہ گھوڑا -[حرف ایراد کہیے یا حرف مساوات 'کیا' کا یہ استعمال بالکل صحیح اور فصیح ہے ' مثال ' کیا مرد کیا عورت دونوں کے لئے عصمت ضروری ہے -]

نوٹ | 'کہ' استفہام میں خوش نما معلوم ہوتا ہے ' مثال ' تم آج دریا جاؤگے کہ اور جگہ ؟ -

' نہیں تو ' ہمیشہ غیر استفہامی ہے —

'پھر' اس کے معنی ہیں ' اس کے بعد ' مثال ' آپ کی شادی میں یہ فرمائیے کہ کونسا طائفہ اچھا نہیں آیا گلا آئی پھر بنو آئی پھر کلو آئی پھر مانی والی نورن آئی پھر عاشورن غلام علی والی آئی —

اس کے پیچھے ' مثال ' پہلے شبراتن والی گذا ناچی اُس کے پیچھے محبوبن —

' نہیں ' کل حضور میں تو گذا آئی تھی بنو نہیں - [یہ ' نہیں ' مخفف ہے ' نہیں آئی تھی ' کا] ' بلکہ ' یہ ترقی کے لئے آتا ہے ' مثال ' گذا شام کو چاندنی دیکھنے جاوے گی بلکہ شبراتن بھی - ' یہاں تک ' مثال ' کل کے جلسہ میں شہر کے سب لوگ آئے تھے یہاں تک کہ اعلحضرت بھی - ' لیکن ' استثنا کے لئے آتا ہے ' مثال ' جو رنڈی تھی شہر میں سو کل کربلا گئی تھی لیکن گذا —

معطوف اور معطوف علیہ سے یہ مراد ہے کہ فعل اور خبر میں دونوں کی شرکت ہوتی ہے —

ندا کے حرف	چند حرف ندا کے لئے آتے ہیں ' ان کی تفصیل آگے آچکی ہے ' یہاں اسے

پھر لکھتے ہیں کیونکہ حروف کا ذکر حروف کی بحث میں ہونا چاہئے ' مختصر یہ کہ یہ حرف حسب ذیل ہیں :- ابے ' اوبے ' اوجی ' اجی ' ارے (مذکر کے لئے یاء مجہول) ' اری (مونث کے لئے یاء معروف) - باقی کے حرف ندا دونوں جلسوں میں مشترک ہیں سوائے ' ابے ' اور ' اوبے ' کے جو مذکر سے مخصوص

ھیں - ' اے ' بھی مشترک ھے - ' اے بی ' مونث کے لئے آتا ھے - ' او میاں ' مذکر کے لئے - ' ھوت ' اور ' او ھو ' بھی مشترک ھیں ' جیسے ' بھیا ھوت ' مادھو ھوت ' بنو اوھو ' بخشو اوھو —

حروف تحسین	چند حروف تحسین کے لئے آتے ھیں ' جیسے ' ' آھا '

' اھاھا ' ' بل بے ' ' بل رے ' ' اوھو ' ' ھسی بے ' ' کچھہ نہ پوچھو ' - مثال ' آھا (یا اھاھا) کس دھج سے چلی آتی ھے ' ھُئی [' اُوھی ' یا ' اُوئی ' ؟] بے کافر ذرا ادھر تو دیکھہ ' اوھو جی ذرا ادھر تو دیکھیے ' بل بے تیری سج مار ڈالا کافر نے ' بلہ رے تیری آمد ھم تو وھیں تمام ھوگئے - گل گدا کو دیکھا ھے کہ کچھہ نہ پوچھو - [' بل بے ' اور ' بل رے ' اب متروک ھیں]

حروف مذمت	چند حروف مذمت کے لئے آتے ھیں ' جیسے ' چھئے ' ' چھیا ' ' دور پار '

' در گور ' ' اے ھے ' ' صدقے کیا تھا ' ' نوج ھوا ' یہ سب عورتیں بولتی ھیں - ' تبرا ھے ' ' لعنت ھے ' ' پناہ بخدا ' ' کتے کا گُوہ ' یہ شہر کے مرد بولتے ھیں —

باب ہفتم

پہلی فصل

چند ضروری فوائد کے بیان میں

— * —

حرکت و سکون

۱ - اردو کے طالبوں سے پوشیدہ نہ رہے کہ عربی اور فارسی کے بعض سہ حرفی الفاظ کے درمیانی حرف کو اردو میں ساکن سے متحرک بنا دیتے ہیں - جیسے 'شرم' اور 'گرم' کی 'ر' کو جو ساکن تھی مفتوح کر دیا ' اسی طرح کبر نرم، صبر، علم، ظلم، عقل، قبر، جبر، شکل، فکر، اجر، فخر، علم - ظاهر ہے کہ مذکورہ الفاظ جو سب ساکن الاوسط اور 'برف' 'صرف' یا 'شکر' کے وزن پر ہیں اردو میں بعض قابل لوگوں کے روز مرہ کے سوا جو [عام] استعمال کا لحاظ نہ کر کے تحقیق پر نظر رکھتے ہیں متحرک الاوسط تلفظ میں آتے ہیں - اسی طرح بعض متحرک حرفوں کو ساکن کر دیا گیا ہے' جیسے 'بشریت' سب جانتے ہیں کہ اس لفظ میں 'شین' مفتوح ہے مگر اس کے تلفظ میں شین ساکن بولا جاتا ہے —

۲ - 'محل' اور 'نظر' میں بیچ کا حرف مفتوح ہے اور مفرد حالت میں اسی طرح ادا ہوتا ہے لیکن جمع کی

حالت میں یہ فتحہ سکون سے بدل جاتا ہے ' جیسے نظروں میں ' محلوں میں - یہ محلوں اور نظروں ' قبروں ' کے وزن پر بولے جاتے ہیں - یہ استعمال پر موقوف ہے ورنہ ' نظر' اور ' محل' قبر کے وزن پر نہیں بلکہ متحرک الاوسط ہیں جب کہ قبر ساکن الاوسط ہے - بعضے اردو داں ' محل ' کو جو اشر کے وزن پر ہے 'مہد' کے وزن پر ادا کرتے ہیں اور ' خطر' کو ساکن الاوسط بولتے ہیں - لفظ کے حرف ثانی کو بھی ترخیم کی حالت میں ساکن کردیتے ہیں ' مثل ' حسنو' میں سین ساکن ' ' حسنو' کی اصل حسن علی خاں یا حسن بیگ یا حسن علی ہے اور ہر جگہ سین متحرک ہے لیکن اردو [حسنو] میں کوئی سین کو متحرک ادا کرے تو ہنسا جائے - خلاصہ کلام یہ ہے کہ دانا لوگ ترخیم کے بعد منادیٰ کے دوسرے حرف کو ساکن کرنے کے سوا باقی چیزوں کو قاعدۂ کلیہ نہیں خیال کرتے ' اور جو کچھہ مذکور ہوا اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں - عام استعمال کا اتباع واجب ہے —

حذف و تقدیر

اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ہر زبان میں حذف اور تقدیر کلام میں بہت داخل ہیں - مثلاً ' جھوٹے کی ' ایسے شخص کے کلام کے جواب میں کہنا جسے سچائی سے واسطہ نہ ہو' اس میں

'دی کے' بعد 'ایسی تیسی' محذوف ہے' اور بعضوں کے نزدیک گالی محذوف ہے- اور 'سر گذشت' جو اصل میں 'از سر گذشتہ' تھا- اور "یا علی" یعنی "یا علی آئیو"- کبھی تکرار تاکید کے معنی دیتی ہے' جیسے ''علی علی' یعنی جلد میری فریاد کو پہنچو - اور' فلانا نوکروں کا دشمن ہے' یعنی اپنے نوکروں کا دشمن ہے- اور 'خبر دار' یعنی خبر دار کہاں جاتا ہے- اور 'بیٹھہ' یعنی بیٹھہ تو چپکا رہ' یہ مثالیں کافی ہیں ورنہ اردو میں محذوفات بہت ہیں ۰اور داناکو خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں —

مقدرات اب مقدرات کا ذکر کیا جاتا ہے' مثلاً "ہاے ہاے دلی" یہاں" ہم سے کیوں چھوٹی" مقدر ہے-'' گلا کی مسی' اس میں "یاد ہے یا بھول گئے" مقدر ہے-' بس جی بس' یہاں ان میں سے کوئی فقرہ مقدر ہے' تمہاری بھی حقیقت معلوم ہوئی' تم کو بھی دیکھہ لیا' بہت دیکھا نہ بکو' جا' خدا کے واسطے چپکے رہو-' آے جی آے' یہاں' 'ہولی کے بھڑوے' مقدر ہے 'کتنا' یا 'کس قدر' جب کوئی شخص کسی کی تعریف یا مذمت کرے تو اس کے قول کی تصدیق میں مقدر ہوتا ہے' مثلاً کسی نے کہا کہ:- زید سفلری اور جھوٹا ہے' دوسرا تصدیق میں کہیگا 'کتنا' یا کس قدر سفلری

ھے کہ نظیر اپنا نہیں رکھتا ' یا ' کس قدر ' یا کتنا کے بعد اسی معنی کی عبارت اس کے ذھن میں ھوگی —

حذف اور تقدیر میں فرق یہ ھے کہ حذف کا قاعدہ مقررہ لفظ سے خصوصیت رکھتا ھے لیکن تقدیر اقتضاے محل کے موافق ھوتی ھے ' جیسے ' سرگذشت ' فارسی میں بہ معنی ماجرا مشہور ھے ' اھل اردو بھی اسی معنی میں استعمال کرتے ھیں اور بمعنی " سر سے گذرا ھوا " (از سر گذشتہ) بھی انھیں صاحبوں کے استعمال میں ھے کیونکہ فارسی میں ' از ' محذوف ھوا اور از سرگذشتہ کی جگہ سرگذشتہ رہ گیا ' دھلویوں نے آخر کی ' ہ ' حذف کردی۔ پس 'سرگذشتہ ' فارسی اور ' سرگذشت ' اس معنی میں ھندی ھوا - ان لفظوں میں حذف کا قاعدہ پایا جاتا ھے - تقدیر کی مثال یہ ھے ' کل مارا جاے گا زید اور باندھا جاے گا زید ' ان میں ' دیکھہ لیجیو ' مقدر ھے -

— —

دوسری فصل
چند مفید اور اصولی نکتے

جاننا چاھئے کہ جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ھو گیا خواہ وہ لفظ عربی ھو یا فارسی ' ترکی ھو یا سریانی ' پنجابی ھو یا پوربی ' اصل کی رو سے غلط ھو یا صحیح ' وہ لفظ اردو کا لفظ ھے - اگر اصل کے موافق مستعمل ھے

تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح -
اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے ' کیونکہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہو ' اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو —

اگرچہ اس نکتہ کی طرف پہلے بھی ضمناً اشارہ ہوا ہے لیکن اس کی تصریح مقصود ہے ' اختصار کی نظر سے چند الفاظ یہاں دیے جاتے ہیں جو کافی ہوں گے ' تمام الفاظ کی طویل فہرست پیش کرنا فقیر کے علم اور مقدور سے باہر ہے ' وہ چند الفاظ یہ ہیں :-

دِلّی ' فند ' سفیل ' منصّر ' 'مچکّر' چپاڑ ' مجاز ' ماعلی ' شیر ' پچھاوا ' صفا صفا ' ازرق چشم ' امّا ' لکّا ' تانبا ' تنبورا ' پیالا ' ستارا ' گل لالا ' برقا ' یار غار ' السست' الکوکلی' پرقینچ ' شولا ' چنبل ' مہتابی ' سیو ' شلکرت' آبخورا ' قلفی' قدر ' کلک ' غدر ' صدر ' عذر' سہر وغیرہ وغیرہ - ظاہر ہے کہ 'دلی' دھلی ' ہے لیکن فارسی کے اشعار اور عبارت کے سوا اگر بے تکلفی کے وقت ھندی میں بولا جاے تو سمع خراش ہے - [مصنف کا منشا یہ ہے کہ 'دلی' بول چال میں اور 'دھلی ' سنجیدہ تحریر اور اشعار فارسی میں مستعمل ہونا مناسب ہے ' ایک

اور بات بھی رواج سے مستحکم ہوگئی ہے کہ اضافت
تعلق اور تمام صرفی صیغوں میں 'دہلی' فارسی اء
میں شمار ہوتا ہے' دلی' نہیں ہوتا' مثلاً 'دہلوی
' دہلویت ' ' دہلویانہ انداز' وغیرہ' یہ امتیاز صر
' دہلی' کو نصیب ہوا' حالانکہ ' دہلی' بھی ایسا ہ
ہندی الاصل ہے جیسا 'دلّی' بلکہ صوتیاتی نقطۂ نظر
'دلی' بمقابلہ 'دہلی' کے زیادہ فارسی معلوم ہوتا ہے
' فند' اصل میں 'فن' ہے لیکن مکر اور دعا کے مع
میں ' فند' پر اعتراض عاید نہیں ہوسکتا —
' سفیل' اصل میں فصیل تھا عالم فاضل اب بر
وہی لفظ استعمال کرتے ہیں لیکن جو لفظ کہ قابل ا
نا قابل کی زبان پر رواں ہے اور اہل اردو کا سامعہ پس
ہے وہ 'سفیل ہی ہے' چاہے غلط ہی ہو —
' منصّر' اصل میں 'منحصر' ہے اور بعض عورتو
اور مردوں کی زبان سے گوشزد ہے' لیکن لایق ا
استعداد والے 'منحصر' بولتے ہیں' اگرچہ منصر ب
سامعہ خراش نہیں —
' مچکر' مفعال کے وزن پر ایک ہندی لفظ ہے ج
کے معنی ہیں گردش کرنے والا' یہ تصرف اگرچہ عر
کی تقلید میں غلط ہے لیکن یہ لفظ صحیح ہے کیونکہ ا

میں مروج ہے - [یہی حال ' مرغن ' اور ' فوق البھڑک ' کا ماننا پڑے گا] - اسی طرح : -

' دیپاڑ ' مبالغہ کے صیغے میں چوپڑ باز —

'مجاز ' بجاے سراج جاھلوں کی زبان ہے 'منصر' کی مانند -

' ماعنی ' بمعنی ' معنی فصیح لفظ ہے اور اردو کے زبان دانوں میں مستعمل ہے گو اصل میں غلط ہے ' اصل لفظ ' معنی ' ہے لیکن خلاف اردو واقع ہوا ہے اردو میں ' ماعنی ' ھی مستعمل ہے —

' سیر ' بجاے ' شعر کے اھل اردو کے استعمال میں ہے اور ' شعر ' (بالفتحہ ورن جعد ' دھقانیوں کا لہجہ ہے -

' پہجاوا ' ' پزاوا ' کے بدلے ' اینٹیں پکانے کا تنور —

' عفا صفا ' صفائی یعنی خالی ہونے کے معنی میں غلط ہے لیکن اردو میں مستعمل ہے —

' ارزق چشم ' اصل میں ' ازرق ' (بہ تقدیم زاء معجمہ) تھا لیکن اردو میں یہی فصیح ہے —

' انا ' اصل میں ' آنکہ' تھا اور ' تکا ' اصل میں اتکہ تھا -

' تانبا ' ' طعمہ بار ' کی جگہہ —

پیالا ' ستارا ' یہ ' پیالہ ' اور ' ستارہ ' تھے ' تمام فارسی لفظوں کے آخر کی ' ہ ' اردو میں ' الف ' سے بدل جاتی ہے —

' گُل لالا ' (گل کا لام ساکن) اصل میں کسرۂ اضافت کے ساتھہ ' گل لالہ ' تھا —

' برقا ' اصل میں ' برقع ' تھا ' لیکن اردو میں وهی غلط لفظ صحیح اور فصیح هے —

' یار غار ' کسرۂ اضافت کے بغیر اردو میں فصیح هے ۔

' پرقینچ ' معنی ' جس کے پر کترے هوے هوں ' اس میں قینچ بمعنی قینچی مستعمل هوا —

' شولا کهانے کی ایک قسم ' اصل میں ' شلہ ' هے ۔

' چنبل ' ' چنبر ' کی جگهه هے —

' مهتابی ' آتش بازی کا مهتاب —

' سیو ' سیب کا قایم مقام —

' شنگرف ' ' مسطر ' کے وزن پر ' تحقیق حروف میں اس کا ذکر آچکا هے —

' آبخورا ' بجاے آبخورہ ' اردو میں اصل لفظ بهی بہت استعمال هوتا هے —

' قلفی ' بجاے ' قفلی ' ۔

' قدر ' (حرف دوم متحرک) بمعنی مرتبہ ' بجا قدر (دال ساکن) —

' کلک ' بجاے سکون لام کی حرکت کے ساتهہ ۔

' غَدر ' ' صَدر ' یہ دونوں لفظ اصل میں دا

ساکن سے ہیں —

'سای' اصل میں 'صحیح' تھا —

نکتہ ان الفاظ کی کتابت جو اردو میں اصل کے خلاف مستعمل ہوتے ہیں مختلف ہے' کہیں تو اصل کی رعایت رکھی جاتی ہے اور کہیں نہیں - ظاہر ہے کہ 'طرح' حرف دوم کی حرکت اور سکون سے بھی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور بمعنی 'روش' وغیرہ آتا ہے لیکن کتابت میں اصل کی رعایت رکھی جاتی ہے' یعنی 'ط' اور 'ح' سے لکھتے ہیں - لیکن 'سہی' کو ہندی قرار دیکھ کر 'صاد' اور 'حاء حطی' کی جگہ 'سین' اور 'ہاء ہوز' سے لکھتے ہیں اور آخر کی 'ح' کو حذف کر دیتے ہیں —

توالی حرکات عربی میں ایک کلمہ میں توالی حرکات اربعہ ممنوع ہے' یہی حال ہندی میں توالی حرکات ثلاثہ کا ہے' مثال: شرف النساء دوسرے حرف 'ر' کو سکون کے ساتھ بولنا اچھا ہے' اُس کے فتحہ کے ساتھ غلط اور مکروہ ہے اگرچہ اصل کے اعتبار سے صحیح ہے - اسی طرح 'شکرانہ'' 'کاف' کے سکون کے ساتھ اور 'نظروں' 'ظ' کے سکون کے ساتھ بولنا اور باندھنا صحیح اور فصیح ہے —

کسرۂ اضافت | دو ہندی لفظوں یا ایک ہندی اور ایک غیرہندی (عربی فارسی وغیرہ) کے ساتھہ کسرۂ اضافت کا استعمال غلط ہے' لیکن فارسی عبارت میں اشیا کی حقیقت کے بیان میں دونوں صورتیں جایز ہیں- [ہندی اور ہر زبان کے اعلام مستثنیٰ ہیں]-

نون کا اعلان | ہندی (اُردو) شعر میں صفت اور مضاف الیہ میں اگر مضاف اور موصوف مذکور ہوں تو 'نون' کا اعلان غلط ہے [یعنی کسرۂ اضافت کے بعد جو لفظ ہو اس کے آخر کے 'نون' کا اعلان غلط ہے- وہ نون غنہ ہونا چاہئے]- جیسے 'دیدۂ گریاں' اور 'سرو گلستاں' میں 'نون' کا اعلان غلط ہے- فقط

— * —

باب ہشتم

فن بیان

[یہ باب مرزا محمد احسن قتیل فریدآبادی کی تالیف ہے' اگرچہ اُردو زبان کی قواعد سے اس کا سیدھا تعلق نہیں لیکن سید انشا دوستدار ہی نہیں دوست نواز بھی تھے' 'رنگیں' کے زنانہ بولی کے محاورات کی

طرح قتیل کی اس تحریر کو بھی انھوں نے
اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔ اب مترجم
مستہام نے اسے اس لئے متروک نہیں کیا
کہ مثالوں میں جو نظم اور خصوصاً نثر کے
ٹکڑے مرزا قتیل نے دیے ہیں وہ تاریخی
حیثیت رکھتے ہیں اور اب سے ڈیڑھ سو برس
سے پہلے کی زبان اُردو کے نمونے پیش کرتے
ہیں۔ یہ نہ لئے جاتے تو ضایع ہو جاتے]۔

—*—

پہلی فصل

تمہید

منقول | معلوم ہو کہ ہر لفظ جو توضیع کے علاقہ کے خلاف مشہور ہو جائے اسے منقول کہتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ اصلی معنی میں اس کا استعمال ترک ہو گیا ہو، جیسے: 'ٹوپی والا' بمعنی مغل۔ ظاہر ہے کہ جس کے سر پر ٹوپی ہو اُسے ٹوپی والا کہنا صحیح ہے۔ لیکن ولایت کے آدمیوں کے سوا خواہ وہ سید ہوں یا مغل یا افغان دوسرے کو 'ٹوپی والا' نہیں کہتے —

منقول کی دو قسمیں ہیں، 'عرفی' اور 'شرعی' - پھر عرفی دو قسموں پر منقسم ہے، یا تو یہ کہ عرف عام

میں استعمال ہو جیسے ٹوپی والا ' یا عرف خاص میں مستعمل ہو ' جیسے " کافور ہو جاؤ " یعنی چلے جاؤ ' یہ بعض اہل اُردو سے مخصوص ہے- اور ' شرعی ' یہ ہے ' جیسے تعزیہ بہ معنی امام علیہ السلام کا تابوت - اگر کبھی اصلی اور کبھی نئے معنوں میں مستعمل ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یعنی اگر اصلی معنی میں مستعمل ہوگا تو اسے ' حقیقت ' کہیں گے اور اگر نئے معنی میں مستعمل ہو تو ' مجاز ' کہلائے گا ' جیسے قارورہ ' جس کے معنی اصل میں شیشہ ہیں نہ کہ وہ چیز جو اس میں بھرکر طبیب کو دکھائی جاتی ہے-

مجاز | مجاز تین قسموں پر ہے (۱) ' ماٴیول الیہ ' - مثل: طالب علم کو مولوی کہنا اس نظر سے کہ وہ آیندہ فارغ التحصیل ہوکر مولوی کہلائے گا - (۲) ' مُرسل ' اور یہ کئی نوع پر منقسم ہے ' جیسے پروانہ بمعنی عاشق - اور جو تشبیہ پر متضمن ہو اسے ' استعارہ ' کہتے ہیں- اور جس میں نئے معنی اصلی معنی سے لئے گئے ہوں اور اس لفظ کے اول معنی کے استعمال کے وقت دوسرے معنی کے وجود کی قوی دلیل موجود ہو تو اسے ' کنایہ ' کہتے ہیں -

اس صورت میں فن بیان میں تین چیزوں کا ذکر ضروری ہوا یعنی ' مجاز ' ' کنایہ ' اور ' استعارہ ' - اور

یہی تین چیزیں اس فن میں اصول کا حکم رکھتی ہیں۔ چونکہ استعارہ مجاز ہے یا تشبیہ اس وجہ سے طالب علم کے لئے پوری طور پر تشبیہ سے واقف ہونا واجب ہے۔ لہذا تشبیہ کو چوتھی چیز قرار دینا اس فن کے مسلمات سے ہے تاکہ لازم اور تفصیلی معنی کو معنی موضوع لہ کے سوا استعمال کر سکیں، جیسے یہ کہنا - شیر آتا ہے - یعنی شجاع آدمی آتا ہے - چونکہ شجاعت شیر کا لازمی خواص ہے اور شجاع آدمی کے لئے بھی شجاعت لازم ہے اس لئے چونکہ لفظ شیر سے کہ جس کا لازمہ شجاعت ہے متکلم کی مراد شجاع ہے —

چونکہ کنایہ میں معنی لازم کے ذکر کے وقت اصلی معنی ملزوم بھی زیر نظر رہتے ہیں اور مجاز میں ایسا نہیں ہوتا اس لئے کنایہ کو نوع سمجھنا چاہئے اور مجاز کو جنس، یعنی مجاز کنایہ کا جز ہوا —

الغرض قاعدے کی رو سے مجار کو استعارہ پر اور استعارہ کو کنایہ پر مقدم رکھنا چاہئے - لیکن اهل بلاغت نے استعارہ کے ذکر کو مجاز سے پیشتر بہتر سمجھا ہے، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اجزائے تشبیہ کے سبب سے استعارہ کی بحث مجاز کی بحث سے زیادہ ہے، جس کے مطالعہ اور دریافت کی بدولت مجاز

کی بحث سہل ہوجاتی ہے - اور کتابوں میں استعارہ کا ذکر تشبیہ کے بعد آتا ہے ' وجہ یہ کہ تشبیہ کی بحث استعارہ کی بحث سے زیادہ طویل ہے —

— * —

دوسری فصل

تشبیہ

تشبیہ کیا ہے ؟ فن بیان کے چہارگانہ اصولوں کو جن کا مدار تضمنی اور التزامی دلالت پر ہے ' جنھیں عقلی بھی کہتے ہیں تشبیہ کہا گیا ہے' اس سے مراد ہے دو الگ الگ چیزوں کا ایسے امر میں جو اُن دونوں میں مشترک ہو ملا دینا ' ضروری ہے کہ یہ اشتراک اُن میں سے ایک چیز میں کم ہو اور ایک میں زیادہ تاکہ کم کو زیادہ کے برابر کہہ کر اس کی وقعت بڑھائی جائے - وہ مشترک حقیقت میں ہوگا یا صفت میں ' جو دو چیزیں حقیقت میں مشترک ہوں گی صفت میں جدا ہوں گی اور اگر صفت میں مشترک ہوں گی تو حقیقت میں جدا جدا ہوں گی - اگر حقیقت اور صفت دونوں میں مشترک ہوں یا جدا جدا ہوں تو ان دونوں حالتوں میں تشبیہ باطل ہوگی - اشتراک حقیقت کی مثال :- گدھا ھاتھی کی

مانند ہے - یعنی حقیقت میں دونوں حیوان ہیں اور صفت میں ہاتھی ہاتھی ہے اور گدھا گدھا - اشتراک صفت کی مثال :- زید گھوڑے کی طرح دس کوس جاتا ہے - یعنی چلنے کی صفت میں زید اور گھوڑا برابر ہیں اور حقیقت میں مختلف یعنی زید حیوان ناطق ہے اور گھوڑا حیوان مطلق - پہلی تشبیہ میں متکلم کا مقصود ایک عام حقیقت ہے اور دوسری تشبیہ میں خاص حقیقت، اردو میں بد خلق [اور بد زبان] آدمی کو " کت کہنا کُتا " کہتے ہیں، اگرچہ آدمی اور کُتا حقیقت میں مغایرت رکھتے ہیں لیکن صفت میں انہیں اشتراک ہے - کہتے ہیں 'فلانا گدھا ہے' یا شیر ہے، یا پری ہے یا کتا ہے، یا گینڈا، یہ سب جدا جدا صفت کے اعتبار سے کہا گیا - 'گدھا' حماقت کے اعتبار سے، 'شیر' شجاعت کے اعتبار سے، 'پری' خوبصورتی کے اعتبار سے' 'کتا' بدخلقی کے اعتبار سے اور 'گینڈا' مٹاپے کے اعتبار سے کہا گیا - اشتراک دوگانہ کی مثال :- " زید کا گھوڑا جو کمیت ہے اور سو کوس جاتا ہے وہ ایسا ہے جیسا عمرو کا کمیت گھوڑا کہ سو کوس راہ جاتا ہے " - اس صورت میں دونوں گھوڑے حقیقت اور صفت یعنی رنگ

اور چلنے میں یکساں ہیں ' اس لئے اس میں تشبیہ کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا - [یہ مذکور اس طرح ادا ہونا چاہئے تھا :- زید اور عمر کے کمیت گھوڑے سو کوس کا دم رکھتے ہیں]

ارکان تشبیہ | ارکان تشبیہ پانچ ہیں ' مشبہ ' مشبہ بہ ' وجہ شبہ ' حرف تشبیہ ' غرض تشبیہ -

' مشبہ ' وہ ہے جسے ایک چیز سے جو اُس سے صفت میں زیادہ ہو تشبیہ دیں ' اس میں مدح و ذم کی شرط نہیں —

' مشبہ بہ ' وہ ہے جو صفت میں مشبہ سے بڑھکر ہو اور اس کی قدر بڑھادے —

' وجہ شبہ ' وہ ہے جس کا ذکر کیا جائے —

' حرف تشبیہ ' وہ ہے جو تشبیہ پر دلالت کرے —

' غرض تشبیہ ' جس لئے ایک چیز کی دوسری چیز سے تشبیہ دی جاے - مثال :- فلانے کا چہرہ روشنی میں مانند آفتاب کے ہے ' اس میں ' چہرہ مشبہ ' آفتاب مشبہ بہ ' روشنی وجہ شبہ ' مانند حرف تشبیہ ' ترقی معشوق [جو مذکور نہیں] غرض تشبیہ ہے —

حروف تشبیہ حروف تشبیہ اردو میں بہت ہیں ' مانند ' بھی اردو میں مستعمل ہے اور فصحا ' نظیر ' ' عدیل ' ' مقابل ' ' مشابہ ' استعمال کرتے ہیں ' اور ' برابر ' ' جیسا ' ' جوں ' وغیرہ ریختہ والوں کے استعمال میں آتے ہیں —

تشبیہ کے اقسام (۱) تشبیہ مفصل وہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور ہو ' جیسے ' فلانا شجاعت میں شیر جیسا ہے —

(۲) تشبیہ مجمل وہ ہے جس میں وجہ شبہ مذکور نہ ہو ' جیسے ' فلانا شیر جیسا ہے - تشبیہ مجمل تشبیہ مفصل سے بہتر ہے —

(۳) تشبیہ موکد وہ ہے جو حرف تشبیہ رکھتی ہو ' بغیر اس کے مرسل ہے اور مرسل موکد سے زیادہ بلیغ ہے ' مثال ' فلانا شیر ہے —

(۴) مشبہ اور مشبہ بہ ' عقلی ' ہوں گے یا ' حسی ' - حسی کی مثال چہرہ اور آفتاب کی تشبیہ میں آگئے آچکی - عقلی کی مثال میں علم کو حیات سے اور جہل کو موت سے تشبیہ دینے میں سمجھو - جہل اور علم دونوں عقلی امر ہیں حسی نہیں - اگر مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہوں تو وجۂ شبہ حسی یا عقلی کوئی ہوسکتی ہے ' مثال وجہ شبہ حسی کی مشبہ اور مشبہ بہ حسی میں آچکی - مشبہ اور مشبہ بہ حسی میں وجہ شبہ

عقلی کی مثال یہ ہے :- مولوی فخرالدین صاحب میرے نزدیک ایسے تھے جیسے مسلمان کے نزدیک قرآن شریف - مولوی فخرالدین صاحب اور قران شریف دونوں محسوس ہیں اور دونوں میں وجہ شبہ آدمیوں کی ہدایت ہے اور یہ عقلی امر ہے —

اور اگر مشبہ اور مشبہ بہ عقلی ہوں تو ضروری ہے کہ وجہ شبہ عقلی ہو نہ کہ حسی، جس طرح علم کی تشبیہ میں زندگانی سے بقائے نام اور 'جہل' کی تشبیہ میں گم نامی کو موت سے تشبیہ ہے -

کبھی مشبہ عقلی ہوتا ہے اور مشبہ بہ حسی، اور کبھی اس کے برعکس، جیسے 'خلق کریم' کی تشبیہ 'عطر' سے' یا 'روح' کی تشبیہ پھول سے - یا اس کے برعکس، یعنی مشبہ بہ حسی ہو اور مشبہ بہ اور وجہ شبہ عقلی ہوں، جیسے 'آگ' کی تشبیہ ذہنِ وقاد سے —

اور اگر تشبیہ میں دو مشبہ اور مشبہ بہ ہوں تو اس تشبیہ کو 'تشبیہ تسویہ' کہتے ہیں - اور دو مشبہ بہ اور ایک مشبہ ہو تو اسے 'تشبیہ جمع' کہتے ہیں - اور اگر ہئیت اجتماعی مشبہ کی اور دوسرے کی ہئیت اسی صفت سے موصوف ہو تو اسے 'تشبیہ مرکب' یا 'تشبیہ مثل' کہتے ہیں —

ایک اور قسم تشبیہ کی ہے جسے ' تشبیہ تفضیل ' کہتے ہیں یعنی مشبہ کی بزرگی کا مشبہ بہ سے بیان —

تشبیہ تسویہ کی مثال ' تیرے بال اور میرا حال دونوں اندھیری رات ہیں - مثال تشبیہ جمع ' آج کی اندھیری رات ایسی سیاہ ہے جیسے میرا دن اور تیری چوٹی ' - تشبیہ تمثیل کی مثال ' لہو بھری تلوار میں جوہر ایسے نمایاں ہیں جیسے کالی گھٹا میں بجلی کے چمکنے سے تارے نظر آئیں - تشبیہ تفضیل کی مثال ' چاند تو تو ہے لیکن چاند نے یہ کج کلاہی کہاں پائی' یا ' قد تیرا مانند سرو کے مسلم لیکن سرو میں یہ قبا پوشی کہاں-

---

تیسری فصل

استعارہ

لغت میں استعارہ کے معنی ہیں کوئی چیز مانگی لینا اور بلیغوں کی اصطلاح میں مجاز با تشبیہ سے مراد ہے یعنی مشبہ بہ کا مجازاً ذکر ہو اور حقیقت میں مشبہ کا ذکر مرکوز خاطر ہو ' یا یہ کہ جو کچھہ از روے حقیقت مشبہ بہ کے لیے مناسب ہو وہ مجاز کی رو سے مشبہ میں ثابت کریں ' یا یہ کہ جو کچھہ اصل میں مشبہ کے مناسب ہو وہ مشبہ بہ سے منسوب کریں ' اور کبھی مشبہ بہ کی جگہ

اس کی ضد تعریض یا مخالفت سے مجازاً مذکور کریں - اول کی تین قسموں کو ' اتفاقیہ ' اور چوتھی قسم کو ' عنادیہ ' کہتے ہیں ' مثال قسم اول ' کالا ناگ آتا ہے' یعنی موذی آدمی آتا ہے ' یا میری ہرنی کو لاؤ ' یعنی میری محبوبہ کو لاؤ ' یا چاند رتھ میں جاتا ہے ' یعنی میری محبوبہ جو چاند جیسی ہے رتھ میں جاتی ہے - مثال قسم دوم ' موت کے پنجے سے کوئی بھی جیتا بچا ہے ؟ یعنی موت سے جو شیر کی مانند ہے کس طرح جان بچ سکے - مثال قسم سوم ' تیرے سرمہ میں رنگے کنول ' اور تیری انگیا کے بھونرے کسی کے ایمان کو باقی نہیں رکھتے ' ظاہر ہے کہ سرمہ کو کنول سے کچھ علاقہ نہیں لیکن محبوب کی آنکھ سے ہے ' یہی حال بھونرے اور انگیا کا اور جس حصۂ جسم کی وہ پوشش ہے اس کا ہے - مثال قسم چہارم ' شیر آتا ہے ' جب کہ اس سے بزدل شخص مراد ہو' یہاں تعریض کا پہلو آگیا - اگر یہ کہیں کہ لومڑی آتی ہے ' تو یہ بغض اور عداوت کے تقاضے سے ہے —

استعارے کی بحث میں مشبہ کو مستعار لہ اور مشبہ بہ کو مستعار منہ ' اور لفظ کو مستعار کہتے ہیں ' جیسے ' نرگس ' کہ اس لفظ کو مستعار اور معشوق کی آنکھ

کو جو کہ مشبہ ہے مستعار لہ اور نرگس کے پھول کو جو مشبہ بہ ہے مستعار منہ کہیں گے —

مشبہ کو مستعار لہ اس لیے کہا کہ لفظ کا استعارہ اس کے لیے ہے یعنی نرگس کا لفظ گل نرگس سے آنکھ کے لیے مانگا لیا گیا اور مشبہ بہ مستعار منہ اس سے بلا کہ اس سے یہ لفظ لیا گیا —

چوتھی فصل

مجاز وغیرہ

مجاز | مجاز یا 'مائیول الیہ'، 'ہوتا ہے'، یا 'مرسل'۔ مائیول الیہ اسے کہتے ہیں کہ جو کچھ اس سے نتیجہ نکلے وہ زمانہ کا پابند نہ ہو' جیسے' میں نہیں جانتا یہ مردہ کب مرا ' یا اس مقتول کو کس نے قتل کیا ہے - مردہ کا مرنا اور مقتول کا قتل ہونا زمانۂ گزشتہ پر نظر ڈالتا ہے جو ان دونوں کی زندگی کا عہد تھا ' اور مردہ کو زندہ ہونے کی حالت میں مردہ کہنا بہ نظر زمانۂ مستقبل اس کا مرنا ثابت کرنا ہے - یہی حال ' مقتول' کا ہے - اور اس نوجوان کو جو ابھی علم حاصل کررہا ہے 'مولوی' کہنا آیندہ زمانے پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے اور طبیب کے بیٹے کو طبیب کہنا زمانۂ ماضی

پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے اس خیال سے کہ اس کا باپ طبیب تھا —

مرسل | مرسل کے معنی ہیں جو گزر چکا ہو' یہ نام اس کو اس لیے دیا گیا کہ اس میں تشبیہ کے علاقہ کو ترک کر دیا ہے - اس مجاز کی کئی قسمیں ہیں' کبھی سبب بجائے مسبب کے مذکور ہوتا ہے اور مسبب بجائے سبب کے' مثال' جس ندی نالے کو جنگل میں دیکھا سب میں مینہ نظر آیا یعنی پانی جو مینہ کا مسبب ہے - اور تمام دن آج باجرا برسا کیا' یعنی ہلکی ہلکی بارش ہوتی رہی جو غلہ کی پیداوار کا سبب ہے - اور ظرف کو مظروف کے بدلے اور مظروف کو ظرف کی جگہ استعمال کرنا' مثال' گلاب کو طاق میں رکھدو' یعنی گلاب کے شیشے کو طاق میں رکھدو' اور ان کا قارورہ بہت سرخ ہے یعنی پیشاب جو قارورہ میں ہے بہت سرخ ہے - اور خاص کو بجائے عام اور عام کو بجائے خاص لانا' جیسے فلانا آدمی بلو پر پروانہ ہے یعنی عاشق ہے' پروانہ خاص ہے اور عاشق عام' اور کپڑا میرا بھیگ گیا یعنی انگرکھہ میرا بھیگ گیا - کپڑا عام ہے اور انگرکھہ خاص ہے - اور جز کو بجائے کل اور کل کو بجائے جز استعمال کرنا' جیسے' حقہ لاؤ بجائے قلیاں نیچہ چلم مع

تمبا کو اور آگ کے ' ظاهر هے که حقه اس اجتماعی هئیت کا ایک جز هے - اور ' گهر همارا گر پڑا ' اس کی جگه که همارے گهر کی دیوار گر پڑی ' دیوار تمام گهر نهیں بلکه گهر کا صرف ایک جز هے —

کنایه کا حسن و قبح

جاننا چاهئے که حسن و قبح هر چیز میں هوتا هے ' تشبیه ' استعاره اور مجاز جو کچهه بهی هو اگر اس میں ندرت هو اور ابتذال نه هو تو بهتر هے ' اسی طرح جو کنایه سریع الفهم اور مبتذل هو وه نکما هے' جیسے ' پیٹ کا هلکا ' یعنی جو رازداری سے عاری هو ' یا بے مہار اونٹ ' یعنی منه پهٹ - اگر یوں کهیں تو یقیناً زیاده بلیغ هو گا :- فلانا حلال خوروں کا روپے دینے والا هے' یعنی سخی هے - [یه مرزا صاحب کا محض ادعا هے ' ابتذال هے تو آخری مثال میں] —

باب نهم

علم بدیع

پهلی فصل ' جناس

تجنیس

جناس کو تجنیس بهی کهتے هیں' اس کے معنی هیں دو لفظوں کا باهم مشابه هونا اس

کی کئی قسمیں ہیں —

تجنیس تام	ترکیب کے بغیر دو لفظوں کا حروف اور حرکات میں یکساں ہونا تجنیس تام کہلاتا

ہے جیسے مونڈھا، جو بیٹھنے کی ایک چیز کا نام بھی ہے اور شانہ یعنی کندھے کا بھی —

تجنیس ناقص	جب حروف ایک ہی ہوں لیکن حرکات میں اختلاف ہو تو اسے تجنیس ناقص

کہتے ہیں، جیسے بَیر (موحدہ مفتوح) بہ معنی دشمنی اور بیر (یاء مجہول) ایک پھل —

تجنیس مکرر	یعنی مقابل کے لفظ میں سے ایک ٹکڑا لے کر اس کے ساتھ ہی استعمال کرنا

جیسے، بہت —

ہم سے کیوں رکھتا نہیں ہے وہ بت خود کام کام
جس نے اپنا کر دیا ہر ایک پر انعام عام

تجنیس مرکب	ایسے دو کلموں کو ترکیب دے کر ایک کلمہ بنالیں جو مقابل کے سالم کلمہ کے

برابر ہوجائے، اس کی دو قسمیں ہیں، مقرون، اور 'مفروق' - مقرون وہ ہے کہ تلفظ اور کتابت دونوں میں مشابہ ہو اور مفروق وہ جو صرف تلفظ میں مشابہ ہو، دونوں کی مثال :—

تجھ کو نہ کبھی دیکھہ مجھے ترس آیا
بھر عمر نظارے کے لیے ترسایا

تقصیر سوائے عشق کے کیا مجھہ سے ہوئی
ڈر تک تو خدا سے کا ڈرا ترسایا

تجنیس خط | جب بلا لحاظ تلفظ و نقاط صرف حروف میں مساوات ہو جیسے، مشکیں اور مسکیں، خط اور حط، پاک اور باک —

تجنیس زاید. | جب دو لفظ تلفظ اور حروف میں باہم مشابہ ہوں لیکن ایک لفظ میں ایک حرف زاید ہو، جیسے، چاہ (کنواں) اور چاہا (محبت کی)- بال اور وبال، کار اور کنار —

تجنیس مطرف | جب دو لفظوں میں صرف آخر کے حرف مختلف ہوں، جیسے، آزاد اور آزار، آفاق اور آفات —

ترصیع

جب نثر کے دو جملوں یا شعر کے دو مصرعوں میں یہ التزام رکھا جائے کہ الفاظ علی الترتیب ہموزن ہوں تو اسے ترصیع کہتے ہیں، جیسے، پونڈا پھیکا اتنا برا کہ جس کی برائی بیان سے باہر ہے، پونڈا میٹھا

ایسا بھلا کہ اس کی بھلائی گمان سے بڑہ کر ہے —

مکھڑا ترا ظہور خدائے کریم ہے
گو جا بجا وفور بلائے عظیم ہے

ترصیع باتجنیس | مثال ' مقصود بیگ دو [مقصود بیگ نام ہے] ' مقصود بیگ [جلدی] دو ' [یعنی جو چیز ہم کو مطلوب ہے وہ جلدی عطا کرو] اور [روکو مت ' جانے دو - روکو ' مت جانے دو (معنی ظاہر)]

معرب | یعنی زیر ' زبر ' پیش جو تین اعراب ہیں ان میں سے صرف ایک ہی ساری عبارت میں آے ' باقی دو کہیں نہ آئیں [یہ صنعت بمنزلہ 'کوہ کندن و کاہ بر آوردن' ہے] —

اشتقاق | ایسے چند لفظ استعمال کرنا جو ایک ہی مصدر سے مشتق ہوں ' جیسے ' جس جانے والے کو دلی جانا ہو جاتے جاتے چاہیے کہ ہم سے رخصت ہو کے جاوے اس طرح کے جانے میں اس کا کیا جاتا ہے —

مسجع | مسجع کی تین قسمیں ہیں ' متوازی ' مطرف ' اور موازنہ - ' متوازی ' وہ ہے جس میں دو لفظ حرفوں اور حرکت میں شمار کی رو سے برابر ہوں؛ بالکل ایک دوسرے کی مثل نہ ہو ' مانند ' وقار ' حصار ' کنار ' کبار - ' مطرف ' وہ ہے کہ جس میں دونوں لفظوں

کا ایک ایک جز برابر ہو ' جیسے ' اُطوار ؛ حصار ' کہ ان کا ایک ایک جز ' وار ' اور ' صار ' باہم سجع واقع ہوا ہے - اور بعضی بحروں میں اطوار اور حصار قافیہ بھی آتے ہیں اور بعضے اوزان میں نہیں - ' موازنہ ' اسے کہتے ہیں جس کے دو لفظ وزن میں مساوی ہوں ' روی کی شرط اس پر عاید نہیں ہوتی ' جیسے ' گُل ' پَر ' دل ' دُر ' سر ' خم - موازنہ کی مثال :- تیرا باپ عجب بشر ہے جس کا مان سدا رہا ہے - پہلی دو قسمیں عام ہیں اور نظم و نثر میں آتی ہیں ' آخری قسم نثر سے خصوصیت رکھتی ہے —

بعض متقدمین فارسی نے مسجع غزل میں اصلی قافیہ کی پابندی نہیں کی اور صرف سجع ہی کو کافی سمجھا ' سعدی -

اے ماہ عالم سوز من از من چرا رنجیدۂ
وے شمع شب افروز من از من چرا رنجیدۂ
اے قبلۂ من روے تو وے کعبۂ من کوے تو
صد ہمچو من ہندوے تو از من چرا رنجیدۂ

تلمیع | متعدد زبانوں کے جمع کردینے کو تلمیع کہتے ہیں یعنی ایک بیت میں دو زبانیں ہوں اور خمسہ میں پانچ ' مثال :-

جھپکی سی ہمیں دور سے دکھلا کے خدا را
اے نور خدا در نظر ار روے تو ما را

بدایع معنوی

تضاد | جو لفظ مذکور ہوا اس کی ضد استعمال کرنا، مثال، جو تھوڑا ہنسے گا سو بہت سا رووے گا، ظاہر ہے کہ 'تھوڑا'، 'بہت' کی اور 'ہنسا'، 'رونے کی ضد ہے -

طباق | اسے مراعات نظیر بھی کہتے ہیں، اس میں الفاظ کی باہم رعایت رکھی جاتی ہے، مثال:—

فلانا ہندو بچا جو نیا نیا مسلمان ہوا ہے کل
جو کسی نے اس کے سامنے گنگا کا ذکر کیا اور
بزرگی اس کی بوچھی تو مارے شرم کے پانی
پانی ہو گیا نزدیک تھا کہ چہرہ سے اس کے
پسینے کے نالے بہنے لگیں یا اگر ہو سکے تو
چلو بھر پانی میں ڈوب مرے -

'پانی'، 'بھر' وغیرہ کو دریا سے تعلق ہے -

ایہام طباق و تضاد | یعنی ایسا لفظ استعمال کرنا جس کے دو معنی ہوں، ایک قریب اور ایک بعید، ایک جماعت ہندوستان میں جگت باز یا ضلع بولنے والوں کے نام سے مشہور ہے - یہ لوگ صنایع کے ادا کرنے میں شاعروں سے بڑھے ہوے ہیں، ان کی کوئی بات

تجنیس ، مراعات نظیر اور ایہام سے خالی نہیں ہوتی - فارسی میں ایسے لوگوں کا لقب بذلہ سنج اور لطیفہ گو ہے اور عربی میں بلیغ -

جو شخص علم بیان و بدیع کے عالم ہیں ان لوگوں کے سامنے گویا گونگے ہیں ' کیونکہ اس فن کا جاننے والا تو بڑے جد و جہد اور اہتمام سے ایسی عبارت ٹھیک ٹھاک کر سکے گا جب کہ ان لوگوں کو تلاش اور کوشش کے بغیر یہ چیزیں بر زبان ہیں —

حضرت دھلی کی بربادی کے بعد لکھنؤ میں اس جماعت کے چند آدمی نامی ہوے ہیں - اس مبارک زمانے میں ہوا کے اعتدال کے سبب سے اس شہر (لکھنؤ) کے باشندوں کی روحِ نفسانی خدا کے فضل سے روزافزوں ترقی کر رہی ہے اور نابالغ لونڈے بھی اگلے زمانے کے بختہ کلاموں کو پرے بٹھاتے ہیں اور ضلع کے سواد و مختلف اور متضاد چیزوں میں ایک لفظ سے مناسبت پیدا کردیتے ہیں اور اس کو 'نسبت' کہتے ہیں ، مثلاً ، " اگر کوئی پوچھے کہ کلویئں اور آتشبازی میں کیا نسبت ہے ؟ " تو کہنا چاہئے " چرخی " - یا یہ سوال ہو کہ :- " بندوق اور مہاجن اور فرنگی میں کیا نسبت ہے " ؟ تو جواب ہو گا " کوٹھی " - یا " چوپڑ اور دوپٹہ میں کیا نسبت ہے " ؟ جواب

دیں گے "گوت" * ---

ضلع کی مثال جس میں دریا کے مناسبات جمع کیے گئے ہیں :---

آپ کا 'بھرہ' کچھ آج کُھل گیا ہے' واللہ تمھاری بات 'پانی' بہت مشکل ہے - ہمیں کل 'سوتا' چھوڑ گئے - ہر چند ضعف 'نالی' کی تو بھی رتھ میں جگہ 'ندی' ایک 'باولی' رنڈی کے کہنے سے ہماری 'چاہ' دل سے اٹھادی - بات کا نہ سننا آپ کے جدّو' آبا کا طریق چلا آتا ہے' دو کبوتر مکھی اور ایک 'گھا گھرا' مرزا جان کے 'بیاہ' کے دن تانبے کا 'چنبل' بیچ کر مول لیے تھے سو کوئی آدمی چرالے گیا ایک 'راوی' یوں کہتا ہے کہ سرکار کا غلام لے گیا ہے پروہ راوی کچھ رند' مشرب' ساھے دن رات اسی سعی میں ہے کہ دو آدمیوں کو لڑا دیجیے' مراد خاں تو تلا حیات خاں سے کہتا ہے کہ 'بیٹا' اس کی ایک بات نہ مانیو اس لیے بندہ آپ سے بولتا نہیں اگر تحقیق ہو تو پھر سرکار کے غلام کو یہاں 'جمنا' مشکل ہوجاے گا میں تو بنارس چلا تھا اس واسطے 'اٹک' گیا کہ چور معلوم ہوجاوے اس غلام کو آپ نے اپنا 'نربدا' ہے اور کوئی تو خاکروب

---

* جسے مرزا قتیل 'نسبت' کہتے ہیں حضرت امیر خسرو کی ایجاد ہے اور اسے 'دوسخنا' کہتے تھے - اُن میں سے بہت سے دو سخنے مشہور اور کتابوں میں مذکور ہیں مثلاً ''گھوڑا اڑا کیوں' پان سڑا کیوں'' ؟ جواب' '' پھیرا نہ تھا'' - '' وزیر کیوں نہ رکھا' انار کیوں نہ چکھا'' ؟ جواب - '' دانا نہ تھا'' -

- (مترجم)

کے برابر بھی نہیں جانتا ھے - سرکار عالی کے تو ایسے
ھی لوگ قوت بازو اور یار وفادار ھیں ' دو حوزۂ
شال محمد لیف کشمیری دزدیدہ بود اور اس پر آپ
کو یہ ' کبھیر ' سمجھتا ھے کہ اللہ اللہ جس وقت کمشاب
کی قبا پہن کر ' گرا ' گھوڑا کداتا ھے اُس وقت شان
اُس کی دیکھا چاھیے - آپ منھہ نہ لگائیں تو پھر ' دھوبی '
کا کتا نہ گھر کا ھے نہ گھاٹ کا لیکن خدا جانے اُس
نے پار سال سے کیا جادو کیا ھے کہ آپ وار وار جاتے
ھیں کیوں نہ پھر ' پچاس پاٹ ' کا ٹیمہ پہنے ' حب خاوند
کی یہ صورت ھے اور سب باتیں تو ' درکنار ' کل کی بات
ھے کہ ایک پیسے پر جھنامل دلال کو پچاس مچھیاں
دیتا تھا اور بات بات میں روتا تھا محلے والوں نے
' مرزا روو ' نام رکھا تھا ' نہ مانو تو میر ' منھگا ' کے بیٹے
میر ' جھیگا ' سے پوچھہ لو - آپ کو کیا مناسب ھے کہ اس
' مگرے ' کو اس قدر منھہ لگایا ھے - قبلہ بہت گھمنڈ نہ
کیجیے گا گھڑی میں ' گھڑیال ' ھے - انگریز کے جاسوس
جا بجا ھیں - خدا نہ کرے کہ آپ کہ بعضی باتوں کی
خبر ھو جاے تو ' ناکے ' سے نکلنا دوبھر ھو جاے گا - یہ
فرمائیے کہ ' جہاز ' صاحب کی خدائی نے آپ کی جان
بچائی یا کچھہ روپیہ یا کوئی دوست کام آیا - خدا
کے واسطے ' پینس ' پر چڑھ کے ' نہ خدا ' کو بھول جائیے '
یہ باتیں کچھہ اور ھیں اور بات رندی کے سامنے کچھہ
اور ھے کہ ذرا طبلہ جو برا بجا تو کہنے لگے بم رے
طبلے بجاتا کیوں نہیں - ایک غلام آپ کا ھے اور ایک
غلام میاں نہیم تھے کہ ایک ' پل ' بقدر ' چارپل وار '
بنا کر اپنا نام کر گئے آج تک اس کروفر اوو شیخی پر
ڈال ڈالی منھہ سے صاف نہیں نکلتا اُس دن جو ' دریا خاں '
کے دو کبوتر پکڑے تو کہنے لگے کہ کبوتر کے نام ایک

'پرندوں' کا شور دیکھیے کہ مسلم 'بوٹی' ہرن کی دسترخوان پر دیکھہ کر کہتا ہے کہ تیہا ہے ہم بھی ایک بات کہتے ہیں ہم کیا بلا ہیں اسی سوچ میں رہتے ہیں کہ اگر کوئی پوچھہ بیٹھے کہ برادرا تو در مزرع دنیا چہ 'کشتی' تو اس کا جواب کیا دیجیے خدا کی قدرت کا کیا کیا بیان کریں کہ کل 'نوازی' کا پھول اتنا بڑا دیکھا کہ بلا بلا وہ شیم بھی کھڑا تھا جو سوت ھتی میں رھتا تھا اور آپ اکثر 'نوازآکر' بیچا کرتا تھا اور چھنا مل لاھی کے تھان اُس کے ھاتھہ بیچتا تھا اور چند روز 'بیڑی' بھی پانؤں میں غریب کے رھی خدا جو چاھے سو کرے بڑے بڑے 'بلیوں' کے پانؤں میں زنجیر پڑتی ھے اور امانجی اُن کی رویا کرتی ھیں - بھئی مرزا خیرالله بیگ تم 'نہ چہو تم سے بھی ناحق ناحق کو توال نے 'ڈانڈلیا' تھا تم میں کوئی عیب نہیں بلکہ بہت سی خوبیاں رکھتے ہو خدا نے تمھیں بھی ایک نہم 'رسا دیا' ھے —

ایہام | یعنی ایسے لفظ کا استعمال کرنا جو دو معنوں پر دلالت کرے مثال :

عرش پر کیونکر نہ ھو تیرا دماغ
دی گورنر نے تجھے کرسی پہ جا

اور

سب سے اونچا بیٹھنا اچھا نہیں
ھاتھہ سے مونڈھا ذرا کیجے جدا

ان مثالوں میں سامع کا ذھن اول قریب کے معنی

پر جاتا ہے اور وہ کرسی کو عرش کے مقابل اور شانہ کو ہاتھہ کے مقابل سمجھتا ہے لیکن تامل کے بعد اس کا ذہن وہ دور کے معنی اخذ کرتا ہے جو کہنے والے کا مقصود ہے یعنی گورنر کی مناسبت میں کرسی اور بیٹھنے کی مناسبت میں مونڈھا ـــ

محتمل الضدین اور وہ یہ ہے کہ شعر یا نثر میں دو معنی کا احتمال پیدا ہو اور وہ دونوں معنی ایک دوسرے کی ضد ہوں ــ

'ہجو ملیح' بھی محتمل الضدین کی ایک قسم ہے' اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں محتمل الضدین ہو ہجو ملیح کا مفہوم ہے - مدح اور ذم دونوں معنی اس سے پیدا ہوتے ہیں جس کا پتا قرینے سے چلتا ہے - کہیں قرینہ گم بھی ہوتا ہے اور سننے والا کوئی ایک مفہوم لے بیٹھتا ہے - اس کی مثال جو مدح اور ذم دونوں پر متضمن ہو :ـ

ایک قطرہ ہے سمندر ترے منہ کے آگے

(۱) یعنی تیرا دہن اس قدر تنگ ہے کہ اس میں ایک قطرہ بمنزلہ سمندر کے ہے پس گنجایش ناپید ہے - (۲) یعنی تیرا دہن اتنا بڑا ہے کہ اُس کے لئے سمندر گویا ایک قطرے کی مثال ہے -

اس کی مثال کہ جو زید کی ہجو ہو غور کے بعد عمرو کی ہجو بن جاے، مثال :-

عمرو کہتا ہے کہ ہجو زید کی کر
میں کہتا ہوں لعنت خدا کی اس پر—

لف و نشر 'لف' کے معنی ہیں لپیٹنا اور نشر کے معنی ہیں پھیلانا، کھولنا - اصطلاح میں یہ مراد ہے کہ پہلے کئی چیزوں کا ذکر مجمل کیا جاے، یہ ہوا 'لف' اور پھر ان کی تفصیل بتائی جاے، یہ ہوا 'نشر'- یہ کبھی باترتیب ہوتا ہے جسے فارسی میں لف و نشر مرتب کہتے ہیں، اور کبھی بے ترتیب ہوتا ہے، جسے لف و نشر غیر مرتب کہتے ہیں، مرتب کی مثال :-

کف بخشش سے ترے معدن و دریا و بہار
تینوں حاصل کریں اے سرورِ فرخندہ تبار
لعل معدن کو ملے بحر کو در خوش آب
دیکھے ہر لالہ و نسریں سے بہار اپنی کنار

اور

آہو و نافہ و نسریں کو سدا بخشے تو
نافۂ و بوئے خوش و رنگ ہو جتنا درکار

بعضے ان مثالوں کو لف و نشر نہیں کہتے بلکہ مثال اول کو 'تفسیر جلی' اور دوسری مثال کو 'تفسیر خفی' بتاتے ہیں —

اور مثال

سرو و گل شوق میں تیرے قد و عارض کے سدا
نالہ کرتے ہیں بہم قمری و بلبل کی طرح

لف و نشر غیر مرتب کی مثال :—

یاد میں اس طرہ و رخسار کی
ہاتھ سر پر مارتا ہوں صبح و شام

'شام' زلف اور چہرے کی ترتیب کے لحاظ سے 'صبح' سے پہلے آنا چاہئے تھا لیکن ضرورت شعری سے بعد میں آیا —

جمع | چند چیزوں کا ایک شعر میں جمع کر دینا - جیسے —

دولت و بخشش و علم اور صفائے باطن
کرم اپنے سے تجھے حق نے دیا ہے سب کچھ

تفریق | بیت —

ترے آگے میں لوں رستم کا کیا نام
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اس بیت میں شاعر کا مقصود ممدوح اور رستم میں فرق کا اظہار ہے —

تقسیم | بیت —

وہی دیوے گا تجھے صبر و سکوں جس نے دیا
رخ زیبا تجھے اور دیدۂ گریاں مجھکو

رخ زیبا اور دیدۂ گریاں مورد قسمت ہیں —

جمع مع تقسیم | بیت —

تیغ و افسر کا ہے تو مالک عنایت سے تری
تیغ رستم لے گیا افسر سکندر لے گیا

جمع مع تفریق | بیت —

دونوں صاحب فیض ہو آپس میں یکساں اور تُو
پر وہ دیتا ہے صدف کو قطرہ تُو سچھ کو گہر

جمع مع تفریق وتقسیم | قطعہ —

سب سخی ہیں ابر و دریا اور وہ عالیجناب
پاویں فیض ان سے نباتات اور غوّاص و گدا
پر کرے ہے نالہ دریا ابر رووے وقت فیض
بالب خنداں وہ والا فر رہے ہے دائما

رجوع | ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف جانا جو پہلی سے بڑھیا ہو ' بیت —

مرا وہ خرمن نسریں پری سے ہمسر ہے
نہیں نہیں یہ خطا ہے پری سے بہتر ہے

حسن التعلیل | پسندیدہ طرز پر سب کا بیان کرنا ' بیت '—

میں نے کہا کہ اب یہ مسی تو نے کہوں ملی
بولا مسی نہیں یہ چھری ھے نگاہ کی

المہذب الکلامی | اس سے عبارت ھے کہ کلام کو مدلل بنادیں جس طرح لکچر دینے والے کہا کرتے ھیں ' یعنی جس طرح لکچرار یا متکلم نقلی مقدمات کو عقلی دلائل سے ثابت کیا کرتے ہیں۔ مثال :-

کس طرح ھنسے اس دھن تنگ سے وہ شوخ
تقسیم پہ جز کی ھیں دلائل سبھی باطل

مبالغہ | مبالغہ تین قسموں پر ھے (۱) جو عقل اور عادت کے موافق ھو - اس کو تبلیغ کہتے ھیں (۲) جو عقل کی رو سے ٹھیک اور عادت کے خلاف ھو اسے ' اغراق ' کہتے ھیں (۳) جو عقل اور عادت دونوں سے لگا نہ کھائے ' غلو ' کہلاتا ھے —

حشو | حشو اس عبارت یا لفظ کا نام ھے جو کلام میں غیر ضروری ھو [یعنی اس کے بغیر مطلب پورا ھوتا ھو ' یہ کلام کے عیبوں میں سے ھے] ' اس کی تین قسمیں ھیں :—

(۱) حشو ملیح ' مثال :-

زیب و زینت حسن کو کیا چاھئے
پنجۂ خور طالب خاتم نہیں

'زیب' اور 'زینت' دونوں مترادف ہیں ' ان میں سے صرف ایک لفظ ادائے مطلب کو کافی تھا لیکن کثرت استعمال سے دونوں لفظ کھپ گئے —

(۲) حشو متوسط ' مثال :-

تو ہے بحر بیکراں میں تشنۂ و تفتیدہ لب
اے جہان جود و ہمت پیاس کو میری بجھا

'جود' یا 'ہمت' ایک لفظ حشو ہے جس سے کلام میں نہ زینت آتی ہے نہ قبح —

(۳) حشو قبیح - مثال :-

اگر تو نے ستم مجھہ پر کیا تو کیا ہوا پیارے
جفا معشوق اور محبوب کا سہتے ہیں سب عاشق

اس شعر میں یا 'معشوق' زاید اور قبیح ہے یا 'محبوب' - - [بہت سے صنایع بدایع جو فضول اور دور از کار تھے قلمزد کردئے گئے]

— * —

دوسری فصل

اصناف شعر

جاننا چاہئے کہ نظم کی دس قسمیں ہیں (۱) غزل (۲) قصیدہ (۳) فرد (۴) رباعی (۵) مسمط (۶) مثنوی (۷) تشبیب (۸) ترجیع (۹) مستزاد

(۱۰) قطعہ —

غزل | غزل اس کلام موزوں سے عبارت ہے کہ اس کی پہلی بیت مقفیٰ ہو جسے 'مطلع' کہتے ہیں باقی شعر اس قبیل سے ہوں کہ بیت کا دوسرا مصرع مطلع کا ہم قافیہ ہو' یہ سب جانتے ہیں' اہل عجم کا قاعدہ ہے غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص ڈالتا ہے' اسے 'مقطع' کہتے ہیں —

غزل کے مضامین | غزل میں معشوق' شراب' فراق کے الم کا شکوہ اور معشوق کی جفاؤں اور بری عادتوں کے سوا اور مضامین کا ذکر زیبا نہیں - جو اس کے خلاف ہو وہ غزل نہیں - لوگوں کے تصرفات غیر معتبر ہیں - اور جن لوگوں نے بیوقوفوں پر رعب جمانے اور صاحب طرز جدید بننے کا لقب حاصل کرنے کے واسطے غزل کو معما بنا دیا ہے ان کا کلام غیر فصیح ہے - وہ نافہموں میں مقبول اور مشہور ہو لیکن عقلمندوں کے نزدیک معتبر نہیں * - ریختہ کے شاعر کلام میں فارسی شعرا کا تتبع کرتے ہیں [اب فارس میں بھی غزل کا وہ

* میرے معاصرین پر ظاہر ہے کہ غزل کے مضامین سے متعلق یہ قیدیں اب مسترد ہو چکی ہیں - اگر وہ پرداز اور رتبہ جو غزل کو ملا ہے نہ ملتا تو غزل کبھی کی مر چکی ہوتی - (مترجم)

رنگ ڈھنگ نہیں رہا]- ان کا معشوق امرد (لونڈا) ہے بخلاف بھاکھا (بھاشا) کے کہ اس میں معشوق عورت ہے - اگر ریختہ میں 'آیا وہ دلربا' کی جگہہ 'آئی وہ دلربا' باندھا جاے تو محض غلط ہے - اگر کوئی کسی عورت کا عاشق ہو تو اس طرح کہے اسے اختیار ہے لیکن دیوانوں کے کلام کی تقلید زیبا نہیں اور یہ طرز کہنے والے سے خصوصیت رکھتا ہے - اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو کچھہ قایل ارادے سے کہے غلطی سے پاک ہے کیونکہ عبارت اور کلام میں خطا کا عاید ہونا بے علمی یا سہو سے ہوتا ہے —

زمین غزل

ریختہ والے [کبھی کبھی] ایک زمین میں چار چار غزلیں کہتے ہیں اور غزل کے مقطع میں اگلی غزل کا اشارہ کر دیتے ہیں - 'غزل کی زمین' سے ردیف، قافیہ اور بحر مراد ہے - اگر وہی ردیف و قافیہ دوسری بحر میں باندھا جاے تو زمین دوسری ہو جاے گی —

تخلص کا استعمال

تخلص کا استعمال اس انداز سے ہونا چاہئے کہ وہ صریحاً شاعر کی شخصیت پر دلالت کرے - مثلاً لفظ تمنا کو لیجئے' یہ ایک عام لفظ ہے جس کے معنی ہیں خواہش' آرزو - 'تمنا' بعض شاعروں کا تخلص بھی ہوتا ہے - بیت :-

وعدہ ہر روز نیا کب تلک اے وعدہ خلاف
آ شتاب اب کہ 'تمنا' کی تمنا ہے یہی

اس میں لفظ 'تمنا' تخلص کی حیثیت سے بندھا ہے اور سامع سمجھتا ہے کہ یہ کلام 'تمنا' شاعر کا ہے - لیکن اس بیت میں :-

عاشق خستہ کی رخصت دم آخر ہے ضرور
ہے اسے تیرے ہی آنے کی تمنا باقی

یہاں 'تمنا' ایک عام لفظ پایا جاتا ہے اور اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ شعر اس شاعر کا ہے جس کا تخلص 'تمنا' ہے --

غزل کے اشعار کی تعداد | غزل کے اشعار پانچ سے کم نہ ہونے چاہئیں ' ورنہ سات ہوں یا نو یا گیارہ [یعنی غزل کے شعروں کی تعداد طاق ہو] - متاخرین فارسی کے ہاں چالیس تک بھی غزل کے اشعار کی تعداد پائی جاتی ہے - اگر کلام اچھا ہے تو اس کا مضایقہ نہیں —

قصیدہ | یہ چند بیتیں اکثر تو ممدوح کی مدح میں ہوتی ہیں اور کمتر معاصرین (ابناے روزگار) کے حال میں- قصیدے کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو اس کی ابتدا مدح سے ہوتی ہے ' یا مدح سے پہلے چند

بیتیں اور مضمون میں ہوتی ہیں اور ان کے بعد مدح شروع ہوتی ہے اس کو 'گریز' کہتے ہیں اور مذکورہ ابیات کو عموماً تمہید کہتے ہیں لیکن اہل تحقیق تشبیب کا نام دیتے ہیں خواہ ان شعروں میں شراب و شاھد اور ایام جوانی کا ذکر ہو خواہ اور چیزوں کا، اشعار میں ردیف قافیہ اور وزن کے قیود غزل جیسے ہیں۔

رباعی رباعی میں کُل چار مصرعے ہوتے ہیں، اس کے اوزان عروض کی کتابوں میں دیے ہوئے ہیں - [اس میں تیسرے مصرع کے سوا باقی تینوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، اوزان رباعی کے متعلق مجمل طور پر یہ کہنا یہاں کافی ہوگا کہ یہ بحث پیچیدہ ہے اور طالب علم کو عروض کی کتابوں میں مطالعہ کرنی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ رباعی کے چوبیس اوزان معین ہیں مگر وہ چوبیس اوزان کونسے ہیں ان میں عروضیوں کا اختلاف ہے] -

مسمط 'مسمط' تسمیط کا اسم مفعول ہے اس کے معنی ہیں دھاگے میں موتی پرونا، شاعروں کی اصطلاح میں چند متحدالقوافی مصرعوں سے مراد ہے اس طرح کہ پہلے چند مصرعے موزوں کر کے اس مجموعے کو بند اول کہتے ہیں پھر اور چند مصرعے دوسرے قافیہ میں کہہ کر آخر کے مصرع کو بند اول سے ہم قافیہ کرتے ہیں۔ مسمط

کی سات قسمیں ہیں - 'مربع' - 'مخمس' - 'مسدس' - 'مسبع' - 'مثمن' - 'متسع' - 'معشر' —

مربع | مربع میں چار مصرعے متحد القوافی ہوتے ہیں - یہ ہوا اول بند - پھر اور تین دوسرے قافیے میں متحد القوافی کہہ کر چوتھے مصرع کا تقفیہ بند اول سے کرتے ہیں - اسی طرز پر اگلے بند نظم کیے جاتے ہیں —

آج کل ہندوستان کے اکثر شاعروں نے جن کی طبیعت شعر کی طاقت نہیں رکھتی جاہلوں میں مشہور اور ممدوح ہونے اور بد مذاق امیروں سے جلب منفعت کی غرض سے مرثیہ گوئی شروع کر دی ہے اور اس کے لئے 'مربع' کی صنف اختیار کی ہے —

مخمس | مخمس اسی التزام کے ساتھ پانچ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے - بعضے اول مصرع کے آخری شعر کو ہر بند کے آخر میں لاتے ہیں —

مسدس وغیرہ | مسدس چھ مصرعوں کا - مسبع سات مصرعوں کا - مثمن آٹھ مصرعوں کا - متسع نو مصرعوں اور معشر دس مصرعوں کا طریق مذکورہ کے مطابق ہوتا ہے —

ریختہ گویوں نے مسدس کو [قاعدۂ مذکورہ سے الگ]

ایک نئی چیز قرار دے دیا ھے' وہ یہ کرتے ھیں کہ چار مصرعے ایک قافیے میں کہہ کر اور دو مصرعے دوسرے قافیے میں کہہ کر پہلے چار مصرعوں سے ملحق کرتے ھیں اور اسے ایک بند کہتے ھیں اسی طرز پر اور بند کہہ کر ایزاد کرتے ھیں - 'مسبع' سے معشر تک اصناف قدما میں رایج تھیں اب کوئی نہیں کہتا - شعراے ریختہ نے 'مسمط' کو آٹھ قسموں پر منقسم کیا ھے یعنی اس کی قسموں میں 'مثلث' ایزاد کیا ھے اور اسے اپنی زبان میں تِکّڑ کہتے ھیں - تِکّڑ کی مثال :-

اگرچہ سیکڑوں اس جا پہ تھے کھڑے زن و مرد
نہ شد قتیل زیاراں کہ یک کس از سر درد
سرے بہ نعش من خستہ جاں بجنباند

مثنوی

مثنوی کا کہنا سات بحروں پر منحصر ھے' ایک بحر متقارب مثمن مقصور (آخری رکن کے لحاظ سے) یا محذوف (اسی رکن کے لحاظ سے) ھے اور یہ بحر بادشاھوں کے باھم محاربات اور جنگ کے بیان کے لئے مخصوص ھے' لیکن 'میر حسن' مرحوم ریختہ گو نے 'بے نظیر و بدر منیر' کا قصہ اسی وزن میں موزوں کیا ھے * حق سے گزرنا نہیں چاھئے خدا بخشے خوب کہہ

* یہ بحر رزمیہ مضامین سے کیوں مخصوص سمجھی جاے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی' یہ کوئی وجہ نہیں کہ فردوسی نے شاھنامہ اس بحر میں کہا - کوئی صوتیاتی دلیل اس ادعا کے حق میں نہیں پیش کی گئی' ترنم کے لحاظ سے یہ بحر جمالی شان رکھتی ھے نہ کہ جلالی (مترجم)

گیا ہے - [اصل کتاب میں آگے مثنوی کی اور مخصوص بحور کا ذکر ہے جسے' محض طوالت سمجھ کر قلمزد کیا گیا کیونکہ آج کل ان قواعد (یا احکام کہئے) کی پابندی کوئی نہیں کرتا ' جو قاعدہ "کیوں" ؟ اور "کس وجہ سے ؟ " کا جواب اپنی زبان سے نہیں دے سکتا وہ تسلیم اور تعمیل کا مستحق نہیں سمجھا جاتا -]

ترجیع | اس سے مراد ہے پلٹ کر لانا [یعنی ایک مصرع یا بیت کو بند والی نظموں میں ٹیپ کی جگہ بار بار ہر بند کے بعد لانا] اور ایسی صنف شعر کو 'ترجیع بند' کہتے ہیں ' اگر یہ ٹیپ کی بیت جداگانہ ہو تو ترکیب بند کہا جائے گا [ترکیب بند کا جو مفہوم آج کل اردو میں ہے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں] -

مستزاد | عموماً رباعی کے وزن سے ایک ٹکڑا لے کر ہر مصرع پر ایزاد کرنے کو مستزاد کہتے ہیں ' متقدمین غزل کے مصرعوں میں بھی یہ ایزادی کرنے لگے --

قطعہ | ان چند بیتوں سے مراد ہے جن کے اول بیت کے اول مصرع کا قافیہ ہو چنانچہ قافیہ کا حصر بیت کے مصرع ثانی پر ہے - بعضے مختصر قصیدے کو بھی قطعہ کہتے ہیں - [قطعہ کا مضمون مسلسل ہوتا ہے ' اس میں کم سے کم دو شعر ہوتے ہیں ' پہلا شعر فرد ہوتا

ہے ' اس کا آخری مصرع باقی شعروں کے آخری مصرعوں سے ہم قافیہ ہوتا ہے —] —

خاتمہ کتاب

ایک نسخہ میں مصنف کی یہ عبارت اور قطعۂ تاریخ اختتام پر پایا گیا جو بجلسہ نقل کیا جاتا ہے : —

اس قواعد اردو کی کتاب کی تکمیل کا قطعہ تاریخ جو جناب عالی متعالی وزیر الممالک ناظم الملک یمین الدولہ نواب سعادت علی خاں بہادر کے حسب ارشاد تصنیف ہوئی احقر العباد راجی اللہ المستعان سید انشا اللہ خاں نے نظم کیا —

چوں حسب حکم ناظم ملک و جہانیاں
نواب مستطاب وزیر فلک جناب

شد منتظم قواعد اردو بہ سلک نظم
اردوے ناظمی شدہ تاریخ ایں کتاب

سنہ ۱۲۲۳ ھ

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
د	۴	سیلیم	سلیم
۹	۱۱	ص کے بعد ض کا اضافہ کیا جاے	
۱۱	آخری	بملی	بمعلی
۳۷	۱۱	تیسری فصل	دوسری فصل
۲۸۹	۱۶	اضاف	اضافت
۲۹۱	۷	کئی اکٹھے	کئی مرد اکٹھے
۳۸۰	۱۷	آپ کہ	آپ کی
,,	۲۰	روپیہ	روپیا
,,	۲۴	بجاتا	بجتا
۳۹۴	۱۷	ہو	نہ ہو

مطبوعۂ

مطبع انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)